حصہ اوّل و دوم مکمل

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

علامہ سید سلیمان ندویؒ

دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱

طبع اوّل دارالاشاعت ۱۹۹۵ء

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ کراچی

فہرست مضامین

تاریخ سندھ حصہ اوّل

اسلامی عہد

۴۵ - ۱۸۸

(۲)

سلطنت خاندان ہباری

۱۸۹ - ۲۵۲

(۲)

سلطنت خاندان ہباری

۱۸۹—۲۵۲

فہرست مضامین

تاریخ سندھ حصہ دوم

سندھ کی تمدنی تاریخ

۳۳۱-۳۹۰

ولاۃ سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

انگریزون نے اسلامی ہند کی جو تاریخین لکھین وہ بہت کم سیاسی اغراض سے خالی ہین، ان کا مقصد ہندو مسلمانون مین منافرت پیدا کرنا، مسلمانون کے دلون سے اُن کے نامور سلاطین اور شاندار ماضی کی وقعت گھٹانا اور اپنی حکومت کی عظمت و برتری کا نقش جمانا تھا، اس لئے ان کی لکھی ہوئی تاریخون مین عموماً بڑی تحریف و تدلیس ہے، اور ان مقاصد کے مطابق واقعات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نمایان کیا گیا ہے، اور رائی کو پہاڑ بنا کر دکھایا گیا ہے، ابتدا مین یہی کتابین اسکولون اور کالجون مین داخل ہوئین جن کے زہریلے اثرات سے آنے والی نسلین متاثر ہوتی رہین، اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خود ہندوستانی مصنفین بھی اس غلطی مین مبتلا ہو گئے، اور ان کی مرتب کردہ تاریخین بھی عموماً اس اثر سے نہ بچ سکین، صاحبِ نظر مسلمانون نے بہت بعد مین اس کو محسوس کیا، اور سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے اس کی اصلاح کی جانب توجہ کی، اور سنہ ۱۹۱۰ء مین اصلاح اغلاط تاریخی کے نام سے ایک سوسائٹی قائم کی جس نے کچھ کام بھی کیا، لیکن آگے نہ بڑھ سکی،

یہ ظاہر ہے کہ کسی پوری کی پوری قوم کا دامن خامیون سے پاک نہین ہو سکتا، اور نہ کسی حکومت کے تمام حکمران عدل و انصاف کا نمونہ ہو سکتے ہین، اُن سے غلطیان بھی سرزد ہوتی ہین، لیکن اُن کو محض قومی و مذہبی تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہین ہے، ایسے حکمرانون کا خود

اپنے ہم قوم محکومون کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، کیا اُن کے ہاتھون اُن پر زیادتیان نہین ہوتین، اُن کے متعلق کیا کہا جائے گا، اور کیا یہ دور جس کو مذہبی تعصب سے خالی کہا جاتا ہے ایسی مثالون سے خالی ہے، درحقیقت حکمرانون کی بہت سی بے عنوانیان خود اُن کی سرشت، ذاتی مصالح اور حکومت کی سیاست کا نتیجہ ہوتی ہین جن کو مذہبی و قومی تعصب سے کوئی علاقہ نہین ہوتا، اور اس کا اثر بلا تفریق مذہب و ملت سارے محکومون پر یکسان پڑتا ہے، پھر انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان بے عنوانیون اور بدنما واقعات کو اُن کی حد کے اندر محدود رکھا جائے، اُن کو آب و رنگ دیکر قومی منافرت کا وسیلہ نہ بنایا جائے، اور ان حکمرانون کے عیوب اور خامیون کے ساتھ، مسلمان حکومتون اور حکمرانون کے محاسن، اُن کے ملکی خدمات اور کارنامون کا بھی اعتراف کیا جائے، اُنھون نے ہندوستان کو جو گوناگون فوائد پہنچائے، اور اُس کو جس ابتدائی درجہ سے جس معراجِ کمال تک پہنچایا، اس سے کون انکار کر سکتا ہے، پھر اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے والے واقعات کی بھی کمی نہین، اُن کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے، اور قومی اتحاد کا یہ زرین اصول بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آگے بڑھنے مین پچھلے واقعات پر نگاہ نہین ڈالی جاتی،

اس زمانہ کی تاریخ محض واقعاتِ ماضی کی کھتونی نہین ہے، بلکہ اس کو قومون کو بنانے اور بگاڑنے مین بھی دخل ہے، اس لئے ہندوستان کے اس تعمیری دور مین خصوصیت کے ساتھ تاریخ مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،

ان اہم مقاصد کے پیشِ نظر دار المصنفین نے بارہا ہندوستان کی ایک مفصل و مستند تاریخ لکھنے کی تحریک کی جس مین تحقیق و صحت کے اہتمام کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے، اور خود اس کام کو شروع کیا، کئی سال کی محنت کے بعد اس کے بعض حصے تیار ہو گئے ہین، زیر نظر حصہ تاریخ سندھ سے متعلق ہے، سندھ کی تاریخ اس حیثیت سے بہت اہم ہے، کہ ہندوستان کی سرزمین مین مسلمانون کا پہلا

قافلہ سندھ ہی میں اترا تھا، اور یہیں اُن کی پہلی حکومت قائم ہوئی تھی، اور وہ ایک ہزار سال تک یہاں کے حکمران رہے، جن کے آثار آج بھی سندھ کے در و دیوار سے نمایاں ہیں، اس کے باوجود اردو میں سندھ کی کوئی مفصل محققانہ اور مستقل تاریخ موجود نہیں ہے، مولوی عبدالحلیم شرر کی کتاب محض فتوح سندھ کی تاریخ ہے اور وہ بھی صرف فتوح البلدان بلاذری، کامل ابن اثیر اور چچ نامہ کے بیانات کا خلاصہ ہے، مولوی ذکاء اللہ اور دوسرے مورخین ہند کی کتابوں میں سندھ کے حالات محض ضمنی ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب اردو میں سندھ کی سب سے پہلی مفصل، مستند اور مستقل تاریخ ہے، اس میں سندھ کا جغرافیہ، مسلمانوں کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتوں کے ماتحت رہا اور عباسیوں سے آزاد ہو کر یہاں جو جو حکومتیں قائم ہوئیں اُن کی پوری تاریخ، اور ان تمام دوروں کے نظام حکومت علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے ان سب کی پوری تفصیل ہے، کتاب کے مباحث اور درجۂ اعتبار و استناد کا اندازہ اس کے مطالعہ سے ہوگا، اب سندھ کا جغرافیہ اور مقاموں کے پرانے نام اتنے بدل گئے ہیں کہ موجودہ جغرافیہ سے پرانی تاریخ کا پوری طرح سے سمجھنا مشکل ہے، اس لئے قدیم سندھ کے کئی نقشے مرتب کرکے کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں، اُمید ہے کہ اُن سے پرانی تاریخ کے سمجھنے میں سہولت ہوگی، یہ کتاب ایسے وقت میں شائع ہو رہی ہے جب سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور پاکستان کی ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑ رہی ہے، یہ فال نیک تاریخ کا مبارک توارد ہے،

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین

۵ راگست سنہ ۱۹۴۷ء، ۱۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سندھ کا بیان

سندھ نام رکھنے کا سبب: آریہ قوم سے پہلے سندھ کے پرانے باشندے اس ملک کو کیا کہتے تھے، ابھی تک تاریخ کی زبان اس بیان کے متعلق خاموش ہے، آریہ قوم نے جب سندھ کی وادی میں قدم رکھا تو اس کا نام سندھو رکھا، کیونکہ سندھو ان کی زبان میں دریا کو کہتے تھے، اور اسی دریائے سندھ کی مناسبت سے پورے ملک کو سندھو، اور پھر سندھ کہنے لگے،[1]

شروع میں آریوں نے سندھ کے ادھر جتنے ملک فتح کئے، سب کا نام سندھ ہی رکھا، یہاں تک کہ پنجاب کی سرحد سے بھی آگے بڑھ گئے، مگر نام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جب گنگا تک پہنچ کر رک گئے تو اس کا نام آریہ ورت رکھا، مگر ہندوستان سے باہر اس نام کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، ایرانیوں نے سندھ کو اپنے لہجے میں ہند کر ڈالا، اور یونانیوں نے "ھ" کو اس کے قریب المخرج حرف "ہمزہ" سے تبدیل کرکے "اند" کر دیا۔ رومن میں جاکر اند سے انڈیا ہو گیا، اور انگریزی زبان میں چونکہ "دال" نہیں ہے اس لئے وہ انڈیا بن گیا۔

[1] انڈین امپائر مصنفہ ہنٹر صاحب، بیان سندھ۔

ادھر ایشیا کے پوربی ملکوں مثلاً سیام، لنکا، برہما وغیرہ میں اس کو اندریا کہتے ہیں، پالی زبان میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے، لیکن خود سندھی اپنے ملک کو سندھ ہی کہتے رہے ہیں اس لئے غیر ملکیوں[1] نے اس ملک کے دو حصے کر دیے ایک کا نام سندھ، اور دوسرے کا ہند رکھا۔ چنانچہ عربوں کی آمد تک یہی تقسیم قائم تھی۔

سندھ کے حدود سندھ کے حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہے ہیں یعنی سندھ کے حاکموں کا قبضہ جہاں تک رہا سب سندھ کہا جاتا تھا۔ راجہ داہر جو سندھ کا آخری ہندو راجہ تھا، اس کے عہد میں جب عربوں نے حملہ کیا ہے تو سندھ کی حدیں یہ تھیں۔

شمال میں دریائے جہلم کا منبع، جس میں کشمیر کے نشیبی اضلاع شامل تھے۔ اور کوہ کیکان کا سلسلہ اس کی حد بندی کرتا تھا۔ پھر شمال مغرب تک دریائے ہلمند پر جا کر وہ ختم ہوتا۔ اور جنوب مغرب میں ایران اور سندھ کی سرحد اس مقام پر تھی جہاں ساحل کے سامنے مکران کا جزیرہ خشور واقع ہے، جنوب کی طرف بحر عرب اور جنوب مشرق میں خلیج کچھ، مشرق میں راجپوتانہ اور جیسلمیر کی سرحدیں آکر ملتی تھیں۔

غرض اس وقت تمام شمال مغربی صوبہ، پنجاب کا علاقہ، افغانستان کا وہ علاقہ جو دریائے ہلمند تک ہے، سارا بلوچستان، موجودہ سندھ مع کچھ، علاقہ جودھپور کی سرحد تک کا نام صوبہ سندھ تھا۔

موجودہ حدود اس وقت یہ ملک احاطہ بمبئی کے شمال مغرب میں اس صوبہ کا آخری حصہ ہے، اس کے شمال کی طرف پنجاب اور بلوچستان (شمال مغرب کی جانب کوہ ہالار بلوچستان سے الگ کرتا ہے)، مشرق کی طرف ریاست ہائے جودھپور، بہاول پور اور جیسلمیر، جنوب میں کچھ کا ریگستان اور بحر عرب اور مغرب میں بحیرۂ عرب، کوہ ہالار اور بلوچستان[1]۔

[1] جغرافیۂ سندھ ص ۶ مرتبہ بشیر احمد خان۔

قدیم طول بلد و عرض بلد عرب حملہ کے وقت اس کا طول اور عرض بلد مندرجۂ ذیل تھا۔

عرض - ۲۳ درجہ سے ۲۵ درجہ تک۔ طول ۶۲ درجہ سے ۷۱ درجہ تک پھیلا ہوا تھا۔

جدید طول و عرض بلد فی الحال اس کا عرض البلد ۲۳ سے ۲۸ درجہ ۴۰ دقیقہ تک، اور طول البلد ۶۶ درجہ ۵۰ دقیقہ سے ۷۱ درجہ تک ہے۔

اور شمال سے جنوب تک طول میں زیادہ سے زیادہ (۳۶۰) میل، اور عرض مشرق سے مغرب تک ۱۷۰ میل ہے۔

رقبہ اور شہر سندھ کا وہ حصہ جو برٹش گورنمنٹ کے زیر فرمان ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں اس کا کل رقبہ (۴۷۰۱۴) میل مربع تھا، اور ریاست خیرپور کے قبضہ میں (۶۱۰۹) مربع میل زمین تھی، کل ملا کر سندھ کا رقبہ (۵۳۱۲۳) مربع میل ہوا، لیکن موجودہ رقبہ ۴۸۰۹۴ مربع میل ہے یعنی صوبہ بمبئی کے کل رقبہ کا ۱/۴ حصہ، اس میں ۷، ۴۱۴ شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔ اس کے بعد حیدرآباد، پھر خیرپور اور شکارپور۔

قدرتی تقسیم سندھ کی زمین دو حصوں میں منقسم ہے۔ بالائی اور زیرین۔ اس کو شمالی سندھ اور جنوبی سندھ بھی کہتے ہیں، سندھی زبان میں ان کو لاڑ اور سرا بولتے ہیں۔

شمالی سندھ (یا لاڑ) وہ حصہ ہے جو شہر سہوان (قدیم سیوستان) سے اوپر افغانستان اور صوبہ سرحد کی حد کو ملتا ہے، جنوبی سندھ (یا سرا) وہ زمین ہے جو شہر سہوان سے نیچے نیچے سمندر تک چلی گئی ہے۔ لیکن آج کل شمالی بلند حصہ کو سرو، مشرقی حصہ کو ریگستانی علاقہ یا صحرائی، مغربی حصہ کو پہاڑوں کے سبب کوہستانی علاقہ، اور درمیانی ہموار میدان کے باعث اس کو میدانی حصہ کہتے ہیں۔

قدیم آبادی سنہ ۱۸۹۱ء میں سندھ کی کل آبادی ۲۵۴۲۹۷۶ تھی جن میں سے (۱۲۸۵۷۶)

مرد اور (۱۱۵۵۴۰۰) عورتیں تھیں۔

ان میں سے (۱۸۸۷۲۰۴) مسلمان (۳۰۵۰۷۹) ہندو (۱۲۴۹۷۶) سکھ (۸۶۰۴۰) غیر ہندو (۶۰۸۲) عیسائی (۱۹۱۱) جین (۱۰۶۳) پارسی (۱۵۳) یہودی (۶۰) برہمو اور (۹) بودھ تھے، مسلمانوں میں سے (۱۸۵۸۶۴۰) اہلسنت (۲۸۰۹۳) شیعہ (۱۲۴) اہل حدیث اور (۲۸۹) دوسرے لوگ۔

موجودہ آبادی ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۳۹ لاکھ آدمیوں کی ہے، جو بمبئی احاطہ کی کل آبادی کے ۱/۵ حصہ کے برابر ہے۔ اس آبادی کا ۳/۴ حصہ مسلمان ہے اور باقی ۱/۴ میں مختلف اقوام، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی مشترک ہیں[۱]۔

دریا سرزمینِ سندھ کی ساری رونق دریائے سندھ سے ہے۔ اس کا پانی جہاں تک پہنچتا ہے وہاں تک سرسبزی و شادابی ہو جاتی ہے ورنہ خاک اڑتی ہے، یہ دریا ملک تبت کے کیلاس پہاڑ سے نکل کر تقریباً ۱۱ سو میل کشمیر، پنجاب اور سرحدی صوبہ سے چل کر مٹھن کوٹ کے نزدیک پانچوں دریا پنجاب سے لے کر کشمور شہر کے قریب سندھ میں داخل ہوتا ہے، اور جنوب مغرب کی طرف ۷ سو میل بہہ کر کیٹی بندر کے نزدیک متعدد شاخوں میں تقسیم ہو کر میدانوں میں بہتا ہوا بحر عرب میں جا گرتا ہے، اس کا منبع سمندر کی سطح سے سولہ ہزار فٹ بلندی پر ہے۔ موسم سرما میں اکثر سندھ کے بالائی حصے پایاب رہتے ہیں۔ شہر اٹک تک پہنچنے سے پہلے ہی دریائے کابل اس میں آکر مل جاتا ہے، دونوں کے ملنے سے پاؤ میل کے قریب اس کا پاٹ ہو جاتا ہے۔

سمندر کے قریب پہنچ کر اس کی مختلف شاخیں ہو گئی ہیں۔ جنہوں نے تقریباً اس تمام زمین کو گھیر لیا ہے جو بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے، اس کے گیارہ دہانے ہیں جن میں سے بعض جہاز رانی

۱؎ سندھ کا جغرافیہ۔

کے قابل ہیں۔ دہانے کی ان شاخوں کا سلسلہ ستر میل تک چلا گیا ہے جہاں جا بجا ببول اور سرو کے درخت اُگے ہوئے ہیں اور آبادی بھی زیادہ تر اسی جگہ ہے،

دریائے سندھ کی شاخیں دریائے سندھ کی کئی شاخیں ہیں۔ ان میں سے چند بڑی شاخیں یہ ہیں:

(۱) مشرقی نارو۔ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے روہڑی شہر کے قریب سے نکلتی ہے، خیرپور اور تھرپارکر ضلع کو سیراب کرتی ہوئی کچھ کے بیابان (رن) میں غائب ہو جاتی ہے۔

(۲) مغربی نارو۔ دریا کے مغربی کنارے مقام غافل ضلع لاڑکانہ سے نکل کر اسی ضلع کو سیراب کرتی ہوئی جھیل منچھر میں جا گرتی ہے اور اس جھیل سے ایک شاخ اڑل نامی نکل کر دریائے سندھ سے مل جاتی ہے۔

(۳) گھاڑ۔ مغربی نارو کے شمال ضلع لاڑکانہ ہی میں دریائے سندھ سے نکلتی ہے اور مغرب کی جانب بہہ جاتی ہے

(۴) پھلیلی۔ یہ شاخ حیدرآباد کے قریب گھلن گاؤں سے نکلتی ہے اور کچھ کے ریگستان میں غائب ہو جاتی ہے، مقام جام شوری سے ایک نئی شاخ کاٹ کر پرانی شاخ میں ملا دی گئی ہے اس کو گونی کہتے ہیں۔

(۵) پنجاری (۶) جامڑو (۷) بگھاڑو، یہ تینوں شاخیں ضلع کراچی میں ہیں۔

دریائے سندھ کے معاون دریائے سندھ کے دو حصے ہیں، ایک مشرقی حصہ، دوسرا مغربی۔ مشرقی حصے میں ۶ دریا جاری ہیں۔

(۱) جہلم (۲) چناب (۳) راوی (۴) بیاس (۵) ستلج (۶) گھگھر۔ جس کا قدیم نام ہکرہ ہے، واہند اور واہان بھی کہتے ہیں۔ مگر آج کل نقشوں میں سرسوتی لکھا ہے۔

ان میں سے بیاس درحقیقت ستلج کا معاون ہے اور گھگھر آگے چل کر ریت میں غائب ہو گئی ہے

پہلے زمانہ میں یہ بھی سندھ میں جاکر ملتی تھی۔ اور یہی ندی سندھ اور ہندوستان کی سرحد سمجھی جاتی تھی۔

دریاے سندھ کے مغربی حصّے میں بھی چھ ندیاں ہیں۔

(۱) حب ندی۔ کھیر تھر پہاڑ سے نکل کر ۱۲۰ میل سندھ اور ریاست لس بیلہ کی سرحد پر بہتی ہوئی راس مانز کے قریب بحرِ عرب میں جا گرتی ہے۔ بعض جغرافیہ نویس اس کو پہاڑی برساتی ندی کہتے ہیں اور چونکہ براہ راست بحرِ عرب میں گرتی ہے اس لئے سندھ کا معاون نہیں سمجھا جائے گا۔

(۲) گاج ندی۔ کھیر تھر سے نکل کر مقام جھلجی کے پاس مغربی نارو میں مل جاتی ہے۔

(۳) موہن ندی۔ مقام رین کوٹ سے شروع ہوکر سن گاؤں کے نزدیک سندھ میں مل جاتی ہے۔

(۴) باران ندی۔ کھیر تھر سے نکلتی ہے اور کوٹری کے پاس سندھ میں جا ملتی ہے۔

(۵) ملیر ندی۔ پب پہاڑ سے شروع ہوتی ہے اور کراچی کے مغرب میں بحرِ عرب میں گرجاتی ہے۔

(۶) لیاری ندی۔ یہ بھی پب سے نکل کر کراچی کے مغربی سمت بہہ کر بحرِ عرب میں جاگرتی ہے۔

سندھ کے شمال مغربی دریا میں ایک دریاے کابل ہے جو اپنے معاونوں کے ساتھ سندھ میں اٹک کے پاس مل جاتا ہے۔ دوسرا دریا ژوب دیا زاب[1] ہے جو اپنے معاونوں سے مل کر ڈیرہ اسماعیل خان کے پاس دریاے سندھ میں مل جاتا ہے[2]۔

چشمے | اس ملک میں تین چشمے ہیں۔ ان میں نہانے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

(۱) منگھا پیر کے چشمے۔ اسی مقام کی پہاڑیوں سے دو چشمے جاری ہیں۔ ان میں سے ایک کا پانی نیم گرم اور دوسرے کا بہت گرم ہے۔

---

[1] بعض اس کو ژوب یا زاب کہتے ہیں اور غالباً اسی مناسبت سے اس سے متصل ملک کو زابل یا زابلستان کہتے تھے [2] زیادہ تر حالات جغرافیہ سندھ سے اخذ کئے گئے ہیں۔
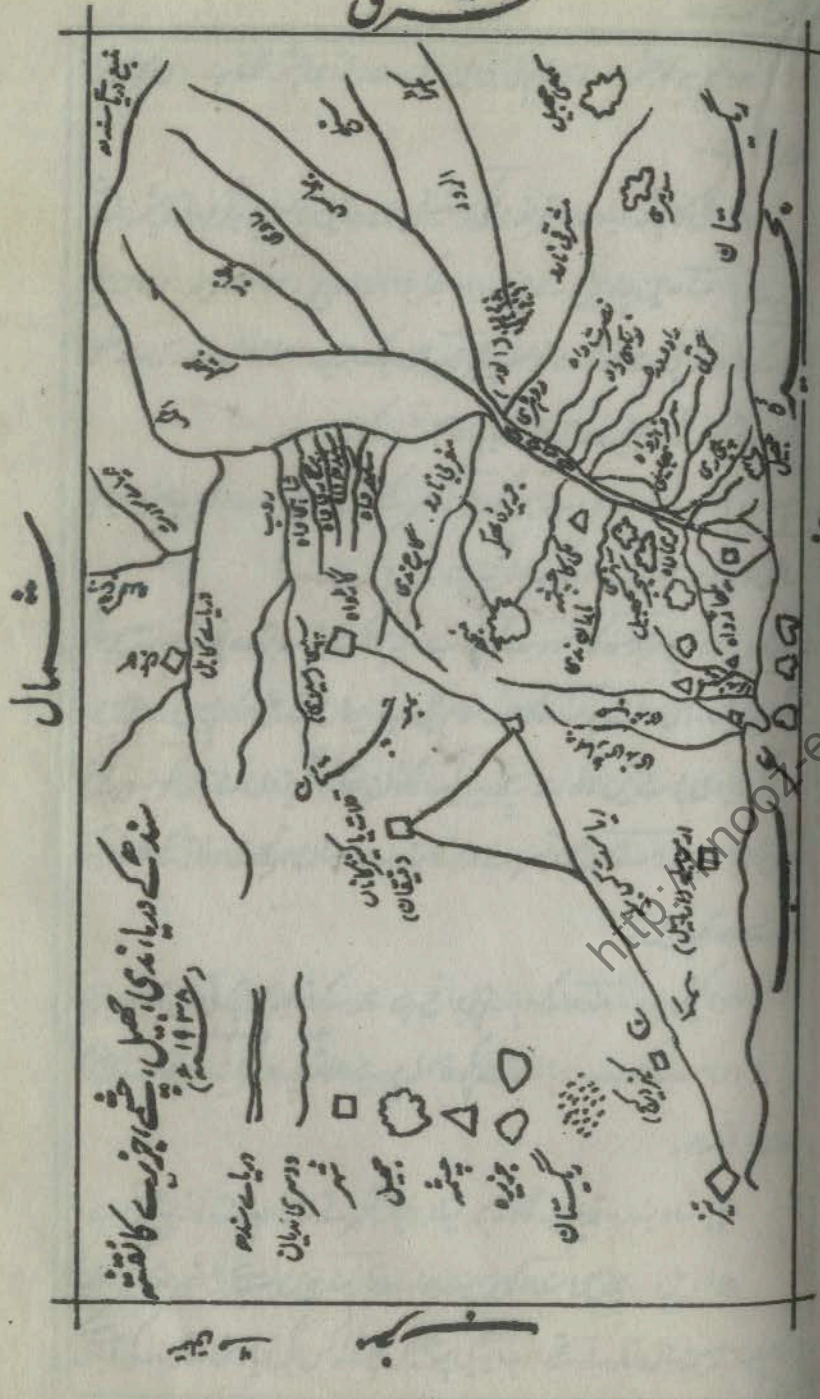
(۲) جھم پیر کا چشمہ ۔ اسی نام کی بستی میں زمین سے ابلتا ہوا چشمہ نکلتا ہے۔ اس کا بھی پانی گرم ہوتا ہے۔

(۳) لکی کا چشمہ (یا دھارا تیرتھ) لکی اسٹیشن سے دو میل فاصلہ پر یہ گرم پانی کا چشمہ جاری ہے۔

جزیرے سندھ میں چار جزیرے ہیں۔ (۱) بھکر (۲) زندہ پیر (۳) سادھ بیلو (۴) دین بیلو۔ ان کے علاوہ کراچی سے تھوڑے فاصلہ پر بحر عرب میں ایک جزیرہ "منوڑا" ہے اور اسی سے متصل دو چھوٹے چھوٹے اور جزیرے ہیں جن کو بابا اور بھٹ کہتے ہیں۔

راس صرف ایک راس ہے جس کو راس مانز کہتے ہیں۔ کراچی شہر سے قریب مغرب جانب ساحل کا یہ گوشہ سمندر میں دور تک چلا گیا ہے۔

بندرگاہ (۱) آج صوبہ سندھ کا مشہور بندر کراچی ہے۔ غیر ممالک کے بڑے بڑے تجارتی جہاز یہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اس وقت یہ سندھ کا صدر مقام بھی ہے۔ یہاں کے اعلیٰ حکام یہیں رہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی پونے تین لاکھ ہے۔ پہلے یہ ایک گاؤں تھا۔ انگریزوں نے اس کو بندر بنا کر بڑا شہر بنا دیا۔ یہ ہندوستان میں تیسرے درجہ کا بندر ہے۔ یہاں سرکاری دفاتر کے علاوہ بہت سے مدرسے اور کالج ہیں۔

(۲) کیٹی بندر۔ سندھ کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کے ذریعہ بھی تجارتی مال آتا اور جاتا ہے۔

(۳) سندھو بندر۔ دہانے سے کچھ فاصلہ پر ہے علاقہ کچھ اور گجرات کی تجارت یہیں بندرگاہ سے ہوتی ہے۔

(۴) شاہ بندر۔ قدیم بندرگاہ ہے۔ یہاں جہاز ٹھہرتے تھے۔ دہانے کے قریب واقع ہے۔

(۵) دیبل۔ پہلے یہی سندھ کا بڑا بندر تھا۔ اور تمام سندھ میں سب سے بڑا شہر تھا۔ غیر ممالک کے تمام جہاز یہیں مال اتارتے تھے۔ اب یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کس جگہ آباد تھا۔ لار بندر کی آبادی

یہ تباہ ہو گیا۔ بعض لوگ بھنبھور مقام کو جو ضلع کراچی میں واقع ہے، اسی کو قدیم دیول (دیبل) کہتے ہیں۔[1]

(۶) لار۔ یہ بھی قدیم زمانہ میں بڑا بندر تھا۔

(۷) ٹھٹھہ۔ یہ کبھی پایۂ تخت بھی تھا۔ اور بندرگاہ بھی۔ کراچی کی آبادی نے اس کی حیثیت کو ...

درآمد و برآمد اس علاقہ سے آج کل گیہوں، جو، تل، سرسون، چنا، روئی، اون، چمڑا، ہڈی، نیل اور خشک میوے باہر جاتے ہیں، اور سوتی، اونی، ریشمی کپڑا، مشین، شراب، شکر، چمڑے کا سامان، خشک و تازہ میوہ، گھی، رنگا ہوا چمڑا، شال، پیتل کا سامان، عمارتی لکڑی، مٹی کا تیل، چائے، چاول، گھوڑا، کافی، کھجور باہر سے آتی ہے۔

پہاڑ بڑا اور اونچا پہاڑ اس ملک میں ایک بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے پتھریلے ٹیلے ہر جگہ نمایاں ہیں، البتہ سندھ کے مغرب میں کوہ ہالا کا سلسلہ ہے جس کی بڑی شاخیں "کرتر" "کھیر تھر" اور "پب" ہیں جو سندھ کو بلوچستان سے جدا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض چوٹیاں سطح آب سے ... فٹ بلند ہیں، یہ کوہسار ۱۲۰ میل تک مملکت برطانیہ کی حد بندی کرتا ہوا چلا گیا ہے، اس کی ایک شاخ کا نام "ڈاڑھیاڑو" ہے، یہاں کی آب و ہوا صحت بخش ہے، دوسری شاخ کا نام "بگو ٹھوڑو" ہے، جو سیوہن کے نزدیک ہے، تیسری ضلع دادو میں کوہستان کے نام سے مشہور ہے، کوہسار کراچی کے مغرب میں "پب" کا سلسلہ ملا ہوا ہے جو نالوں اور ندیوں کو لیتا ہوا دریائے حب (یا حب) بنا ہے، سندھ میں اٹک کے علاوہ یہ دوسرا دریا ہے جو ملک کی مغربی سرحد قائم کرتا ہے اور اٹک کی شاخوں سے آزاد ہے، ان کے علاوہ باقی تمام پہاڑیاں پست اور نیچی ہیں، جن کے نام یہ ہیں

(۱) کلی۔ ٹھٹھہ کے نزدیک ہے، اس پر شاہی مقبرے ہیں۔

---

[1] جغرافیۂ سندھ،
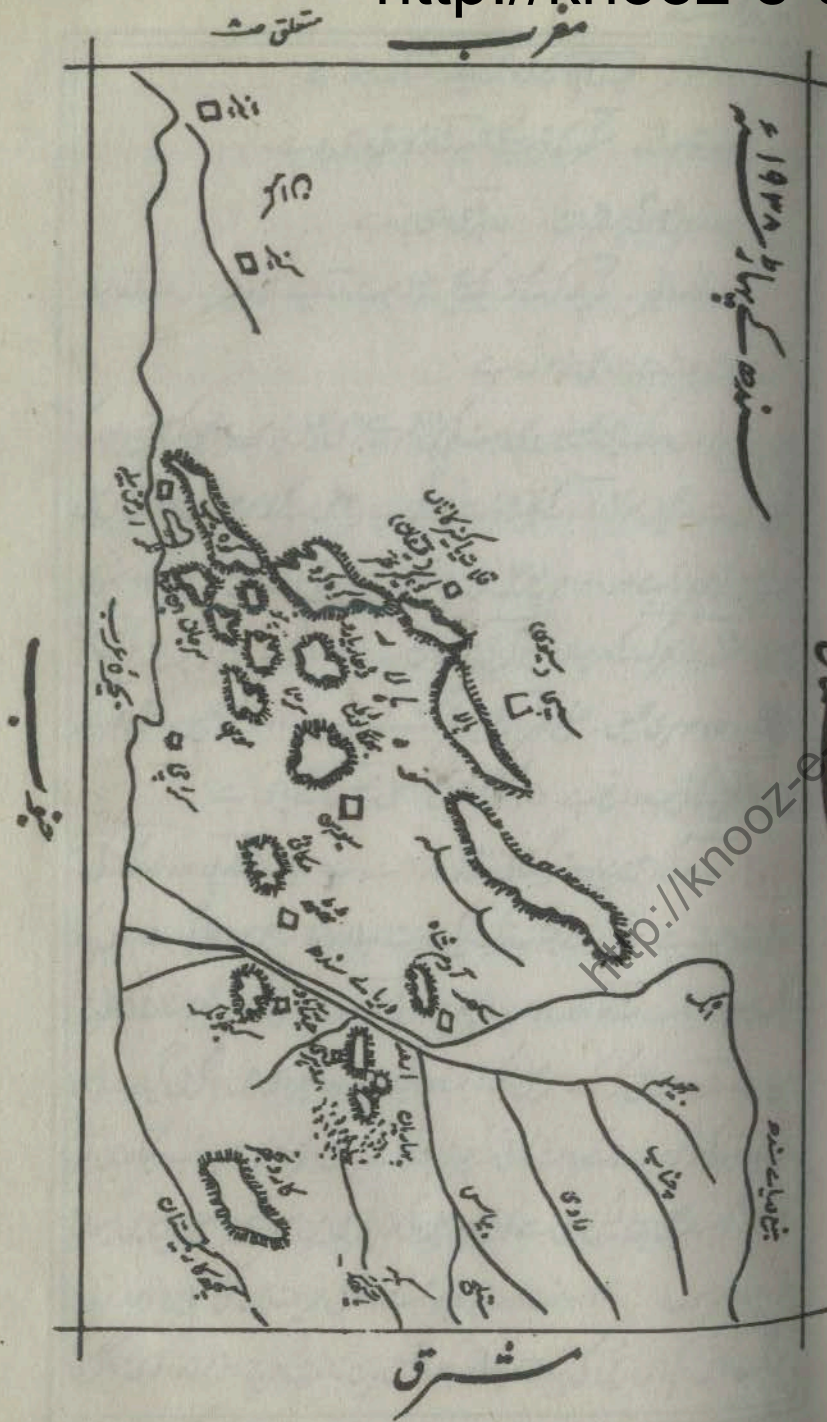
(۳) گنجو ٹکر - حیدرآباد کے نزدیک ایک خشک پہاڑ ہے۔

(۳) آدم شاہ - سکھر کے قریب ہے، آدم شاہ کا مقبرہ اسی پر ہے۔

(۴) رہ وہڑی کی پہاڑیاں - روہڑی اسی پر ہے۔

(۵) کارونجھر - نگرپارکر کے نزدیک ہے۔ زلزلہ بہت آتا ہے۔ اس لئے خیال ہے کہ غالباً یہ آتش فشاں پہاڑ ہے؛ جو ابھی خاموش ہے۔

جھیلیں اس ملک میں جھیلیں بھی بہت کم ہیں (۱) سب سے بڑی جھیل جو منچھار یا منچھر کہلاتی ہے دادو کے ضلع میں ہے، یہ جھیل مغربی نارو کے پھیلاؤ سے بن گئی ہے، بارش کے موسم میں اس کا طول بیس میل تک پھیل کر ہو جاتا ہے اور ۹۰ مربع میل زمین پر قبضہ کر لیتی ہے (۲) دوسری جھیل کینجھر (۳) سنہری جھیل، ٹھٹھہ اور جھرک کے درمیان ضلع کراچی میں واقع ہے۔ (۴) ہالیجی - ضلع کراچی میں گوگاؤں کے قریب ہے، (۵) سومری جھیل - ضلع تھرپارکر میں عمرکوٹ کے پاس ہے۔ (۶) لکھی جھیل - ضلع تھرپارکر کے سانگھڑ کے قریب واقع ہے۔ (۷) کنگری جھیل - منغل بھیس کے پاس ہے'

زمین سندھ کی زمین زیادہ تر ریگستانی ناقابلِ زراعت ہے، صرف شکارپور اور لاڑکانہ کی زمین قابلِ زراعت ہے شمال سے جنوب تک ایک بہت لمبا اور پتلا سا جزیرہ چلا گیا ہے۔ اس کے ایک پہلو پر دریائے سندھ، اور دوسرے پہلو پر مغربی نارو ہے، جو ایک جداگانہ شاخ کی طرح دریائے سندھ سے نکل کر ایک سو میل تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور پھر اسی میں جا کر مل گیا ہے، بس اس دوآبہ کی زمین ہونے کے باعث کافی زرخیز ہو گئی ہے، باقی اکثر اضلاع بے آب و گیاہ ہیں چھوٹے چھوٹے کوہسار بھی ہیں لیکن ان سے کوئی مدد زمین کی زرخیزی میں نہیں ملتی، فصل ربیع میں گیہوں، جَو، چنا، سرسوں، مٹر، آلو، سونف اور زیرہ ہوتا ہے۔ فصل خریف میں مکئی، باجرہ، جوار، تل، مونگ، ماش، کپاس، نیل کی پیداوار ہوتی ہے، فصل ربیع زائد میں مرچ، خربوزہ، تربوز، ککڑی،

اور دوسری سبزیاں اور ترکاریاں ہوتی ہیں۔

موسم یہاں کا عام موسم سردی میں سخت سرد اور گرمی میں سخت گرم۔ مثل مشہور ہے کہ یہاں کی گرمی "گورے کو کالا" کر دیتی ہے۔ دھوپ میں ایسی تیزی ہوتی ہے کہ اس میں انڈا بھون سکتے ہیں جس کا تجربہ بعض یورپین لوگوں کو ہوا ہے۔

جیکب آباد میں سب سے زیادہ گرمی ہوتی ہے، وسط علاقہ کی آب و ہوا دریا کے سبب سے معتدل ہے خصوصاً حیدر آباد کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے۔ صحرائی حصہ گرم ترین و سرد ترین۔ لار یعنی نشیبی حصہ معتدل اور مرطوب، کوہستانی علاقہ بھی سخت سرد و گرم ہوتا ہے سوائے جنوبی حصہ کے جو معتدل ہے[1]۔

دریا کے چڑھاؤ کے موسم میں مچھروں اور پسوؤں کی ایسی وبا آتی ہے کہ لوگ الامان الحفیظ پکار اٹھتے ہیں۔

ساحل! سندھ کے مقابل خشکی سے دو میل ہٹ کر ایک پست قطعہ زمین کا کراچی سے کچھ تک جو پھیلتا چلا گیا ہے، یہی سندھ کا ساحل ہے، یہ قطعہ تین میل چوڑا ہے، یہ اس قدر پست ہے کہ سمندر کے چڑھاؤ کے وقت پانی میں غائب ہو جاتا ہے، اور جب پانی اترتا ہے تو ایک جزیرہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس سبب سے جہازات بڑی مشکل سے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

پیداوار! زیادہ تر جو، جوار ہوتا ہے، مکئی اور باجرہ بھی ہوتا ہے، پھلوں میں کھجور کی کثرت ہے، سفید اور لال چاول لاڑکانہ اور لاڑ ضلع میں ہوتے ہیں، گنا حیدر آباد میں۔ گیہوں دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر، تل تھرپارکر ضلع میں، تمباکو اور بھنگ جھیل منچھر کے قریب، خربوزہ جیکب آباد میں ہوتا ہے، تربوز، سنگترہ، پپیتا، ناریل وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔

---

[1] جغرافیۂ سندھ سے تمام مندرجہ بالا بیانات ماخوذ ہیں۔

حیوانات جانوروں میں اونٹ اور گھوڑے اچھی نسل کے ہوتے ہیں۔

معدنیات تعلقہ کوٹڑی کے نزدیک کوئلے اور لوہے کی کان ہے۔ پہاڑوں سے عمارتی پتھر نکالے جاتے ہیں، روہڑی کے جنوب پہاڑوں سے میٹ (گچی مٹی) نکالی جاتی ہے۔ کچھ کے رن اور تعلقہ کھپرو جھیل سے نمک تیار کیا جاتا ہے، کپڑا دھونے کا کھار خیرپور سے، اور پھٹکری کھیرتھر کے پہاڑوں میں ملتا ہے[1]۔

قومیں اس ملک کی قدیم سے قدیم قوم جو معلوم ہو سکی ہے وہ جاٹ اور میدھ تھے۔ یہ دونوں وحشی قومیں دریائے سندھ کے کنارے آباد تھیں، اس وقت بڑی تعداد ان میں جاٹوں اور بلوچیوں کی ہے۔ جو شہر اور گاؤں میں آباد ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد قبائل ایسے بھی ہیں جو خانہ بدوش رہتے ہیں اور کسی جگہ ان کا مستقل قیام نہیں رہتا، یہ عموماً مسلمان ہیں۔

ہندوؤں میں ممتاز قوم "عامل" ہے جو اسلامی عہد میں عموماً حاکم رہ چکی ہے، اور آج بھی وہی تعلیم یافتہ بھی ہے؛

ایک تیسری قوم یہاں حبشیوں کی بھی ہے، جو قدیم زمانہ میں بطور غلام کے یہاں آئے تھے، اور اب بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ رہتے ہیں، اس وقت مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی اور کچھ یہودی آباد ہیں۔

زبان یہاں کی موجودہ زبان "سندھی" ہے، جس میں قدیم زبان کے ساتھ عربی اور فارسی کے لفظ ملے ہوئے ہیں۔ یہ زبان عربی حروف میں لکھی جاتی ہے، شمالی اور جنوبی اضلاع کا لہجہ الگ الگ ہے، اور تھر علاقہ کا لہجہ ان دونوں سے مختلف۔ خط "خدا وادی" نام ایک اور خط بھی ہے جس کا استعمال زیادہ تر ہندو کرتے ہیں۔

---

[1] جغرافیۂ سندھ

سندھ کی حدیں چونکہ مختلف صوبوں سے ملتی ہیں۔ اس لیے بروہی، بلوچی، گجراتی، کچھی، مری، مکرانی اور انگریزی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں، اردو کا بھی رواج دن پر دن زیادہ ہوتا جاتا ہے۔[1]

ہندوؤں کا آخری راج

چونکہ پہلی صدی ہجری سے سندھ کی اسلامی تاریخ لکھی جا رہی ہے، اس لئے اس سے قبل کی غیر اسلامی تاریخ کو نظر انداز کیا جاتا ہے، لیکن تسلسل واقعات کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے آخری راج کا کچھ حال تحریر کر دیا جائے۔

چھٹی صدی عیسوی میں راجہ ساہسی کا لڑکا شری ہرش سندھ کا حکمران تھا، اس کا پایہ تخت سندھ کا مشہور آباد شہر "ارور" (الور) تھا۔ جو کھنڈروں کی شکل میں روہڑی کے پاس دریائے سندھ کے کنارے آج بھی موجود ہے۔

حدود اربعہ

شمال مشرق کی طرف راجہ کشمیر کے ملک سے سرحد ملی تھی۔ جنوب مغرب کے جانب مکران کا صوبہ جس کا حد فاصل تھا، مغرب کے رخ کوہستان کردان، وقیقان، قلات، اور جنوب میں بحر عرب کے مشرق میں ریگستان اور ہندوستان۔

ملکی تقسیم

اس وقت سندھ کے پانچ صوبے تھے۔

(۱) برہمن آباد۔ اس میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیرون، دیبل، لوہانہ، لکھا، سمہ،

(۲) سیوستان۔ ذیل کے اضلاع اس کے ماتحت تھے، بودھیہ (بودھی ممالک) جنگان، کوہستان روجیان یعنی کوہ پایہ، سرحد مکران۔

(۳) اسکلندہ۔ یہاں کا والی پابیا، تھوارہ، پرچ پور، اور اضلاع بودھ پور کی [illegible] پر حکمران تھا۔

(۴) ملتان۔ اس کے ماتحت سکہ، برھما پور، کرور، اشہار (شاہار) اور کمبھ تھے، اس

۱ـ سندھ کا جغرافیہ۔

صوبہ کی سرحد کشمیر سے ملتی تھی۔

(۵) ارور (الور)[1] پایہ تخت تھا، کردان، قیقان، اور برہاس پر راجہ کی نگرانی رہتی تھی۔

ایرانیوں کا حملہ

ایک عرصہ تک راجہ باطمینان تمام عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا، اور ملک میں بھی ہر طرح سے امن و امان تھا کہ ایرانیوں (حاکم نیمروز) نے حملہ کر دیا، راجہ نے اس کو پہلے تو معمولی بات سمجھی، لیکن جب وہ مکران تک پہنچ گیا تو راجہ بھی ایک جرار فوج لے کر نکلا، جنگ صبح سے دوپہر تک ہوتی رہی، یکایک دوپہر کے وقت ایک تیر نے راجہ کا خاتمہ کر دیا، اور سندھی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی، حملہ آور فوج نے ان کا تعاقب کر کے سخت نقصان پہنچایا، سندھی بیشمار قتل کئے گئے، اور شاہ نیمروز[2] کامیابی کے ساتھ واپس گیا۔ ادھر جب پایہ تخت میں خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا، آخر ارکین دولت نے اس کے لڑکے کو جو ولی عہد بھی تھا "راے ساہسی" کے خطاب سے راج گدی پر بٹھایا۔ وہ ایک سال تک عام انتظاموں میں مشغول رہا، پھر ملک کا اس نے دورہ کیا، اور ہر طرف ملک میں امن و امان قائم کیا۔ اس کے بعد وہ راجدھانی میں واپس آکر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

اس کا ایک وزیر "رام" نامی بڑا دانش مند تھا، تمام امور سلطنت وہی انجام دیتا تھا، اہم امور پر دستخط لینے کے لئے کبھی کبھی راجہ سے ملاقات کر لیتا تھا۔

چچ برہمن کی آمد

عرصہ تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن اس کے دربار میں ایک نوجوان حاضر ہوا، اس نے بتایا کہ مشہور پنڈت "سلائج" (سلائج) کا لڑکا ہوں اور میرا نام چچ ہے، میرا آبا الور کا شہری اور مندر کا پجاری ہے،[3] وزیر رام نے دیول سے آئے ہوئے کاغذات پڑھا

۱ـ ارور (الور) ساتویں صدی ہجری میں دریائے سندھ کا رخ پھیر لینے سے ویران ہو گیا، اب اس سے ۲ فرلانگ کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں روہڑی کے نام سے آباد کیا گیا ہے۔ ۲ـ چچ نامہ قلمی ص۵ ۳ـ نیمروز کو جبل سجستان، سیستان کہتے ہیں، ایرانی بعد ... لیکن اصلی وطن برہمن آباد تھا، جیسا کہ آگے تحریر کیا گیا ہے۔

امتحان لیا، اس کے حسنِ لیاقت، شیرین زبانی اور اخلاقِ پسندیدہ سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً اس کو دیوانی کے ایک عہدہ پر مقرر کر دیا، ایک دن راجہ دربار مین تھا، سیوستان سے کچھ کاغذات آئے تھے وزیر کو طلب کیا، وہ نہ تھا، چچ نے کہا میں اس کا نائب ہون، اور جو ارشاد ہو بجا لاؤن۔ کاغذات اس کو دے گئے جس کا اس نے بہترین جواب لکھا، جو راجہ کو بہت پسند آیا، راجہ نے وزیر سے اس کی لیاقت کا تذکرہ کیا، وزیر نے بھی اس کی قدردانی شروع کر دی۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ وزیر کا نائب ہو گیا، آخر جب وزیر مر گیا تو اس کی جگہ چچ وزیر مقرر ہوا

ایک دفعہ آئے ہوئے کاغذات پر راجہ کا دستخط بہت ضروری تھا۔ اس لئے وزیر چچ محلسرا مین دستخط لینے کیلئے گیا، راجہ نے اس کو اندر ہی بلا لیا، اور رانی نے یہ کہہ کر کہ یہ تو پنڈت ہے بغیر پردہ کئے وہین بیٹھی رہی، چچ اندر داخل ہوا، اس نے نہایت ادب اور شائستگی سے گفتگو کی، جس کا اثر راجہ اور اس کی رانی دونون پر ہوا، راجہ نے فوراً خلعت سے سرفراز کیا، اب اس کے بعد بلا روک ٹوک محلسرا مین اس کی آمد و رفت ہو گئی، اس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ دنوں کے بعد رانی اس پر فریفتہ ہو گئی، اور اس سے گہرے تعلقات پیدا کئے، لیکن جب خفیہ طور پر اس سے ناجائز تعلقات کی خواہش کی گئی تو اس نے صاف طور پر کہلا دیا کہ مین برہمن ہون، اور ایسی نمک حرامی کرنے کے لئے مین کسی طرح تیار نہیں ہون، اس انکار نے آتشِ شوق کو اور تیز کر دیا۔ اس نے کہا کہ اچھا کبھی کبھی تو ملاقات کر لیا کرو، تاکہ تم سے ملنے کی امید باقی رہے، محبت کی خوشبو مشک کی طرح پھیلی، مخالفون نے راجہ تک یہ خبر پہنچائی، راجہ کو یقین نہ آیا، بلکہ اس پر اعتماد بڑھتا گیا، یہان تک کہ کل کاروبارِ سلطنت اس کے سپرد کر دیا،

کچھ دنون کے بعد راجہ بیمار ہو گیا، اور بیماری نے خطرناک صورت اختیار کی، تمام وید علاج سے عاجز آ گئے، اور نظر آنے لگ گیا کہ راجہ کا یہ آخری وقت ہے، اس وقت رانی نے چچ کو

بلا کر کہا کہ دیکھو، راجہ کا آخری وقت ہے، اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، تم اگر امید دلاؤ کہ میری آرزو بر لاؤ گے تو مین تمہارے لئے تخت نشینی کا بندوبست کرون، اب چچ نے اس کو منظور کر لیا۔[1]

رانی نے احکامات جاری کئے کہ راجہ دربار کرنا چاہتا ہے، تمام ارکینِ دولت حاضر دربار ہون، جب سب حاضر ہو گئے تو رانی نے سب سے کہا کہ مہاراج ضعف کے باعث دربار مین نہیں آ سکتے، مگر ان کا حکم ہے کہ مین نے اپنا قائمقام چچ کو بنایا، سب اس کی فرمان برداری کرین، اور نشانی کے طور پر اپنی انگوٹھی (مہر) چچ کو دی ہے، (جس کو رانی نے پہلے ہی سے راجہ کے ہاتھ سے نکال کر چچ کو دے دی تھی)

تمام درباریون نے بلا عذر تسلیم کر لیا، اور پھر چند دنون کے بعد راجہ وفات پا گیا، مگر رانی نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا، اور خاندانِ شاہی کے ہر دعوی دار کو الگ الگ طلب کیا کہ راجہ نے آخری وصیت کے لئے آپ کو یاد کیا ہے، اس طرح سے جو جو آتا گیا، الگ الگ کمرون[?] مین نظربند کر کے راستہ صاف کر دیا، باقی وہ رشتہ دار جو کمزور تھے، اور ان دعوی دارون سے برسرِ پرخاش تھے ان کو بلا کر کہہ دیا کہ ان لوگون کا مال و اسباب، گھر بار سب لوٹ لو اور ان کو قتل کر ڈالو، چنانچہ دیرینہ کینہ نکالنے مین یہ لوگ مصروف ہو گئے، ادھر راجہ کی لاش جلائی گئی اور چچ راج گدی پر بیٹھ گیا، مبارک سلامت کی دھوم مچی، یہ واقعہ سنہ ہجری کے پہلے سال کا ہے۔[2]

راجہ چچ اس کے بعد چچ متوفی راجہ کی بیوہ رانی سوبھن دیوی کو اپنے عقد مین لے آیا۔ پھر خزانہ سے روپیہ نکال کر بڑی سخاوت سے سب لوگون کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا، اس سے

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۰ [2] مواد تاریخ ہند مین مسٹر ایلیٹ نے یہ سنہ تحریر کیا ہے۔

رعایا خوش اور فوج وفادار بن گئی،

اس بات کی شہرت ہوتے ہی جے پور[1] کا راجہ جو متوفی راجہ سندھ کا رشتہ دار تھا، ایک جرار لشکر لے کر دوڑ پڑا اور جیسلمیر پہنچکر راجہ چچ کو پیغام بھیجا کہ تم برہمن ہو تم کو حکومت سے کیا واسطہ بہتر ہے کہ گوشہ نشین ہو کر کسی علمی کام میں مشغول ہو جاؤ۔

راجہ چچ نے یہ خط پا کر رانی سے مشورہ لیا، رانی نے غیرت دلا کر کہا کہ بہتر ہے کہ میرے زنانہ کپڑے تم پہنو اور اپنے مجھے دیدو، پھر اس نے فیاضی سے لشکر کو خوش کرنے کی ترغیب دی، اور اس تدبیر سے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔

راجہ جے پور سے جنگ

جے پور کا راجہ فہرت بڑھتا ہوا اروڑ کے پاس پہنچ گیا، چچ نے بھی بڑھ کر اپنی سپاہ اس کے سامنے کھڑی کر دی، تو راجہ فہرت نے پیغام دیا کہ سپاہیوں کی مفت جان کھونے سے کیا فائدہ؟ بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں تنہا مقابلہ کر لیں۔ جو زندہ رہے وہ سندھ کا مالک بنے، راجہ چچ نے مجبوراً شرما کر یہ شرط قبول کر لی

الغرض دونوں اپنی اپنی فوجوں سے نکل کر دور ایک جگہ جمع ہوئے، اور چاہتے تھے کہ پاپیادہ جنگ آزما ہوں۔ کہ چچ کے اشارہ سے اس کا خادم گھوڑا لئے ہوئے پہنچ گیا جس کو اس نے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا، چچ نے فوراً سوار ہو کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ فہرت کا کام تمام ہو گیا تب چچ کی فوج نے فہرت کی بے سری فوج پر حملہ کر کے شکست دیدی، اور چچ

[1] جے پور سے مراد آج کل کا جے پور نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شہر تو جے سنگھ نے مغل دور میں محمد شاہ کے وقت میں آباد کیا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہ جے پور ہے جو جیسلمیر کے قریب اور سندھ کی سرحد پر تھا چچ نامہ میں جیسلمیر کا ذکر نہیں ہے۔ اور راجہ کو متوفی راجہ کا بھائی لکھا ہے۔ اور جے پور کی جگہ ایک مقام پر جے واز لکھا ہے جو اروڑ کے پاس ہے بس بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

فتح کا جھنڈا اڑاتا اپنی راجدھانی میں پہنچ گیا، اور اس فتح پر اس نے بڑا جشن منایا۔

فتح پابیا

اب چچ نے اپنے بھائی چندر میر کو کچھ دنوں کے بعد اپنا نائب مقرر کیا، ایک دن راجہ نے وزیر سے دریافت کیا کہ راجہ ساہسی کے زمانہ میں سندھ کی حد کہاں تک تھی۔ اس نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا، راجہ نے وہاں تک قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور خود تمام مقبوضات کے خود مختار اور باغی امراء کی سرکوبی کے لئے وزیر بودھی من کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور بہت سی منزلیں طے کر کے قلعہ پابیا پر پہنچا، جو دریائے بیاس (موجودہ ستلج) کے کنارہ پر تھا، میدان جنگ جیت کر قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا، جو چند دن کے بعد فتح ہو گیا اور قلعدار وہاں سے بھاگ کر اسکلندہ جا کر پناہ گزین ہوا[2]

فتح اسکلندہ و سکہ

شہر اسکلندہ میں ایک بااثر شخص تھا، راجہ چچ نے اس کو والیٔ قلعہ ہونے کا طمع دلا کر پابیا کے راجہ چتیرا کو قتل کرا ڈالا، اور ان دونوں شہروں کا حاکم اسی قاتل کو بنا دیا جس نے اپنی زندگی بھر وفاداری سے کام لیا۔

اس کے بعد چچ سکہ کی طرف روانہ ہوا، جہاں راجہ ساہسی کا ایک رشتہ دار جو علاقہ ملتان پر قابض تھا اس کا منچلے نوجوان بھتیجے "سوہے دل" نامی حاکم سکہ نے چچ کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر محصور ہو گیا، اور محاصرہ کے چند دنوں بعد وہ رات کو ملتان بھاگ گیا، جو اس علاقہ کا پایۂ تخت تھا، راجہ چچ نے سکہ پر قبضہ کر کے ایک امیر کو حاکم بنایا اور خود ملتان کے محاصرہ کے لئے آگے بڑھ گیا،

فتح ملتان

ملتان کے حاکم کا نام بجھرا (بجے رائے) تھا، اس نے جنگی ہاتھیوں کو ساتھ لے کر بہت بڑے لشکر سے اس کا مقابلہ کیا، مگر شکست کھا کر قلعہ ملتان میں محصور ہو گیا۔ اور راجہ کشمیر سے امداد کا طالب ہوا، لیکن اتفاق دیکھو کہ انہیں دنوں راجہ کشمیر وفات پا گیا تھا اور خرد سال بچہ تخت نشین

[2] چچ نامہ قلمی ص ١٤١-

تھا جس کے باعث خود اس کے ملک میں امن نہ تھا،

بجے رائے (بجھرا) کو جب کشمیر سے مایوسانہ جواب ملا تو صلح کی التجا کی، جو قبول ہوئی، اور ملتان کا حاکم مع اپنے اہل وعیال کے کسی طرف نکل گیا، اور تمام علاقہ پر راجہ چچ کا قبضہ ہو گیا، راجہ نے ایک ٹھاکر کو اس کا حاکم مقرر کیا، اس کے بعد برہما پور، کرور، اشاہار وغیرہ اس کے مطیع ہوئے، اس کے بعد وہ آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ قلعہ شاکلھا پر پہنچا جو کمبا کے نام سے مشہور تھا، یہاں ایک ماہ تک مقیم رہا، ہر جگہ امن وامان قائم کرنے کے بعد کشمیر اور اپنی سرحد پر جو ایک چشمہ کے کنارے پر پنجاب کہلاتا تھا، سرحدی درخت قائم کئے، اور وہاں اتنے دنوں مقیم رہا کہ دو نوں درخت بڑے ہو کر ایک دوسرے سے مل گئے،[1]

راجہ چچ اس کے بعد پایہ تخت ارور واپس آگیا، اور ایک سال تک آرام کرتا رہا، پھر سیوستان کی طرف روانہ ہوا، دریائے سندھ سے اتر کر "بدھیا" (بودھیہ) کے اطراف میں وارد ہوا۔ اس ملک کا پایہ تخت کاکاراج تھا، اور یہاں کے باشندوں کو سوئیس کہتے تھے، اور اس کا حاکم بھندر گو بھکشو کا لڑکا کوبند تھا، راجہ چچ نے اس ملک کے ایک قلعہ سیوسی پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ تو یہ دیکھ کر اس طرف کے دوسرے حاکم کاکا کے لڑکے کبا بجے سنگھ نے خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے اطاعت قبول کر لی۔

| فتوحات مغربی سندھ | اب راجہ چچ سیوستان پہنچا، جہاں کے حاکم کا نام "سردار مہتہ" تھا، یہ مقابلہ

پر نکلا، مگر شکست کھا کر قلعہ میں محصور ہو گیا، ایک ہفتہ کے بعد بہ شرائط چند قلعہ بھی حوالہ کر دیا، لیکن چچ نے اس پر مہربانی کر کے وہاں کا حاکم اسی کو بنایا، البتہ بطور مشیر و نگران ایک اپنا افسر بھی ساتھ کر دیا، یہاں سے فارغ ہو کر برہمن آباد[2] پہنچا، جہاں کا حاکم "اگھم لوہانہ" تھا، راجہ نے اطاعت کا

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۶ [2] برہمن آباد کا اصلی نام "بھمن وا" ہے (بیرونی ص ۱۰۲ لیدن)

فرمان اس کے نام جاری کیا، لیکن اتفاقاً ایک خط اگھم لوہانہ کا راجہ مہتہ (دشا) والی سیوستان کے نام ایک نامہ بر کی گرفتاری پر ملا جس سے دونوں کی سازش کا پتہ چلا، یہ خبر راجہ مہتہ کو ہوئی تو وہ ریگستان کے راجہ سہتی کے یہاں چلا گیا،

راجہ چچ کی فوج نے لوہانہ کو شکست دی، مجبور ہو کر برہمن آباد کے قلعہ میں محصور ہوا ایک سال تک اس کا محاصرہ رہا، اگھم لوہانہ نے کنوج کے راجہ راسل کے بیٹے ستبان سے مدد بھی مانگی،[1] مگر اس کے جواب آنے سے پہلے ہی لوہانہ چل بسا، اور اس کا لڑکا جانشین ہوا، آخر چچ نے ایک پُر زور حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا، لوہانہ کے لڑکے "سربند" کو عزت کے ساتھ وہاں رہنے کی اجازت دی۔ اس کی ماں سے خود شادی کر لی، اور اپنے بھتیجے کی لڑکی "دھرسیا" نامی کو اس کے عقد میں دے دیا، اور ایک سال تک وہاں مقیم رہ کر اس ملک کا بخوبی انتظام کرتا رہا،

| جاٹ اور لوہانہ | ارور (الور) واپس آ کر اس نے سرکش قوم جاٹوں اور لوہانوں کا بندوبست

کیا، ان کا ایک ایک ضامن ارور (الور) میں بلا کر رکھا، اور مندرجہ ذیل قوانین ان کے لئے وضع کر کے اس کی پابندی پر ان کو مجبور کیا گیا۔[2]

(۱) مصنوعی تلوار کے سوا کسی قسم کا ہتھیار نہ باندھیں۔

(۲) قیمتی کپڑے جیسے شال، مخمل، ریشم وغیرہ نہ استعمال کریں۔ بغایت مجبوری صرف سرخ وسیاہ ریشم استعمال کریں۔

(۳) بغیر زین کے سوار ہوا کریں،

(۴) ننگے سر اور ننگے پیر رہا کریں۔

(۵) باہر نکلیں تو اپنا کتا ساتھ رکھیں،

[1] تاریخ سندھ جلد اول ص ۶۵ لکھنؤ، لیکن چچ نامہ قلمی ص ۹ میں کنوج کے راجہ کا نام "سیارس" "ابن بدل رائے" ہے۔ [2] چچ نامہ ص ۳۱

جس کی چچ نے بنیاد رکھی تھی، اور آس پاس گاؤں آباد کئے۔

غرض ان تمام انتظامات سے جب فراغت پائی تو دار السلطنت برہمن آباد میں واپس آیا جہاں رعایا نے بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا، راجہ دہر سنگھ اب اطمینان سے داد عیش و کامرانی دینے لگا۔ اس طرح سندھ کے دو حصے ہو گئے، شمال پر داہر اور جنوب پر دہر سنگھ قابض رہے۔

داہر کا نکاح بہن سے

راجہ کی بہن رانی بائی جو ایک جاٹ کے بطن سے تھی، اب جوان ہو گئی تھی، راجہ بھاٹیہ نے درخواست کی، دھرسین نے اس کے جہیز کا سامان کر کے چالیس ٹھاکر کے ساتھ الور، راجہ داہر کے پاس بھیجدیا۔ ایک دن راجہ داہر کا ایک درباری ذکر کر کے آیا، اور ایک نجومی کی صحیح پیشین گوئی کا ذکر کیا، راجہ نے اس سے مل کر اپنے زائچہ کے متعلق دریافت کیا، اس نے کہا کہ ہر طرح سے آپ کی سلطنت میں امن رہے گا، پھر اس نے اپنی بہن بائی کی نسبت دریافت کیا، اس نے کہا کہ آپ کی بہن کا ستارہ بڑے عروج پر ہے، جو شخص آپ کی بہن سے شادی کرے گا وہ سندھ کا راجہ ہوگا، اور وہ پھر بھی اسی جگہ رہے گی، یہ سن کر راجہ داہر بہت پریشان ہوا، وزیر نے کہا کہ راج کے لئے لوگ باپ اور بھائی کو قتل کر ڈالتے ہیں، اگر آپ اپنی بہن سے شادی کر لی تو یہ کونسی بڑی بات ہوگی۔ راجہ نے کہا کہ یہ بڑی بدنامی کی بات ہے، وزیر نے ایک بڑے بال والی بکری کے بالوں میں رائی کا دانہ ڈال دیا، اور حفاظت سے روزانہ پانی ڈالتا رہا، یہاں تک کہ سبزی اس میں نکل آئی، جب بازار میں اس کو پھرایا تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور تمام شہر میں اس کا ذکر ہونے لگا، تین دن اسی طرح ہوا، اس کے بعد وہ بکری تمام شہر میں گھومتی پھرتی کوئی توجہ نہ کرتا، وزیر نے راجہ سے کہا کہ بھلائی یا برائی کا چرچا مخلوق میں تین دن رہتا ہے، پھر کوئی نہیں پوچھتا، شادی کے بعد یہی حال آپ کا ہوگا،

اب راجہ داہر نے دل میں ٹھان لیا کہ بہن سے خود ہی شادی کر لے گا، چنانچہ کچھ مشیر دن

اور معتمدوں کو راضی کر کے ہندوانہ رسم کے بموجب اس پر چادر ڈال دیا، گویا نکاح کر لیا[1]

دھرسین کا حملہ

باوجود اس نکاح کے دونوں آپس میں ملے نہیں بلکہ صبح ہی اس کو اپنے گھر بھیجدیا گیا، اس کارروائی سے وہ دل میں خوش تھا اور سمجھا کہ سندھ کا راجہ اب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، لیکن اس کی خبر جب برہمن آباد پہنچی تو اس کا بڑا بھائی دھر سنگھ بے حد آزردہ ہوا، اس نے نصیحت کا ایک خط لکھ کر ملاقات کے لئے طلب کیا، مگر وزیر نے جانے نہ دیا، تب دھر سنگھ ایک لشکر لے کر اس سے جنگ کرنے چلا، داہر بھی اس کے لئے تیار تھا، فوراً فوج ظفر موج کے ساتھ الور سے نکل کھڑا ہوا اور ایک جگہ مقیم ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا، اور جب دیر ہو گئی تو شکار کھیلنے چلا گیا، ادھر دھر سنگھ آپہنچا اور قلعہ میں داخل ہونا چاہا، مگر قلعہ کا دروازہ بند کر دیا گیا، بعض نیک نفس لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی، اور پھر بڑی عزت سے مغربی شہر پناہ کے پاس ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کو اتارا اور داہر کو اطلاع دی گئی، وہ فوراً واپس آیا اور دعوت کا پیام دیا، مگر اس نے انکار کر دیا، سہ پہر کو داہر کی ماں اور دوسرے عمائدین شہر اس سے ملنے آئے، اور شادی کی حقیقت سے اسے آگاہ کیا کہ یہ شادی فقط ستارہ کی نحوست اتارنے کے لئے کی گئی ہے، لہٰذا اس سے کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے، تب دھر سنگھ نے بظاہر اس کا قصور معاف کر دیا،

دوسرے دن ہاتھی پر سوار ہو کر محل کے سامنے قلعہ کے پاس پہنچا، اور آداب شاہی بجا لایا، داہر نے اندر طلب کیا، محل کے اندر دونوں بڑے گرم جوشی سے ملے، دھر سنگھ نے کہا کہ میرے ساتھ چلو تاکہ لوگوں کو ہمارے اتحاد کا یقین آجائے، چنانچہ داہر ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ چلا، جب قلعہ کے پھاٹک کے نزدیک آیا تو داہر کی آنکھ کھلی اور اسے یقین آگیا کہ میرے

[1] چچ نامہ ص ۲۷

ساتھ فریب کیا گیا، اپنے برہمن وزیر سے مشورہ کیا، اس نے کہا کہ قلعہ کے پھاٹک میں شک جاؤ، ہاتھی نکل جائے گا تو فوراً دروازہ بند کر دوں گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب دھر سنگھ نے پلٹ کر اس کو دیکھا تو نہ پایا، اور قلعہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا تو سمجھ گیا کہ وار خالی گیا، اس کا اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ دھر سنگھ واپس آتے ہی سخت بخار میں مبتلا ہو گیا، اس کے بدن پر بڑے بڑے آبلے نکل آئے، اور تیسرے دن سنہ ۵۲ھ میں مر گیا، وفات کے بعد راجہ داہر نے لکھم لوہانہ کی لڑکی سے شادی کر لی جو اس کے بھائی کی بیوہ تھی، پھر ایک ماہ کے بعد برہمن آباد پہنچا، اور ایک برس تک مقیم رہ کر وہاں کے انتظامات مکمل طور پر انجام دیئے، دھر سنگھ کے لڑکے چچ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا، یہاں سے سیوستان گیا، پھر راور پہنچا اور یہاں کے قلعہ کی تکمیل کی جس کو چچ نا مکمل چھوڑ کر مر گیا تھا[1]

یہ مقام چونکہ ذرا سرد تھا، اس لئے گرمیوں کے چار مہینے وہ ہر سال اسی جگہ بسر کرتا تھا اور چار مہینے سردیوں کے برہمن آباد میں، اور چار مہینے بہار کے الور میں رہتا، چنانچہ ۸ سال تک وہ اس طریقہ پر زندگی بسر کرتا رہا،

راجہ رمل کی بغاوت | سنہ ۵۹ھ میں رمل راجہ نے بغاوت کی، اور بڑی فوج لے کر روانہ ہوا جس میں جنگی ہاتھی بھی تھے، یہ فوج بودھیا[2] کے راہ سے علاقہ راور پر حملہ آور ہوئی اور قبل اس کے کہ راجہ داہر ان کی کوئی مدافعت کر سکے، وہ ان علاقوں پر قابض ہو گئی اور پھر دارالسلطنت

[1] اس سے قبل دھر سنگھ نے بھی اس کی تکمیل کی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ داہر نے کچھ نئی عمارت اور بنوائی جس کو چچ نامہ کے مصنف نے تکمیل کے نام سے تحریر کیا ہے [2] بودھ سے مراد سیوی اور قندابیل تو ناممکن ہے، کیونکہ دریا پار ہو کر راور پر حملہ کرنا زیادہ قرین قیاس تھا بجائے اس کے کہ پورا مغربی علاقہ طے کر کے، اور کے پاس آئے، اس لئے میرے خیال میں اس سے مراد علاقہ ریگستان کچھ کی طرف کا ملک ہے، اور یہی تائید آگے چل کر محمد بن قاسم کی تحریر سے ہوتی ہے، غالباً یہ ریاست بابیہ (یا بھاٹیہ) کا راجہ تھا، جو کسی سبب سے ناراض تھا، سے بہت ممکن ہے کہ اس کو قلعہ میں کسی نامعلوم ذریعہ سے زہر دیا گیا ہو،

اروڑ (الور) کی طرف بڑھی،

عربوں کی امداد | اس وقت غنیم کے پاس بڑی زبردست فوج تھی، جو پے در پے حملہ کرتی چلی آتی تھی، انہی دنوں اتفاقاً کچھ عرب محمد علافی کے ماتحت اسلامی ملکوں سے بغاوت کر کے بھاگ آئے تھے اور اسی مقام پر راجہ داہر کے زیر حکومت امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، راجہ داہر نے گھبرا کر وزیر سے مشورہ کیا، وزیر نے کہا کہ سب سے بہتر بات تو یہ ہے کہ لڑ کر غنیم کو شکست دی جائے اور نہ ہو سکے تو صلح اچھی ہے اور مال سے کام چل سکے تو بھی ٹھیک ہے، کہ بادشاہ خزانہ اسی دن کے لئے بھر کر رکھتے ہیں، اس کے علاوہ آج کل کچھ عرب آئے ہوئے ہیں ان سے بھی مشورہ لے لینا اچھا ہے، کیونکہ یہ لوگ اچھے جنگجو اور سیاست دان ہوتے ہیں، راجہ داہر ان کے پاس گیا، اور مشورہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ اول تو تم یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک خندق کھود کر وہاں ٹھہرو اور مجھے کچھ فوج دو تاکہ ان کا حال معلوم کر کے کوئی تدبیر کروں، راجہ داہر نے اس پر عمل کیا، علافی فوج لے کر دشمنوں کے حالات معلوم کرنے لگا، اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کو کوئی احتیاط نہیں برتتے، اور غافل رہتے ہیں۔ پس محمد علافی نے اپنے ماتحت پانچ سو سواروں کو لے کر رات کے وقت شب خون مارا، اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رمل کی فوج بے تاب ہو کر بھاگ نکلی، ہزاروں مارے گئے، اور ہزاروں گرفتار ہوئے پچاس ہاتھی بھی عربوں کے ہاتھ لگے۔

داہر کو غیر متوقع طور پر جوان سے مدد ملی تو بہت خوش ہوا، اور ان کی بڑی عزت افزائی کی، اس کے بعد راجہ داہر داخلی مشکلات میں کبھی مبتلا نہ ہوا، یہاں تک کہ سنہ ۹۲ھ میں ۴۳ برس حکومت کے بعد خلافت عرب سے اس کی ان بن ہو گئی، اور محمد بن قاسم نے ایک جرار لشکر سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا، چنانچہ رمضان سنہ ۹۳ھ (مطابق سنہ [illegible]ء) میں راجہ داہر مارا گیا اور

اور سندھ عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

عربوں کا ابتدائی بحری حملہ

ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ ہوئے، اس عہد میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے عراق عرب پر حملہ کیا، اور وہ مختلف مقامات میں کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتے رہے، ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے،

۱۵ھ میں عثمان بن ابی عاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر مقرر ہوئے، وہ خود تو عمان میں رہے، مگر اپنے بھائی الحکم بن ابی عاص کو اپنا نائب بنا کر بحرین بھیجا۔

تھانہ پر حملہ

عثمان نے کچھ دنوں کے بعد ایک بحری بیڑا تیار کیا، اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا، یہ جہاز اتفاق سے تھانہ بندرگاہ پر پہنچا، (جو گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع ہے) عربوں نے اس کو لوٹ لیا، اور مال غنیمت لے کر عمان پہنچے[1]، عربوں کا گجرات بلکہ ہندوستان پر یہ پہلا حملہ تھا،

چونکہ یہ بحری بیڑا بلا اجازت خلیفہ کے بھیجا گیا تھا، اس لئے عثمان نے ڈرتے ڈرتے اپنی کامیابی اور مال غنیمت حاصل کرنے کی اطلاع دربار خلافت میں روانہ کی، حضرت عمرؓ اس قدر برہم ہوئے کہ مندرجہ ذیل جواب لکھ بھیجا۔

"اے برادر ثقفی! تم نے یہ فوج نہیں بھیجی تھی بلکہ گویا ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا، بخدا یہ لوگ اگر مبتلائے آفت ہو گئے ہوتے تو ان کا معاوضہ میں تمہاری قوم سے بھر لیتا۔"

سندھ پر پہلا بحری حملہ

لیکن اس دھمکی پر بھی عثمان بن ابی عاص نے پروا نہ کی، اور اپنے بھائی مغیرہ

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۲ لیڈن۔

بن عاص کو پھر ایک بیڑے کا افسر بنا کر بھیجا، اس دفعہ وہ سندھ کے مشہور شہر دیبل پر پہنچے، دشمنوں کو شکست دے کر مال غنیمت کے ساتھ بحرین واپس آئے[1]، یہ سندھ پر پہلا حملہ تھا، اسی زمانہ میں ان کے دوسرے بھائی الحکم بن ابی عاص دوسرا بیڑہ لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بھروچ پر پہنچ گئے، یہ گجرات پر دوسرا حملہ تھا۔

لیکن اس قسم کے حملوں سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا، غالباً یہ وقتی حملے تھے، جن سے مقصود ملک کا حاکم [illegible] کرنا اور بحری ڈاکوؤں کا انسداد تھا، جو تاجروں اور مسافروں کے جہازوں پر چھاپہ مارتے [illegible] تھے، اور بوقت ضرورت سندھ اور کاٹھیاوار کے بندروں میں پناہ لیتے تھے،

ہندوستان [illegible]

[illegible] سندھ پر اصلی حملہ خشکی کی طرف سے ہوا۔

یعنی جب [illegible] ایران فتح کرتے ہوئے کرمان، مکران اور سیستان تک پہنچ گئے تو سندھ کی سرحدیں ان اسلامی مقبوضات سے مل گئیں جو ابھی نو مفتوحہ تھیں۔

[illegible] بری حملہ

مکران پر سب سے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی حکومت کے وقت میں ربیع بن زیاد کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا، لیکن کامل اقتدار حاصل [illegible] محاربہ [illegible] واپس آ گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ خود مختار ہو گئے۔

۲۲ھ میں جب تمام ایران مفتوح ہوا تو اسی ضمن میں عبداللہ بن عامر بن ربیعہ [illegible] پر قبضہ کر کے سیستان کی طرف بڑھے، حاکم (مرزبان) سیستان نے اطاعت قبول کر لی تو مکران پر حملہ آور ہوئے، مکران والوں نے راجہ سندھ سے مدد مانگی، لیکن ابن عامر نے سندھی اور مکرانی دونوں متحدہ فوجوں کو شکست دے کر تمام ملک کو زیر نگین بنایا، یہ پہلا موقع ہے کہ سندھیوں نے بلا وجہ عربوں سے لڑائی مول لی، اور بلا ضرورت عربوں کو دعوت جنگ دی، چنانچہ سندھیوں سے برسر پرخاش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

[1] لیکن چچ نامہ میں لکھا ہے کہ مغیرہ دیبل میں شہید ہوئے[illegible] ص ۴۳ [illegible]

ابن عامر صرف فاتح تھا، ملکی انتظام اس سے نہ ہو سکا، چنانچہ اس کے واپس ہوتے ہی یہ تمام ممالک پھر خود مختار ہو گئے، اس لئے ۲۳ھ میں ان کا مستقل انتظام کیا گیا، سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان نے کرمان فتح کر کے اس کا انتظام کیا، اور عاصم بن عمر اور عبداللہ ابن عمیر سیستان پہونچے، جہان کے مرزبان نے خراج دینا قبول کیا۔

حکم بن عمر تغلبی مکران کی طرف بڑھے، مکران کے راجہ نے پھر سندھی راجہ سے مدد طلب کی جو ایک بہادر فوج لئے ہوئے میدانِ جنگ میں فوراً آ پہنچ گیا، ادھر شہاب بن مخارق، سہیل بن عدی، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان بھی مدد کے لئے آ پہنچے، معرکہ بڑا سخت تھا، ہر دو فریق نے دادِ مردانگی دی، آخرکار مکران کا راجہ جس کو رتبیل کہتے تھے، مارا گیا،

سندھی اور مکرانی فوج بڑی بے ترتیبی سے پسپا ہوئی، دریائے سندھ تک عربون نے ان کا تعاقب کیا، ان فتوحات کے بعد حکم تغلبی نے مال غنیمت [illegible] پانچوان حصہ دربار خلافت مین ارسال کیا، صحار عبدی جب مدینہ پہنچے اور حضرت [illegible] کے سامنے مالِ غنیمت پیش کیا تو خلیفۂ دوم نے خدا کا بے حد شکر ادا کیا۔

صحار عبدی [illegible] سرزمین کو دیکھ کر آئے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان سے وہان کے حالات [illegible] کئے، کیونکہ فوجی عہدہ دار دریائے سندھ سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کر رہے تھے، صحار عبدی نے کہا کہ

"امیر المومنین! یہان پانی کی بے حد قلت ہے اور یہان کے لوگ ڈاکو ہین، تھوڑی فوج جائے تو لوٹ لی جائے، اور زیادہ جائے تو پیاسون مرے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہان کے حالات بیان کر رہے ہو یا شاعری کرتے ہو، صحار نے

ـــــــــــــــــــ

[۱] الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵ لیدن۔

یقین دلایا کہ وہ سچ کہہ رہے ہین، تو حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو آگے بڑھنے سے منع فرما دیا، حالانکہ یہ حال مکران کا تھا، نہ سندھ کا،

خلافت عثمانیہ

محرم ۲۴ھ مین حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ہوئے، ایک سال کے بعد ۲۵ھ مین اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو سیستان روانہ کیا جہان سے وہ کابل چڑھ آور ہوئے،[۱] کابل اس عہد مین صوبہ سیستان کا ایک حصہ تھا، اور گو سیستان عہد فاروقی میں فتح ہو چکا تھا، لیکن کابل کا حاکم ابھی تک خود مختار تھا، ابن عامر نے کابل پہنچکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا، کابلی بھی قلعہ کے نیچے بہادری سے خوب لڑے، مگر آخرکار عربون کے آگے سر جھکانا پڑا، اور کابل مسلمانون کے قبضہ مین آ گیا، یہ ہندوستان کا وہ دروازہ تھا جس کو مسلمانون نے بزور فتح کیا، لیکن جیسے ہی عربی فوج واپس گئی، کابل خود مختار ہو گیا،

۲۹ھ مین عبداللہ بن عامر بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے تمام مشرقی ممالک کے اعلیٰ حاکم مقرر ہوئے، ان دنون بصرہ اس کا پایۂ تخت تھا، چنانچہ ابن عامر نے جب بصرہ مین چارج لیا تو یہ دیکھ کر [illegible] گئے کہ اکثر مفتوحہ ممالک باغیون کے ہاتھ مین ہین، اس لئے عبداللہ بن عمیر لیثی کو والیِ سیستان بنا کر روانہ کیا جنھون نے وہان پہنچتے ہی تمام سرکشون کو زیر کر کے کابل تک اپنے قبضہ مین کر لیا،[۲]

دوسری طرف عبیداللہ بن معمر کو مکران کا حاکم بنایا گیا، جو بڑی بہادری سے فتوحات حاصل کرتا ہوا

ـــــــــــــــــــ

[۱] بلاذری نے اس واقعہ کو حضرت عثمانؓ کے عہد مین تحریر کیا ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عامر کو عراق کا حاکم بنا کر لکھا کہ کسی کو ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجو، انھون نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا، واپسی کے بعد وہی سوال و جواب ہوئے، جو حضرت عمرؓ کے متعلق تحریر کئے گئے۔ (ص ۴۳۲ لیڈن) [۲] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۷ [۳] ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۷۔

ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گیا، اور تمام باغیوں کو از سر نو مطیع کیا۔

تیسری طرف عبدالرحمن بن عبیس کرمان کے گورنر ہوئے، جنھوں نے نہایت خوبی سے امن وامان قائم کیا، باوجود ان انتظامات کے باغی ہر وقت شر و فساد کے لئے تیار نظر آتے، اس لئے ابن عامر خود خراسان پہنچے، سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد حرثی کو دی، اور کرمان مجاشع بن مسعود کے سپرد کیا[1]۔

ابن مسعود نے کرمان پہنچ کر شہر "ہمید" فتح کر لیا، اور ایک عالیشان قصر یہاں تعمیر کرایا، اس کے بعد سیستان کے پایہ تخت سیرجان پر قبضہ جمایا، گو مفتوحین کے بار بار بغاوت کرنے سے فاتحوں کے دل غبار آلود تھے، مگر مذہبی احکام کے باعث کسی کو قتل و غارت کرنے نہ دیا، فقط باغیوں کے سرغنہ اور مفسد لوگوں کو جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا، اس سے آگے بڑھ کر قفص کو اپنے مفتوحہ ممالک میں شامل کر لیا، پھر قفص[2] کے پہاڑوں میں ایک خونریز جنگ کے بعد داخل ہوا، اور کچھ عرب خاندان یہاں آباد کئے، اس طرح اس نے تمام ممالک کو دشمنوں سے پاک کرکے اطمینان سے حکومت کرنا شروع کیا[3]۔

ہندوستان پر پہلا حملہ

ربیع بن زیاد نے سیستان پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ "زالق" پر قبضہ کیا، لیکن اطاعت کے اقرار پر اس کو واپس کر دیا گیا، پھر شہر کرکویہ مطیع ہوا، اس کے بعد شہر زرانشت پر سخت معرکہ آرائی ہوئی، اس کے مطیع ہو جانے پر آگے بڑھ کر ناشرود اور شرواذ دونوں شہر مقبوضات اسلامی میں داخل کئے گئے، اور پھر زرنج جا پہنچے، زرنج کے حاکم نے پہلے تو خوب

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۷،
[2] قفص بظاہر کوچ کا معرب معلوم ہوتا ہے، غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبچاق (ترکستان) کے باشندے تھے، جو ہجرت کرکے (یا فاتحانہ) کسی زمانہ میں ہندوستان کے مغربی پہاڑوں میں آبسے، غالباً انہی کو آج پٹھان اور بلوچی کہتے ہیں۔
[3] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۰،

مقابلہ کیا، مگر آخر میں قلعہ بند ہو گیا، لیکن جب محاصرہ کی سختی سے تنگ آ گیا، تو صلح کا پیام دیا اور خود حاضر ہو کر اطاعت کا اقرار کرنا چاہا، ربیع نے اس کو قبول کر لیا[1]،

ربیع بڑے مدبر اور ہوشیار افسر تھے، انھوں نے فقط غنیم کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے لشکرگاہ کے سپاہیوں کو ایسے کپڑوں میں ملبوس کر دیا، اور ان کی ہیئت ایسی بنا دی کہ جس کو دیکھتے ہی انسان مرعوب ہو جائے، خود بھی ایک لاش پر بے تکلف بیٹھ گئے، اور دوسری لاش سے تکیہ کا کام لیا۔ اس حالت میں انھوں نے مرزبان سیستان سے ملاقات کی،

مرزبان یہ دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ وہ ربیع کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا، آخر صلح ہو گئی، اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے، ربیع زرنج فتح کرنے کے بعد دریائے سنارود کے پار اتر کر اصطبل رستم گاؤں میں مقیم ہوا، گاؤں والوں نے کچھ مقابلہ کیا، مگر آخر مطیع ہو گئے، غرض تمام سیستان میں امن و امان قائم کرکے ربیع زرنج واپس آیا،

ایک سال کے بعد ربیع ابن زیاد حاکم اعلیٰ ابن عامر سے ملنے خراسان چلا گیا، اور اپنا ایک نائب چھوڑ گیا، باغیوں نے پھر سر اٹھایا، اور نائب کو نکال باہر کیا، ابن عامر کو جب اس کی خبر ہوئی، تو فوراً اس نے عبدالرحمنؓ بن سمرہ بن حبیب کو والی مقرر کرکے روانہ کیا، یہ ایک تجربہ کار افسر تھے، اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ صحابی تھے، آپ نے زرنج کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ چند ہی دن میں اطاعت پر لوگ مجبور ہو گئے، اس فتح کے بعد آپ آگے بڑھے، اور ان تمام علاقوں پر قابض ہو گئے جو زرنج اور کش کے درمیان تھے، یہ علاقہ گو اس وقت بلوچستان میں شامل ہے، مگر اس عہد میں ہندوستان کے ماتحت تھا، کیونکہ اس وقت تک بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا، بلکہ مکران اور سیستان ہی سندھ کے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۰ — ۱۰۱

لے ہوئے تھے، اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ مین آیا، اور خود صحابہؓ رسول کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا،

اس کے بعد آپ نے ..رخج اور "داون" پر قبضہ کیا، داون والے فرار ہو کر کوہ زور کے مندر مین پناہ گزین ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے وہان بھی جا گھیرا، آخر اطاعت پر مجبور ہوئے، اور مسلمان مندر مین داخل ہو گئے،

یہان ایک بت تھا جس کا نام "زور" تھا، اور اسی مناسبت سے اس پہاڑ کو بھی کوہ زور کہتے تھے، اس بت کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، اور خود سونے کا تھا، عبدالرحمٰنؓ سیدھے بت خانہ مین پہنچے، پہلے اس کی آنکھیں نکالین پھر ایک ہاتھ توڑ دیا، اس کے بعد وہان کے حاکم سے مخاطب ہوئے، جو اسی جگہ کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا، فرمایا کہ یہ یاقوت اور سونا اپنا اٹھالو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، مین نے یہ کام صرف یہ دکھانے کے لئے کیا ہے کہ ان بتون مین کوئی طاقت نہیں ہے، یہ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ نے کابل، زابلستان (غزنہ) اور قندھار وغیرہ کو فتح کیا، گویا کہ سارا سیستان مکمل طور پر دوبارہ فتح کیا گیا، عبدالرحمٰنؓ ان فتوحات سے فارغ ہو کر زرنج چلے آئے، اور عرصہ تک مقیم رہے[1]۔

خلافت مرتضویہ | ۳۵ھ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے، ابتدائے ۳۶ھ مین آپ نے تمام عثمانی والیون کو معزول کر دیا، اسی ضمن مین عبداللہ بن سمرہ بھی واپس گئے، ان کے واپس ہوتے ہی تمام مشرقی ممالک مین بغاوت پھیل گئی، متعدد والی آئے مگر کوئی کامیاب نہ ہوا۔

۳۶ھ مین واقعۂ جمل کے بعد اصحاب جمل مین سے حسکہ بن عتاب حبطی نے سیستان

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۱ لیدن

پہنچکر تمام صوبہ پر قبضہ کر لیا، اور ایک خود مختار حکومت قائم کر لی، امیر المومنین حضرت علیؓ کو جب یہ خبر ہوئی، تو عبدالرحمٰن بن جرد طائی کو روانہ فرمایا، لیکن یہ خود جنگ مین مارے گئے، تب عبداللہ بن عباس والیٔ بصرہ نے جو مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ تھے، چار ہزار فوج کے ساتھ ربعی بن کاس عنبری کو ابن عتاب کی سرزنش کے لئے روانہ کیا جس نے جاتے ہی فتح حاصل کی، ابن عتاب مارا گیا، اور تمام سیستان ربعی کے ہاتھ آ گیا[1]،

۳۸ھ مین ثاغر بن دعور اکو سرحدی حملہ کے لئے روانہ کیا گیا[2]، یہ ایک بڑی فوج لے کر جس مین حارث بن مرہ جیسے تجربہ کار لوگ بھی تھے، تمام ساز و سامان کے ساتھ دہان پہنچے، اور تمام سرحدی علاقے و متعلقات فتح کرتے ہوئے کوہستان قیقان کے پاس جب آئے تو بڑا سخت معرکہ پیش آیا[3]، کیونکہ بیس ہزار قیقانی تمام درون کی ناکہ بندی کئے ہوئے پڑے تھے، یہان اگرچہ سخت لڑائی ہوئی، مگر ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ مسلمانون نے بوقت جنگ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر ایک دفعہ اس زور سے بلند کیا کہ اس کی ہیبت سے لوگ کانپ اٹھے، اور قیقانی خود بخود منتشر ہو گئے، مسلمانون نے جنگی قیدی کثیر تعداد مین گرفتار کئے، جن کی تعداد ہزارون بتائی جاتی ہے[4].

ربعی عنبری کچھ ہی دنون آرام سے بیٹھنے پائے تھے، کہ پھر بغاوت شروع ہو گئی جاریہ ابن قدامہ کے مشورہ سے حضرت امیر المومنین علیؓ نے زیاد کو یہان کا حاکم بنایا، جس نے ۳۹ھ مین خراسان پہنچکر ان ممالک کا بہترین انتظام کیا[5]۔

عہد امیر معاویہ | ۴۰ھ مین حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو ۴۱ھ مین

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۰ [2] چچ نامہ قلمی ص ۴۴ [3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۱ [4] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۱

[5] قیقان (کیکان) سندھ کا وہ حصہ ہے جو خراسان سے ملتا ہے، اور آج اس کو قلات کہتے ہین (بلاذری ص ۴۳۴ لیڈن)

عبد اللہ بن عامر اعلیٰ حاکم مقرر ہو کر بصرہ پہنچے،[1] جو عہد عثمانی میں بھی اسی عہدہ پر سرفراز ہو چکے تھے، انھوں نے راشد بن عمر کو حدود ہند پر روانہ کیا، جو لوٹ مار کر واپس آ گئے۔

سنہ ۴۲ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قیقان پر ایک سخت حملہ کیا، لیکن افسوس کہ اپنے اکثر رفقاء کے ساتھ شہید ہو گئے،[2] عبد اللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے جوان ممالک میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں عبد الرحمٰن بن سمرہ کو سنہ ۴۳ھ میں والی سیستان بنایا، جو پہلے بھی ایک دفعہ اس عہدہ پر رہ کر بڑی خوبی سے تمام امور انجام دے چکے تھے، یہ سنہ ۴۳ھ میں سیستان پہنچے، اور تمام بغاوتوں کو فرو کرتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے، کابلی قلعہ بند ہوئے، تو عبد الرحمٰن نے محاصرہ کر لیا، اور منجنیقوں سے ایک دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گئے، فتح کابل کے بعد شہر بست پر قبضہ کیا، پھر رزان پہنچے، اور اس کا انتظام کر کے آگے بڑھے تو شہر خشک والوں نے اطاعت قبول کر لی، اس کے بعد رخج پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا، پھر زابلستان (غزنہ) اور قندھار کے علاقہ پر قبضہ کیا، اور ان تمام ممالک کا انتظام کر کے کابل واپس آئے، گو کابلیوں نے پھر مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے، کابل میں کچھ دنوں مقیم رہ کر حکومت کو مضبوط رکھنے کا ہر قسم کا انتظام کیا، اور تسلی بخش کام ہو جانے پر آپ بصرہ واپس آ گئے، یہاں چند سال بآرام زندگی بسر کرنے کے بعد سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔

سنہ ۴۳ھ ہی میں عبد اللہ بن عامر نے عبد اللہ بن سوار عبدی کو سواحل ہند کے سرکش لوگوں کو سزا دینے کے لئے چار ہزار لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ مکران میں کئی ماہ رہے۔[3] انھوں نے قیقان والوں کو سخت شکست دی، اور مال غنیمت لے کر دربار امیر معاویہ میں حاضر ہوئے اور قیقانی گھوڑے نذر کئے، دمشق سے یہ پھر واپس ہو کر ملک قیقان میں آئے، اور آتے ہی یہاں

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵۰ لندن [2] بلاذری ص ۴۳۲ لیدن [3] یعقوبی جلد اول ص ۲۷۸ لیدن

ترکی گروہ سے مقابلہ ہو گیا جس میں مع اپنے ساتھیوں کے شہید ہو گئے،[1]

ابن سوار عبدی جوہر شجاعت کے ساتھ فیاضی کا مادہ بھی رکھتے تھے، گویا اپنے وقت کے حاتم تھے، ان کا حکم تھا کہ لشکر میں کوئی شخص آگ روشن نہ کرے، بلکہ ہر سپاہی کو شاہی (سرکاری) مطبخ سے کھانا اور دیگر تمام لوازم عطا کئے جائیں، ایک دن اتفاقاً کسی خیمہ سے دھواں اٹھتے دیکھ لیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی کو وضع حمل ہوا ہے، اور اپنے لئے خرما کا حلوہ تیار کرتی ہے، حکم دیا کہ تین دن تک تمام لوگوں کو یہی قیمتی غذا دی جائے، کسی شاعر نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

وابن سوار علی عداتہ ۔۔۔۔ موقد النار وقتّال السغب

اور ابن سوار جو فوج کشی کے وقت ہمیشہ اپنا باورچی خانہ گرم رکھتا ہے، اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتا ہے۔[2]

درۂ خیبر پر حملہ

سنہ ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جو ابن سمرہ کی فوج کے ایک سردار تھے، اپنی فوج لئے ہوئے ہند کی طرف روانہ ہوئے، ان کی یہ روانگی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ عربوں میں یہ پہلے شخص ہیں جو ہند کے اس دروازے سے داخل ہوئے جس سے آج تک قدیم قومیں آتی رہی ہیں، یہ درہ خیبر تھا،

مہلب کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیوں کو طے کر کے سرزمین ہند میں پہنچے، (موجودہ نقشے کے لحاظ سے ورنہ اس عہد میں تو یہ علاقہ سندھ میں داخل تھا) تاخت و تاراج کرکے واپس ہوئے، واپسی میں ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں کو پامال کر ڈالا، شہر قندابیل (گنداوہ) کے پاس غنیم سے مقابلہ ہوا، سخت معرکہ آرائی کے بعد غنیم کو شکست ہوئی، لوٹ کا مال و اسباب

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۶۶ [2] بلاذری ص ۴۳۳

راہ لی، اور وہاں سے کش ہوتے ہوئے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ قندھار والوں نے پرزور مقابلہ کیا، آخرکار قندھار پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، مشہور شاعر ابن مفرغ بھی اس سفر میں ساتھ تھا جس نے شہیدوں کا ایک پُردرد مرثیہ لکھا ہے[1]۔

ادھر تو یہ واقعات ہوئے، دوسری طرف سندھ کی سرحد پر سنان کی شہادت کے بعد سنہ ۶۱ھ میں ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی حاکم ہوکر آئے، آتے ہی توقان (یا بوقان) پر حملہ آور ہوئے، پھر قیقان پر فوج کشی کی، ہر دو جگہ سے کامیاب واپس آئے، تو باغی شہر قصدار فتح کیا[2]۔

اب مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم عبیداللہ بن زیاد ہوا۔ اس نے منذر بن حارث بن بشر کو سرحدی حاکم بنا کر بھیجا، اتفاقاً حدود توران میں پہنچکر علیل ہوگیا اور پھر وہیں پیوند زمین ہوا۔

ابن زیاد نے اس کے لڑکے حکم بن منذر کو اس کے باپ کا عہدہ دیا۔ وہ اس وقت کرمان کا حاکم تھا، اب دونوں صوبوں کا حاکم ہوگیا۔ بڑی فیاضی سے تین ہزار درہم بھی خزانہ سے ابن زیاد نے سامانِ سفر کے لئے عنایت کیا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر چھ ماہ کے بعد واپس بلا لیا گیا[3]۔

ابن زیاد نے اس کے بعد ابن حری باہلی کو اس عہدہ پر مامور کیا، جس نے اپنی فتوحات سے اسلامی ممالک کو بہت وسعت دی، ان ہی واقعات سے متاثر ہوکر ایک شاعر کہتا ہے کہ

لولا طعانی بالبوقان ما رجعت   منہ سرایا ابن حری باسلاب[4]

اگر بوقان میں اپنی نیزہ بازی کے جوہر نہ دکھاتا تو ابن حری کی فوجیں مال غنیمت کے ساتھ واپس آتیں

عبدالملک کا عہد

سنہ ۶۵ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا، لیکن وہ اندرونی انتظامات اور خانہ جنگی کو دور کرکے امن وامان قائم کرنے میں اس قدر منہمک رہا کہ سرحدی معاملات کو ایک عرصہ تک اس نے نہیں چھیڑا۔

---

[1] بلاذری ص ۴۳۴ [2] ایضاً ص ۴۳۳ [3] چچ نامہ ص ۷۳ [4] بلاذری ص ۴۳۵ لیدن۔

سنہ ۷۵ھ میں حجاج ابن یوسف ثقفی جب مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سرحد سندھ کا حاکم مقرر کیا۔

اسی عہد میں ایک مشہور سردار محمد علافی جو قبیلہ بنی اسامہ سے تھا، جب اسے عبدالرحمن بن اشعث کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اس نے راہِ فرار اختیار کی، اور اس کے بعد پوشیدہ طور پر اس نے عبدالرحمن کو مار ڈالا، اور پھر اپنے قبیلہ کے پانچسو آدمی کو لے کر عمان کی راہ سے سندھ آپہنچا، اور دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم تھا کہ اسے خبر معلوم ہوئی کہ راجہ سندھ کے مقابل رن مل اپنی فوجیں لئے پڑا ہے۔ راجہ داہر کی استدعا پر علافی نے اپنے قبیلہ کے پانچ سو سواروں کو لے کر رات کے وقت شبخون مارا۔ سندھی فوجیں اس قسم کے حملوں کی عادی نہ تھیں۔ دوسرے یہ واقعہ اچانک خلاف توقع وقوع پذیر ہوگیا، رن مل کی فوجیں فی الفور منتشر ہوگئیں، اور باوجود دس ہزار ہونے کے بھی ان کو بری طرح شکست ہوئی، راجہ داہر بہت خوش ہوا، اور اس نے ایک علاقہ ان لوگوں کے قیام کے لئے مقرر کر دیا، یہ علاقہ سرحد مکران پر واقع تھا، اور اس کے قبائل کے لوگ اکثر مکران آتے جاتے رہتے تھے، سعید بن اسلم جب مکران پہنچا تو کسی جرم پر صفوی بن لام الحمامی کو پکڑ کر قتل کر ڈالا، یہ معلوم کرکے تمام علافی خاندان سعید کا دشمن ہوگیا، چنانچہ سعید خراج لے کر واپس آنے کے ارادہ میں تھا، کہ یکایک ان لوگوں نے موقع پاکر قتل کر دیا، اور مکران پر قابض ہوگئے[1]،

بلاذری میں ہے کہ حارث علافی کے دونوں بیٹے معاویہ اور محمد اس کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، سعید اسی جنگ میں مارا گیا،

اس معاملہ کی خبر جب حجاج کو ملی، تو وہ نہایت ہی برہم ہوا اور علافی قوم کے سردار سلیمان جو عرب میں تھا، گرفتار کرکے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کے ساتھ ہی مجاعہ بن سحر تمیمی کو مکران بھیجا،

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۳۰۸ لیدن۔

اب علافی سمجھ گئے کہ معاملہ اہم ہوگیا، اور حجاج جیسا مستقل مزاج آدمی بے انتقام لئے نہ رہے گا۔ اس کے علاوہ سلطنتِ اسلامیہ کی مرکزی طاقت کا مقابلہ کرنا بے حد دشوار ہے، اس لئے وہ سب مکران خالی کرکے سندھ بھاگ گئے، اور راجہ داہر کے زیر سایہ امن زندگی بسر کرنے لگے۔[1] راجہ سندھ نے حکومتِ اسلامیہ کے باغی اور مجرم کو اپنے یہاں پناہ دی۔ یہ دوسرا سبب ہے جس کے باعث سلطنتِ اسلامیہ کو سندھ پر خاص توجہ کرنی پڑی۔ اور ہر وقت نگاہ میں یہ ملک کھٹکنے لگا۔

مجاعہ مکران پہنچے تو پہلا انتظام یہ کیا کہ مکران کو فتنہ و فساد سے پاک کیا۔ پھر سرحدی علاقے کے سرکشوں کو زیر کرکے سندھ کے علاقہ تک گھستے ہوئے چلے گئے۔ اور قندابیل (گنداوی) کے قبائل پر کامیابی حاصل کی۔ مگر افسوس کہ اجل نے زیادہ بہادری دکھانے کا موقع نہ دیا، اور ایک سال کے بعد ۷۶ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور مکران ہی میں غالباً دفن کئے گئے۔[2]

حجاج ثقفی نے ان کی جگہ محمد بن ہارون بن ذراع نمری کو مامور کیا۔ اور خصوصیت سے حجاج نے ان کو تاکید کردی کہ علافی خاندان کو جس طرح ممکن ہو تباہ کردو، تاکہ سرحد سے اس فساد کی جڑ ہی کٹ جائے، چنانچہ یہ بھی اس جستجو میں برابر لگے رہے، اور ۸۶ھ میں ایک علافی کو پکڑ کے قتل کر ڈالا، اور حجاج کے پاس اس کا سر روانہ کیا، ۹۱ھ تک محمد بن ہارون اس عہدہ پر رہ کر ملکی نظم و نسق میں مشغول رہے، اور حتی الامکان ہر باغی اور سرکش کو مطیع کیا، کوہ و دشت ہر جگہ یکساں امن قائم کردیا تھا۔[3]

فتح سندھ اور عہد ولید ابن عبدالملک

اسی عہد میں وہ مشہور واقعہ پیش آگیا جس سے سندھ کو فتح کرنے پر عرب مجبور ہوگئے۔ اور عربوں نے اس طرف پیش قدمی کرنا ضروری سمجھا، حالانکہ

[1] چچ نامہ قلمی ص ۳۸ [2] بلاذری ص ۴۳۵ لیدن [3] چچ نامہ قلمی ص ۳۹۔

خلیفۂ دوم کے حکم پر اس وقت تک قائم تھے، اور بجز سرحدی سرکشوں پر تاخت کرنے کے فتح سندھ کا کبھی خیال نہ آیا تھا۔

مسلمانوں میں ابتدا سے تجارت کا شوق رہا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اسلامی ممالک میں، بلکہ دور دراز ملکوں میں بھی تجارت کا بازار گرم رکھتے تھے۔ اسکندریہ سے لے کر چین تک ان کی جولانگاہ تھی۔ بحیرۂ روم میں اسکندریہ، بحر احمر میں جدہ، حدیدہ اور عدن، خلیج فارس میں بصرہ، جزیرۂ ہرمز، بحر عرب میں دیول سومناتھ، کھنبائت، بھروچ، تھانہ، بحر ہند میں کالیکٹ، لنکا، مالدیپ، معبر ان کے جہازوں کی آمد و رفت سے پُر رونق رہتے تھے، ہندوستان سے چین تک کی میں خصوصیت سے قابلِ ذکر لنکا ہے، جس کو عرب سیلان کہتے تھے، یہاں تاجروں کی ایک جماعت رہا کرتی تھی۔ ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی رہتے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا عہد تھا، مسلمانوں کے فتوحات کا شہرہ سب جگہ پہنچ چکا تھا، اور دنیا کا ہر بادشاہ خلیفہ سے دوستی کا متمنی تھا، لنکا کا راجہ بھی انہی میں سے ایک تھا، اتفاقاً ایک مسلمان تاجر وہاں وفات پاگیا، اس کی بیوہ عورت اور یتیم لڑکے اور لڑکیاں تھیں، راجہ لنکا نے ان کو بڑے آرام سے مع تحف و ہدایا کے ایک جہاز پر سوار کرکے خلیفہ کے پاس روانہ کردیا، اور اسی وساطت سے اس نے چاہا کہ خلیفہ سے رسم اتحاد بڑھائے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی بھی تھے، یہ جہاز جب سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول) کے قریب پہنچا، تو سندھی قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا، یہ سندھ کی مشہور قوم "میذ" کے لوگ تھے، ان قزاقوں نے دیبل کو جائے پناہ بنا رکھا تھا، اور اس طرح اکثر جہازوں کو لوٹ کر دیبل چلے آتے تھے۔

ان قیدیوں میں سے ایک عورت قبیلہ یربوع کی بے اختیار پکار اٹھی کہ "فریاد اے حجاج!" جب اس کی خبر حجاج کو ہوئی تو وہ غصہ کے مارے بے تاب ہوگیا، اور انتہائی جوش میں کہہ اٹھا کہ

یہاں میں آیا"۔

اس واقعہ سے حجاج کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اور اس نے سندھ فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن اس قدر اہم کام بغیر اجازت خلیفہ کے نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے دربارِ خلافت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی ارسال کی کہ سندھ پر فوج کشی کی اجازت دی جائے مگر ولید بن عبد الملک نے اس کو قبول نہیں کیا، لیکن حجاج بھلا کب ماننے والا انسان تھا۔ اس نے پھر دوسری درخواست پیش کی کہ

"خلیفہ نے کثیر اخراجات کے خیال سے فتحِ سندھ کی اجازت نہیں دی، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس قدر رقم خزانۂ عامرہ سے اس پر صرف ہوگی اس کا دوگنا خزانہ میں داخل کروں گا[1]"۔

غالباً خلیفہ نے یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ اس کی دوگنی رقم تو خزانہ میں آ ہی جائے گی اس میں نقصان کیا ہے؟

اس کے بعد حجاج نے ایک سفارت راجہ داہر کے پاس سندھ بھیجی تاکہ راجہ کے ذریعہ وہ تمام قیدی واپس کر دیئے جائیں، راجہ داہر نے اس کے جواب میں لکھا کہ

"یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جو میری اطاعت سے باہر ہیں، اس لئے میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا[2]"۔

حجاج کو بھلا ایسا خشک جواب سننا کب گوارا ہو سکتا تھا، خون کے گھونٹ پی کر غور کرنے لگ گیا کہ کس طرح اس کو عمل کیا جائے۔

اس نے اس معاملہ میں فوری کارروائی یہ کی کہ ایک فوج زیر کمان عبید اللہ بن نبہان

لہ یعقوبی جلد ۱ ص ۲۰۸ لیدن ۲ چچ نامہ قلمی ص ۳۹۔

روانہ کی کہ جو دیبل پہنچ کر جنگ میں مصروف ہو گئی، عبید اللہ ایک بہادر شخص تھے، لیکن مدبر نہ تھے۔ انہوں نے ذاتی تہور کو اس قدر نمایاں کیا کہ میدانِ جنگ میں خود شہید ہو گئے[1]۔

بدیل کی فوج کشی

حجاج کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے فوراً بدیل بن طہفہ بجلی کے نام فرمان بھیجا جو اس وقت عمان میں تھے، کہ تم سندھ کے لشکر کا چارج لو اور اس کے ساتھ ہی والیٔ مکران محمد بن ہارون کے نام حکم بھیجا کہ تین ہزار فوج تیار رکھو، جو بدیل کے ساتھ ہو کر جنگ آزما ہوگی،

محمد بن ہارون خود بھی فتح سندھ کے خواہشمند تھے، اور اسی سبب سے بعض بردہ فروش تاجروں کے علاوہ دوسرے جاسوسوں کو مقرر کر رکھا تھا، جو مختلف حیلوں سے سندھ کی آمد و رفت رکھتے تھے، اور وہاں کے حالات بہم پہنچاتے تھے۔

عمان سے سندھ کا راستہ بدیل کے لئے قریب تر بحری راستہ تھا، مگر بدیل اس طرف سے سندھ میں نہیں آئے، بلکہ سواحلِ عرب سے گذر کر خلیج فارس طے کرتے ہوئے ایران کے راستہ خشکی سے مکران پہنچے، شاید محمد بن ہارون کی فوجوں کو ساتھ لینے کے لئے اس قدر مسافت طے کی، اور پھر غالباً اسی بعد مسافت کے باعث اپنے ساتھ صرف تین سو آدمی لائے تھے۔

غرض بدیل تین ہزار فوج محمد بن ہارون والیٔ مکران کی لے کر شہر دیبل پہنچے۔ دشمنوں کی فوج سے مقابلہ ہوا، بڑی داد شجاعت دی۔ طرفین سے پُر زور حملے ہوئے، ابھی کچھ فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ بدیل کا گھوڑا بھڑکا اور سوار زین سے زمین پر آ رہا۔ غنیم نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، چاروں طرف سے محصور کر لیا، اور گرفتار کر کے شہید کر ڈالا، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بودھ کے مقلدین تھے[2]۔

نیرون والوں کا عہد نامہ

یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ عربوں کو متواتر دو دفعہ شکست ہوئی، پھر بھی نیرون

لہ بلاذری ص ۴۳۵ لیدن ۲ ایضاً ص ۴۳۶ لیدن

متعلق صـ ۴۴

بہت ہی مرعوب تھے، چنانچہ نیرون کے لوگ عربوں سے خوفزدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے، انھوں نے کہا کہ ناممکن ہے کہ عرب اس کا انتقام نہ لیں، اس لئے اگر اسی وقت سے اطاعت قبول کر لی جائے تو شہر بربادی سے محفوظ رہ جائے گا۔ ورنہ عربوں کے بر سر راہ ہونے کے باعث یہ سب سے پہلے پامال ہوگا۔ چنانچہ حاکم نیرون جو بدھ مذہب کا پیرو تھا، اس نے ایک وفد حجاج کے پاس بشرط جزیہ اطاعت قبول کر کے امان کا طالب ہوا جس کو بڑی خوشی سے حجاج نے قبولیت کا فرمان عطا کر دیا۔[1]

اسی زمانہ میں ایک بات اور پیدا ہو گئی جس کے باعث حجاج کو سندھ فتح کرنے کی ایک ضد ہو گئی۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بغاوت کے پاداش میں قتل کیا گیا۔ اور تمام ساتھی بھی اسی گھاٹ اتارے گئے۔ لیکن اس جماعت کا ایک بااثر شخص عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ ابن حارث بن عبدالمطلب بھاگ نکلا، اور سندھ میں آکر پناہ گزین ہوا۔[2] حجاج اس سے انتقام لینا فرض اولین سمجھتا تھا، اس لئے اس مسئلہ پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا۔

چنانچہ عربوں کی ان دو ناکامیوں کے بعد وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ معمولی تنبیہوں سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ اس کے لئے مستقل انتظام کرنا پڑے گا۔

حجاج نے ان تمام امور پر غور کر کے ایک فوج تیار کی۔ اور اس کی افسری کے لئے اپنے چچا کے لڑکے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا، جو صوبہ فارس میں تھا،[3] اور کسی ضروری امر کے واسطے "رے" جانے کا حکم پا چکا تھا، وہ اسی تیاری میں تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ "رے" کے عوض تم سندھ جاؤ۔ اور فی الحال اس فوج کا جو تمہارے لئے بھیج رہا ہوں انتظار کرو۔

---

[1] چچ نامہ ص ۹۴ تا ۔ ابن اثیر ص ۲۹۰ جلد ۴ بیلی ۵۳، اس کا نسب نامہ بلاذری نے اس طرح لکھا ہے۔ محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابی عقیل۔ اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حجاج کا باپ یوسف تھا جو حکم کا لڑکا تھا۔

محمد بن قاسم کی فوجی نقل و حرکت

محمد بن قاسم شیراز میں چھ ماہ تک خیمہ زن رہا۔ ابو الاسود جہم بن ظہر جعفی کے ماتحت چھ ہزار شامی نوجوانوں کی فوج جب شیراز پہنچی۔ تو ابن قاسم سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ چھ ہزار سانڈنی اور تین ہزار بختی اونٹ باربرداری کے لئے بھی اس کے ساتھ تھے۔[1]

حجاج کو اس فوج کا کس قدر خیال تھا، وہ اس کے اس اہتمام سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے اس کے لئے کیا تھا، حجاج نے فوجی ضروریات کی کوئی شے ایسی نہ تھی جو اس کیلئے مہیا نہ کی ہو، بلکہ روزمرہ تک کی چیزیں لشکر کے ساتھ تھیں۔ یہاں تک کہ سوئی تاگا بھی اس کے لئے سامان بسدیں موجود تھا[1]

ابن قاسم نے مختصر سامان سفر تو ساتھ لے لیا، باقی تمام بھاری اور تکلیف دہ چیزیں بڑے بڑے جہازوں میں بھر کر سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول)۔ روانہ کر دیں، اور خود براہ کرمان عازم دیبل ہوا۔ انہی جہازوں پر پانچ منجنیقیں بھی تھیں جن میں سے ایک کا نام عروس تھا، اور پانچ پانچ سو آدمی ان کو حرکت میں لاتے تھے[2]

محمد بن قاسم کو جنگی ضروریات کے لئے حجاج نے عام سامان رسد کے ساتھ تیس ہزار دینار بھی بھیجے تھے[3]، اور جب حجاج کو معلوم ہوا کہ فوجیوں کو وہاں سرکہ نہیں ملتا ہے، تو سرکہ کو روئی میں تر کر کے سایہ میں خشک کرایا، اور اس طرح خشک شدہ روئی سندھ بھیجی گئی کہ جب ضرورت ہو تو پانی میں ڈال کر تر کر لیں۔ تاکہ سرکہ پانی میں حل ہو کر کارآمد ہو جائے[4]۔

محمد بن قاسم شیراز سے مکران آیا، پھر مکران کی سرحد سے چل کر پہلے "قنز پور" پنج گور پر حملہ آور ہوا اور کئی ماہ کے بعد جب یہ شہر فتح ہو گیا تو آگے بڑھ کر ارمابیل (ارمن بیلہ) کا محاصرہ کر لیا۔ جو ریاست لس بیلہ کا پایۂ تخت تھا، اس شہر کو فتح کر کے اسی جگہ کئی ماہ تک مقیم رہا۔ تاکہ فوجیں دم لے لیں۔ اور تازہ دم ہو جائیں۔ اسی مقام پر محمد بن ہارون والی مکران بھی حسب الحکم حجاج اپنی

[1] بلاذری ص ۴۳۶ لیدن [2] ص ۴۳۷ [3] معصومی قلمی ص [4] بلاذری ص ۴۳۷ ، [5] چچ نامہ قلمی ص ۴۲

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

فوج لے ہوئے آپہنچے، یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہی تھا کہ محمد بن ہارون دفعتہً وفات پاگئے اور اسی سے قریب مقام قنبلی میں زمین کے سپرد کئے گئے، اس کے بعد جہم کو بطور طلیعہ کے آگے روانہ کیا گیا[1]

محمد بن قاسم ارمابیل (لارمن بیلہ) سے چل کر سیدھا دیول (دیبل) پہنچا، ان دنوں یہ شہر مغربی سندھ میں سب سے زیادہ مشہور تھا، یہ بڑی قدیم بندرگاہ تھی، ایران، عراق، عرب اور افریقہ کے جہاز اسی جگہ ٹھہرتے تھے۔

اس شہر میں بودھوں کا ایک مشہور دیول تھا، اور غالباً اسی مناسبت سے اس شہر کا بھی نام دیول پڑ گیا تھا، عربوں نے اسی کو معرب کرکے "دیبل" (بکسر دال وبضم بار موحدہ) کردیا، اور اب تمام عربی تاریخوں میں یہی نام ملتا ہے۔

اس دیول میں بے شمار مورتیاں تھیں، ان میں سے ایک سب سے بڑی مورتی زیادہ مشہور تھی۔ اس بتخانہ میں ایک بڑا گنبد تھا، اس کے نیچے وہ مکان تھا جہاں یہ مورتیاں رکھی تھیں، اس کی چوٹی سطحِ زمین سے چالیس گز بلند تھی، اور اس پر سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا جب ہوا چلتی تو یہ چاروں طرف گھومتا جس کو عوام عقیدت مندانہ نظر سے دیکھتے، اس دیول میں سات سو پجاری تھے، جو عوام کی رہبری کرتے تھے[3]۔ اس دیول میں جو مورتی تھی وہ مہاتما بدھ کی تھی۔ کیونکہ تمام مورخین عرب اس پر متفق ہیں۔ کہ اس بت کا نام بدھ تھا۔

فتح دیبل | محمد بن قاسم ارمابیل سے متواتر کوچ کرتا ہوا جب جمعہ کے دن ۹۲ھ میں دیبل پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے قلعہ بند ہو کر لڑنا زیادہ مناسب سمجھا، مسلمانوں نے بھی اس کا محاصرہ کرلیا، اتفاق کی بات دیکھئے کہ اسی دن جہاز کے ذریعہ وہ سامان بھی پہنچ گیا جو شیراز سے روانہ کیا گیا تھا[4]

[1] بلاذری ص ۴۳۶ [2] ، ص ۴۳۶ لیدن - بلاذری نے سندھ آنے کا کوئی سنہ نہیں دیا ہے۔ ابن اثیر نے اس واقعہ کو ۸۹ھ کے تحت ذکر کیا ہے، مگر یعقوبی سنہ ۹۲ھ لکھتا ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ [3] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ لیدن

محمد جمعہ کے دن دیبل پہنچا تھا، اور سرزمین سندھ پر یہ پہلا جمعہ تھا، جہاں سب سے پہلا خطبہ محمد بن قاسم نے دیا، اب مکمل طور پر شہر کا محاصرہ کرلیا گیا، موقع سے منجنیقیں بھی لگادی گئیں، اپنے لشکر کے سامنے خندق کھودی تاکہ اچانک دشمن حملہ نہ کردے، یہ خندق شہر کے چاروں طرف تھی، جس کے باعث دیبل والوں کو بہت زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگی۔ اور خارجی امداد کا ہر امید افزا ذریعہ مایوس کن ہوگیا۔

جنگ شروع ہوگئی، طرفین داد شجاعت دینے لگے۔ منجنیقیں ہر طرف سے سنگ باری کررہی تھیں۔ شہر پناہ کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھیں۔ پھر بھی شہر کسی طرح سے فتح نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ محاصرہ کو کئی ماہ گذر گئے تھے۔

اس دوران میں حجاج بن یوسف برابر خط و کتابت کرتا رہا۔ وہ ہر تیسرے دن محمد بن قاسم کو خط لکھتا۔ جو ساتویں دن اس کو مل جاتا[1]۔ محمد بن قاسم اس کے جواب میں یہاں کے مفصل حالات لکھتا، جب جنگ نے طول کھینچا تو نقشۂ جنگ کو دیکھ کر حجاج نے لکھا کہ منجنیق عروس کو مشرق کی طرف نصب کرو اور ایک پایہ کم کرکے موجودہ حالت سے ذرا نیچے کردو، اور نشانہ انداز کو حکم دو کہ دیول کے گنبد پر سنگ باری کرے[2]

بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس ایک برہمن حاضر ہوا اور اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس دیول میں ایک طلسم ہے اور جب تک یہ طلسم نہ ٹوٹے گا شہر فتح نہیں ہو سکتا[3]

غرض محمد بن قاسم نے عروس کو اسی طرح مشرق میں قائم کراکے گنبد پر گولہ باری کرائی، جس سے وہ ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی سارے شہر میں کہرام مچ گیا، اور ہر شخص کے چہرہ پر مایوسی چھاگئی۔ سپاہی جوش و خروش کے ساتھ باہر نکل آئے، اور بڑی بہادری سے لڑنے لگ گئے،

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۳ بمبئی [2] بلاذری ص ۴۳۷ [3] چچ نامہ قلمی ص ۱۲۳

عرب بھی اسی دن کے منتظر تھے۔ کہ سندھی قلعہ سے باہر نکل آئیں تو پھر ایک دفعہ حوصلہ آزمائی کی جائے۔ بس عرب بھی بڑی بے تابی کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور ایک خونریز جنگ کے بعد سندھیون کو شکست ہوئی، اور پھر شہر مین جاکر پناہ گزین ہوئے۔

عربون نے یہ دیکھ کر زینہ کے ذریعہ فصیلون پر چڑھنا شروع کر دیا، سندھیون نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح عربون کو کامیاب نہ ہونے دین۔ مگر عربون مین اس وقت اس قدر جوش تھا کہ سندھیون کی مدافعت اس کو نہ روک سکی، اور قبیلہ مراد کا ایک جری سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کر دیا۔ اور اللہ اکبر کی پر رعب آواز سے مسلمانون کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا، پھر تو ہر طرف سے مسلمان فصیل پر پہنچ گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر مین داخل ہوکر دروازے کھول ڈالے۔ اور تھوڑی دیر مین سارا شہر مسلمانون کے زیر علم ہوگیا۔

مسلح شہری جو ابھی میدان سے شکست کھا کر گھر پہنچے تھے۔ اور ان کو اطمینان تھا کہ فصیلون کی حفاظت فوجی لوگ کر رہے ہون گے، یہ سن کر بدحواس ہوگئے کہ مسلمانون نے شہر فتح کر لیا، یہ لوگ اپنے اپنے گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر جس طرف جس کو موقع ملا بھاگ نکلے، یہ واقعہ ابتدائے رجب سنہ ۹۳ھ کا ہے۔[۱]

سندھی سپاہی اگرچہ مفتوح ہو چکے تھے۔ لیکن پھر بھی جہان جہان تھے اپنے وطن پر جان قربان کرنے مین دریغ نہ کیا کرتے، اسی طرح سے تین دن تک اندرون شہر قتل کا بازار گرم رہا؛ شہر کا حاکم بھاگ نکلا، اور شرمندگی سے ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔

تین دن کے بعد امن قائم ہوا، تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی،

---

[۱] بلاذری ص ۴۳۷ لیڈن ۔ [۲] چچ نامہ قلمی ص ۴۹، لیکن کامل ابن اثیر نے ۸۹ھ کے ضمن مین اس کو درج کیا ہے۔

اور چار ہزار گھر مسلمانون کے یہان آباد کئے گئے۔[۱]

فتح نیرون[۲]

فتح دیول کے بعد محمد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا، منجنیقین اٹھا کر جہازون پر سوار کی گئیں اور سندھو دریا کے معاون نالہ سانکڑا کے راستہ سے روانہ کر دی گئین، اور خود بھی چھ دن تک برابر کوچ کرتا ہوا سیسم کی سڑک سے نیرون کی طرف روانہ ہوا۔ جو دیول سے ۷۵ میل پر واقع تھا، ساتوین دن نیرون کی ایک ترائی مین جس کا نام بلھار تھا پہنچا، برسات مین یہ زمین زیر آب ہوتی ہے۔ مگر اس وقت جب کہ ابن قاسم وہان پہنچا موسم گرما کے باعث خشک تھی، اور دریا اس قدر فاصلہ پر تھا کہ وہان سے اس قدر پانی مہیا کرنا کہ تمام لشکر کو کفایت کرے ناممکن تھا، اس سبب سے لشکر کو پانی کی اس قدر تکلیف ہونے لگی، کہ سپہ سالار نے نماز استسقاء ادا کی، اور خدا نے بھی ان کی دعاؤن کو شرف قبولیت بخشا، پانی برسا اور تمام تالاب اور ندی لبریز ہوگئے۔

نیرون کا حاکم بودھ مذہب کا پیرو تھا، اس نے اس سے پہلے ہی حجاج سے معاملہ طے کر لیا تھا جس وقت محمد بن قاسم نیرون پہنچا، وہ راجہ داہر کے پاس تھا۔ وہ وہان سے فوراً نیرون پہنچا، نیرون والون نے شہر کے دروازے بند کر دیئے تھے، حاکم کے پہنچنے پر دروازے کھول دئے گئے۔ تحفے اور ہدایا کے ساتھ سپہ سالار سے ملاقات کی، اور بڑے تزک اور احتشام کے ساتھ اس کا استقبال کرکے شہر مین لائے اور ہر طرح سے وفاداری کا یقین دلایا، اس کے علاوہ مکمل طور سے سامان رسد کا اہتمام کیا،[۳] جس سے آگے کی فتوحات مین بڑی مدد ملی، محمد بن قاسم نے بھی اس کی بڑی عزت کی۔ اور خلعت سے سرفراز کیا۔

---

[۱] بلاذری ص ۴۳۷ [۲] بعض کتابون مین نیرون کی جگہ بیرون (ب ی ر و ن) لکھا دیکھا اور ابوریحان بیرونی کو اسی طرف منسوب کیا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بیرون۔ خوارزم کے اس حصہ کا نام ہے جو قلعہ کے باہر آباد تھا برخلاف نیرون (ن ی ر و ن)، کے کہ یہ سندھ کا ایک ساحلی شہر تھا جو دیبل سے ۷۵ میل پر تھا۔ [۳] ص ۴۳۸ لیڈن۔

نیرون میں محمد بن قاسم نے ایک مسجد وہار (خانقاہ) کی جگہ تیار کرائی[1] اور امام مقرر کرکے حکم دیا کہ پانچوں وقت نماز ہوا کرے، چنانچہ وہاں اذان کے ساتھ باجماعت روزانہ نماز ادا کی جانے لگی۔ پھر محمد ذہلی بصری کوتوال شہر مقرر کئے گئے۔

سالار لشکر نے یہاں مقیم رہ کر حجاج کو اپنی تمام فتوحات سے آگاہ کیا۔ اور آگے بڑھنے کی اجازت چاہی، حجاج نے نہ صرف آگے بڑھنے کی اجازت ہی دی۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ ہندوستان اور ترکستان دونوں کی سرحدیں چین پر ختم ہوتی ہیں۔ سندھ میں تم اور ترکستان میں قتیبہ بن مسلم، دونوں دشمنوں سے برسرپیکار ہو، پس تم دونوں میں سے جو بھی پہلے چین میں داخل ہوگا وہ اپنے حریف پر حاکم ہوگا۔[2]

اس بات نے ابن قاسم کو آمادہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے فتوحات کا دائرہ وسیع کرے، محمد بن قاسم وہاں سے چل کر دریائے سندھ کی ایک شاخ پر پہنچا۔ مگر کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی اس نے اطمینان سے دریا کو عبور کیا، شری ویدداس کے بدھ لوگ یہ خبر سنتے ہی حاضر خدمت ہوئے اور اطاعت اور وفاداری کا یقین دلا کر خراج پر صلح کر لی۔[3]

فتح سیوستان اب سپہ سالار نے سیوستان (سہوان)[4] کا رخ کیا۔ اور رہبری کے لئے نیرون کا حاکم (سمجد رکن) ساتھ تھا، نیرون سے ۳۰ فرسخ (۹۰ میل) پر بہرج مقام پر پہنچا۔ جہاں کے لوگ بدھ کے پیرو تھے۔ اور ایک صاحب اثر شخص اس کا حاکم تھا۔ اس نے لوگوں کو جمع کرا کر مشورہ کیا کہ کیا جائے؟ اس وقت یہ شہر سیوستان کا تابع تھا: اور وہاں کا حاکم بجہرا (بجے رائے) نام ایک شاہزادہ تھا جو راجہ داہر کا بھتیجا اور اس کے بھائی چندر کا بیٹا تھا، بہرج کے لوگوں نے

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۵۔ لیکن یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہے کہ نیرون جب صلح سے فتح ہوا تو پھر محمد بن قاسم بدھوں کے وہار کو توڑ کر کس طرح مسجد تعمیر کرا سکتا تھا۔ [2] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ ایدن [3] بلاذری ص ۴۳۸۔

[4] اس شہر کا مختلف زمانہ میں سدوسان، سیوستان، سسوان، اور سیوان، الگ الگ نام رہا ہے، آج کل سیوہن کہتے ہیں۔

آخر یہ طے کیا کہ ایک عرضداشت حاکم سیوستان کے پاس بھیجی جائے۔ آخر ان بودھیوں نے لکھ بھیجا کہ ہم لوگ بودھی ہیں، اور ہمارے مذہب میں خونریزی ناروا ہے، آپ کی طرح ہم لوگ جھگڑالو بھی نہیں ہیں۔ عربوں کے متعلق جہاں تک علم ہے وہ یہ ہے کہ امان مانگنے سے وہ شہر کو نہیں لوٹتے بلکہ وعدہ کے مطابق ہر طرح شہر کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس لئے مجبور ہو کر ہم لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں آپ ہم کو معذور سمجھیں،

چندر کے بیٹے بجے رائے (بجہرا) نے اس عرضی کا کوئی جواب نہ دیا، اور اپنی حفاظت میں مشغول ہو گیا۔[1] سپہ سالار اسلام یہاں سے چل کر خاص قلعہ سیوستان کے سامنے جا پہنچا، لوگ قلعہ بند ہو گئے، لیکن آبادی کا کثیر حصہ بودھی تھا، جو کسی طرح جنگ کو پسند نہ کرتا تھا۔

محمد بن قاسم نے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے جاسوس روانہ کئے، جو یہ خبر لائے کہ شہری تو کسی طرح جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہیں مگر قلعہ کی محفوظ فوج آمادۂ جنگ ہے،

سپہ سالارِ فوج نے ریگستانی صحرا کے جانب جو دروازہ تھا اس طرف بوجہ محفوظ مقام ہونے کے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ بارش ہو جانے سے زمین کا بڑا حصہ زیرِ آب ہو گیا تھا، اور شمال جانب دریائے سندھ بہہ رہا تھا۔ اس طرح نہ تو دشمن کا خدشہ تھا، نہ قابلِ استعمال پانی کی قلت کا اندیشہ،

غرض قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا، اور منجنیق سے سنگ باری شروع کر دی گئی، شہری گھبرا اٹھے اور حاکم سے کہا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے جنگ موقوف کی جائے، مگر بجہرا (بجے رائے) نے نہ مانا اور جنگ جاری رکھی، شہریوں نے محمد بن قاسم کو اطلاع دی کہ ہم لوگوں کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم لوگ حاکم شہر چندر کے بیٹے بجہرا (بجے رائے) سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اس کے پاس کوئی ایسی فوج بھی نہیں ہے جو آپ کے مقابلہ کو نکل سکے۔

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۵۔ غالباً بہرج کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی، اس لئے محمد بن قاسم آگے روانہ ہوا۔

مسلمانوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بڑی دلیری سے حملہ آور ہوئے، اور شب و روز جنگ جاری رکھی۔ ایک ہی ہفتہ کے بعد غنیم بیدل ہو گیا، اور محصور فوج جنگ سے جان چرانے لگی؛ حاکمِ شہر بجھرا (بجے رائے) نے جب یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ اب زیادہ توقف کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ شمالی دروازہ سے رات کی تاریکی میں قلعہ سے نکل کر بھاگ گیا، دریا پار ہو کر حدود سیوستان کو طے کر کے علاقہ "بودھا" میں پہنچا، ان دنوں یہاں کا حاکم بودھ مذہب کا پیرو کوتل کا لڑکا کاکا تھا جس کا پایۂ تخت "سیسم" دریائے کُبھ کے کنارے واقع تھا، کاکا کو جب معلوم ہوا کہ شاہزادہ یہاں آیا ہے تو تمام معززین کو لے کر استقبال کے لئے نکلا، اور بڑی عزت کے ساتھ قلعہ میں لا کر اس کو اتارا۔[1]

حاکمِ سیوستان کے فرار ہو جانے پر شہریوں نے اطاعت قبول کر لی، اور عرب سپاہ بلا تردد قلعہ پر قابض ہو گئی۔ آرام کے خیال سے چند دن وہاں قیام کیا گیا۔ پھر ملکی انتظام کی طرف توجہ کی گئی، مختلف مقامات میں جدید حکام کا تقرر ہوا، دیہاتوں پر خاص توجہ کی گئی، شہریوں کو امن دینے کے بعد فوجیوں سے جو لوٹ کا مال حاصل ہوا تھا، وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔[1]

محمد بن قاسم ابھی اسی جگہ مقیم تھا کہ "چنہ" کے لوگوں نے ایک جاسوس تفتیشِ حالات کے لئے بھیجا۔ یہ جاسوس کیمپ (لشکرگاہ) میں ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا کہ نماز کا وقت آ گیا، اذان ہوئی اور تمام لشکر نے یکجا ہو کر سپہ سالارِ لشکر محمد بن قاسم کی امامت میں نماز ادا کرنی شروع کر دی، جاسوس نے صف بہ صف یہ منظم مطیعانہ عبادت متفقہ طور پر کرتے ہوئے جو دیکھا تو بے حد متاثر ہوا، اس نے شہر والوں سے ہو بہو کیفیت بیان کر کے مشورہ دیا کہ ایسے لوگ جو اس قدر اتحاد رکھتے ہیں، ان سے جنگ کرنے میں کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ چنہ والوں نے اطاعت قبول

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۲۔

کر لی۔ اور تحف و ہدایا لے کر سردار کے پاس حاضر ہوئے، اور سالانہ مالگذاری ادا کرنے کا یقین دلا کر واپس گئے۔ اسی سبب سے یہاں کی زمین عشری[1] کہلاتی تھی۔ اسی طرح نیرنکوٹ کی زمین بھی اطاعت کے باعث عشری مانی گئی ہے۔[2]

محمد بن قاسم نے سیوستان کا بندوبست کر کے مالِ غنیمت جمع کیا، اور خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقیہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ پانچواں حصہ حجاج کے پاس بھیجا تاکہ خلافت کے خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ایک مفصل خط بھی تحریر کیا جس میں اپنی فتوحات کی تفصیل درج کی تھی۔ اور جدید انتظامات کا حال بھی تحریر تھا۔

سیسم یا سیوی کی فتح

اس نے تھوڑی فوج سیوستان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی۔ اور باقی تمام فوج کو ساتھ لے کر قلعہ سیسم[2] کی راہ لی۔ اس کے حسنِ سلوک سے سندھی دن بدن زیادہ گرویدہ ہوتے جاتے جس سے اس کو اپنی فتوحات میں بڑی مدد ملتی۔

بُدھیا کا حاکم جس کا نام "کاکا" اور لقب رانا تھا، وہ دراصل گنگا کے کنارے مقام اودھ (دیا "آد" ۔ وہار) کا باشندہ تھا، یہ آد جس نسل سے تھا، عرصہ ہوا کہ اس کا خاندان گنگا کنارے سے ہجرت کر کے سندھ کے کنارے آباد ہو گیا تھا۔ اس وقت سے یہ خاندان راجہ سندھ کے ماتحت اس علاقہ پر حاکم ہے۔ کاکا خود بھی بودھ تھا۔ اور رعایا کی کثیر تعداد بھی اسی مذہب کی پیرو تھی، یہ عقلمند، ذی ہوش، حالاتِ زمانہ سے بہت زیادہ واقف تھا۔

محمد بن قاسم جب سیسم کی راہ پر گامزن تھا، تو راستہ میں ایک مقام دریائے کُبھ کے کنارے "بلیان"[3] نامی ملا، وہاں کے لوگوں کو اسلامی لشکر کی آمد جب معلوم ہوئی تو مشورہ کر کے کاکا کے

---

[1] معصومی قلمی [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱ [3] چچ نامہ کے ایک نسخہ میں اس جگہ کا نام "بندھان" لکھا ہے ص ۵۲

[2] سیسم کو سیوی بھی کہتے تھے۔ آج کل اس کو سیبی کہتے ہیں۔ اور بلوچستان کے علاقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

پاس گئے۔ اور کہا کہ ہم لوگ اسلامی لشکر پر شب خون مارنا چاہتے ہیں۔ کاکا نے ان کو بہت شاباشی دی۔ اور ہر طرح سے ہمت دلائی۔ لیکن دور اندیشی سے جو اس نے سمجھا تھا وہ بھی کہہ دیا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ سندھی فتحیاب ہوں، پھر بھی ہر طرح سے ان کی جرأت کی داد دی، اور ایک سردار (بیہ سنگھ) کی ماتحتی میں ایک ہزار جوانوں کا دستہ شب خون مارنے کے لئے منتخب کیا، جو اس عہد کے تمام ہتھیاروں سے آراستہ تھا،

یہ لوگ کاکا سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے، ان کے چار حصے کئے گئے۔ اور یہ طے پایا کہ ہر فریق علٰحدہ علٰحدہ راستہ سے روانہ ہو اور جو پہلے پہنچے وہ بقیہ کا انتظار کرے جب چاروں پہنچ جائیں تو سب مل کر یک بار حملہ کر دیں۔

یہ چاروں دستے اپنی اپنی راہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر یہ لوگ راستہ بھول گئے اور صبح تک پریشان اور حیران پھرتے رہے، اور صبح جب ہوئی تو وہ قلعہ سیسم کے نیچے اپنے کو کھڑا پایا، غرض دن کو جب کاکا کے پاس پہنچے، اور شب کی رام کہانی سنائی تو وہ اس سے بڑا متاثر ہوا اور سمجھا کہ قسمت میں مفتوح ہونا لکھا ہے۔[1]

کاکا نے اپنے تمام ماتحت سرداروں اور دوستوں کو ساتھ لیا، اور اسلامی لشکر کی طرف چل پڑا۔

ادھر سپہ سالار نے بھی "بنانہ بن حنظلہ" نامی ایک شخص کو دریافت حالات کے لئے روانہ کیا، جب یہ قلعہ سیسم کے قریب پہنچا تو کاکا ملا، بنانہ نے کاکا کی زبانی تمام حالات معلوم کر کے اس کو ساتھ لے لیا۔ اور سپہ سالار کے سامنے حاضر کیا، کاکا نے محمد بن قاسم کو اپنی اطاعت اور فرماں برداری کا یقین دلایا، اس نے بھی اس کی بڑی عزت کی جس سے دونوں میں

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۳۔

دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ اور آیندہ فتوحات میں اس کے مشورہ سے بڑی مدد ملی۔

کاکا کی عزت افزائی

کاکا کے اس خلوص کو معلوم کر کے سردار عرب نے دریافت کیا کہ تمہارے ملک میں جب کسی کی عزت کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اور کس طرح اس کو سرفراز کرتے ہیں؟ کاکا نے کہا کہ سر دربار اس کو کرسی دی جاتی ہے، اور ریشمی لباس پہنا کے اس کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں، ہمارے بودھی جاٹ باپ دادوں سے یہی رسم چلی آ رہی ہے۔

سردار عرب نے فوراً اس کو کرسی نشین بنایا اور پھر خلعت سے سرفراز کیا، اس واقعہ سے اس کے ساتھی بہت مسرور ہوئے، اور ہر شخص کے دل میں وفاداری کا جذبہ پیدا ہو گیا، اور جو لوگ کہ ابھی متردد تھے، کاکا نے ان کو بھی راہ پر لگا دیا، محمد بن قاسم نے عبد الملک بن قیس الدامانی کو ریزیڈنٹ (وکیل مختار) بنا کر کاکا کے ساتھ کر دیا، تاکہ انتظام مملکت میں آسانی ہو اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط روی نہ پیدا ہو۔[2]

کاکا نے اس جدید اسلامی طاقت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جس قدر دولت مند اور طاقتور دشمن اس کے تھے سب کو لوٹ لیا، اور ایک ایک کو پامال کر کے اپنا راستہ صاف کر لیا، لوٹ کا مال اس کثرت سے حاصل ہوا کہ سونا، چاندی اور کپڑے اور غلام کے علاوہ مویشی بے شمار تھے، چنانچہ اسلامی لشکر میں غلہ اور چارہ ضرورت سے زیادہ موجود تھا۔[3]

محمد بن قاسم اس علاقہ (بدھیا) کا انتظام کاکا کے سپرد کر کے کوچ کر گیا، اور قلعہ سیسم

---

[3] چچ نامہ قلمی ص ۵۲۔ بعض نسخوں میں کاہ (چارہ) کے بجائے گائے گوشت لکھا ہے، جو میرے خیال میں کاتب کی تحریف (تصحیف) ہے، کیونکہ یہ کسی طرح عقل قبول نہیں کرتی کہ بدھ لوگوں کے جذبات کے خلاف محمد بن قاسم نے اس کو جائز رکھا ہو [2] یہ بات قابل غور ہے کہ کاکا جس نے بچے رانی کو اس عزت سے قلعہ میں رکھا یکایک وہ اس کے دشمنوں (عرب) سے کیونکر مل گیا، اس کے دو سبب ہیں، (بقیہ صفحہ ۵۶ پر)

پر حملہ آور ہوا، جہاں بجرا (بجے رائے) نے پناہ لی تھی، مسلمانوں کو جنگ کرتے صرف دو ہی دن ہوئے تھے کہ غنیم بھاگ نکلا، اور بجرا (بجے رائے) مع اپنے سرداروں کے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آیا، بقیہ فوج نے بھتیلور (بھلت لور) کی راہ لی، جو سالوج اور قندابیل کے درمیان تھا، ان لوگوں نے وہاں سے ایک عرضی محمد بن قاسم کے پاس بھیجی، جس میں معافی کی خواستگاری اور اطاعت کا اقرار تھا، یہ لوگ راجہ داہر کے وفادار نہ تھے، کیوں کہ ان کے بعض آدمیوں کو اس نے قتل کر دیا تھا، اس لئے گو مسلمانوں سے انھوں نے شکست کھائی مگر راجہ داہر کے پاس جانا قبول نہ کیا، غرض سپہ سالار نے ان کو امان دی، ان لوگوں نے ایک ہزار درہم سالانہ خراج دینا قبول کر لیا، اور اپنے کفیل (ضامن) سیوستان بھیجے، کیونکہ سیوستان پر مسلمانوں کا بلا توسط غیرے قبضہ تھا۔ اور لشکر گاہ اسلامی کے مرکز سے قریب تھا، فتح سیسم کے بعد وہاں کے لوگوں پر خراج مقرر کر دیا، اور اطمینان کے لئے ان کو عہد نامہ لکھ دیا گیا، حمید بن وداع اور عبد القیس جارودی کو ان پر حاکم مقرر کر دیا[1]۔

محمد بن قاسم کی واپسی

محمد بن قاسم آگے بڑھنے ہی کو تھا کہ حجاج کا خط آیا، کہ اب نیرون واپس آجاؤ اور دریا کو عبور کر کے راجہ داہر کی طرف قدم بڑھاؤ، اور خود راجہ داہر سے مقابلہ کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) اوّل تو مذہبی اختلاف۔ کاکا بودھ کا مقلد تھا، اور وہ برہمن۔ (۲) یہ کہ کاکا نے ابتدا میں یہ سمجھ کر آؤ بھگت کی ہوگی کہ یہ شاہزادہ ہے۔ دو چار روز رہ کر پایۂ تخت چلا جائے گا، لیکن امید کے خلاف اس نے قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور جنگی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ اور غالباً محکوم قوم سمجھ کر توہین آمیز طریقہ پر کاکا سے پیش آیا ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے، انہی وجوہات کی بنا پر کاکا عربوں سے مل گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بہر حال اس کو کسی نہ کسی کا محکوم ہو کر رہنا ہے، اور اس وقت سپہ سالار محمد بن قاسم کا برتاؤ محکوموں کے ساتھ جس قدر فیاضانہ تھا اس کو سن کر وہ اور زیادہ مائل ہو گیا ہوگا۔ [1] چچ نامہ ص ۵۲

نصیحت کے طور پر یہ بھی لکھا تھا کہ

"بھروسہ ہمیشہ خدا پر رکھو، اور اسی کی طرف سے مدد کے امیدوار رہو، جن شہروں اور قلعوں پر قبضہ کرو، اس کو خوب مضبوط کر لو، اور پختہ انتظام کر کے آگے بڑھو۔ تاکہ دشمنوں کو پیچھے سے ستانے کا موقع نہ ملے:

سپہ سالارِ اسلام نیرون واپس آگیا، اور ایک پہاڑی پر جس کے آس پاس سرسبز زمین تھی، اور پانی وافر تھا مقیم ہوا۔ اور اطراف کے اضلاع پر ایک ایک دو دو دستے بھیج کر مطیع بنانے اور انتظام کرنے میں مشغول ہوگیا، اور مندرجۂ ذیل خط حجاج کو بھیجا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بندہ محمد بن قاسم کی طرف سے بعد سلام علیک کے معروض خدمت ہے کہ بحمد اللہ ہم تمام مسلمان اعلیٰ و ادنیٰ مع الخیر ہیں۔ ہر بات بہترین طریقہ سے انجام پا رہی ہے اور سب لوگ بہت خوش ہیں،

رائے عالی پر واضح ہو کہ صحراؤں اور پر خطر منازل طے کر کے اور دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد وہ حصہ ملک جو مقام بُدھیا کے گرد ہے، اور قلعہ بغرور کے سامنے لب دریائے سندھ واقع ہے، سب پر قبضہ کر لیا گیا ہے[1]۔

قلعہ نیرون جو راجہ داہر کے پایۂ تخت الور۔ کے ماتحت تھا معمولی مقابلہ کے بعد وہ بھی قبضہ میں آگیا ہے، چونکہ دار الخلافہ سے واپسی کا حکم صادر ہوگیا اس لئے اس جانب آگے پیشقدمی روک کر قلعہ نیرون میں واپس آگیا ہوں، مجھے امید ہے کہ خدا کی مدد، امیر المومنین کی مہربانی، اور جناب کی ذاتِ والا صفات کی توجہ سے مضبوط سے مضبوط قلعے بھی فتح ہو جائیں گے، اور ہمارے خزانہ کو جو بار اٹھانا پڑا ہے۔ اس کا بہت جلد معاوضہ ہو جائے گا، سیسم اور سیوستان کے قلعوں

[1] چچ نامہ۔

پر بھی ہمارا قبضہ ہے، اور داہر کا بھتیجا میدان جنگ میں مارا گیا۔

ہر ضروری مقام پر مسجدیں بنا دی گئیں جہاں اذان اور خطبے وقت پر ہوتے ہیں دریائے سندھ کے مشرقی جانب ایک قلعہ جزیرہ میں ہے۔ یہاں کے ٹھاکر (یا راجہ) کو راسل کہتے ہیں ہند اور سندھ کے اکثر راجہ اس کی بات مانتے ہیں۔ اگر یہ ہمارے ساتھ مل جائے تو دریا پار اترنے میں بڑی آسانی ہوگی۔[1]

محمد بن قاسم نیرون سے چل کر ایک منزل پر خیمہ زن تھا، کہ راجہ راسل اور قوم بھٹو کے لوگ آئے، اور امان کے خواستگار ہوئے۔ اس نے حجاج کے احکام کے مطابق شرائط پیش کر کے ایک عہد نامہ کے ذریعہ صلح کرنے کی ترغیب دی۔ یہ لوگ وہاں سے اپنے حاکموں کے پاس واپس گئے۔

فتح قلعہ اشبہار

محرم ۹۳ھ میں محمد بن قاسم آگے بڑھا اور قلعہ اشبہار پہنچا۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا یہاں کے لوگوں نے اس کو کافی مضبوط کر کے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس کے چاروں طرف خندق کھود دی، مغربی جانب جو گاؤں تھے۔ ان لوگوں کو قلعہ کے اندر لے لیا۔

سپہ سالار عرب نے یہ دیکھ کر جنگ شروع کر دی۔ اور ایک ہفتہ تک محاصرہ کئے رہا۔ اس عرصہ میں کئی بار دونوں جنگ آزما ہوئے۔ اس سے غنیم نے اندازہ لگایا کہ عرب فوج زیادہ طاقتور ہے، اس لئے ان لوگوں نے امان طلب کی، سپہ سالار نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ سالانہ ٹیکس اور حاکم مقرر کر دیا، اور قلعہ کی چابی ایک معتمد کے سپرد کر دی۔ اور خود کچھ دن یہاں آرام لیا۔

محمد بن قاسم یہاں سے چل کر دریائے سندھ کے مغربی کنارے آیا، اور اپنے خط کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے راجہ راسل کو لکھا تھا کہ ولایت (صوبہ) کچھ اور جورت (سورت) یہ دونوں

۱۔ چچ نامہ ص ۵۵۔

تم کو دے جاتے ہیں۔ اور اس پر تمہاری حکومت تسلیم کی جاتی ہے۔ غالباً اس کا کچھ جواب نہ آیا تو موکہ بن بسایہ کو یہی شرط پیش کی، جو سورتہ کا حاکم تھا۔ اس دوران میں "جاہین" جاکم بیٹ سے جنگ ہوتی رہی[1] جو غالباً موکہ کے مل جانے پر ختم ہوگئی۔

راجہ موکہ کا جواب چند دنوں کے بعد اس کا جواب آیا کہ

"آپنے جو میرے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ۔ مجھے آپ کی اطاعت میں کوئی عذر نہیں ہے، بلکہ میں اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہوں، لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بادشاہ جو اپنے خادموں کو کوئی ملک بخیالِ حفاظت سپرد کرتا ہے تو وہ بغیر کسی ایسی وجہ کے کہ جس سے جان اور عزت خطرہ میں ہو اس سے غداری اور بیوفائی کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے، میرا ملک بلکہ داہر کی تمام سلطنت میرا دلی اور باپ دادوں کا ورثہ ہے۔ داہر سے میری رشتہ داری بھی ہے۔ جو بلندی اس کو حاصل ہوگی۔ اس میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ اس لئے اس کے ہر رنج و راحت میں شریک رہنا میرا فرض ہے۔ لیکن عقل اور فلسفیانہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ملک ہمارے قبضہ سے نکل کر کسی دوسرے کے قبضہ میں جانے ہی والا ہے۔ اور عقلمند وہ ہے جو موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے تاکہ آنے والی مصیبت سے محفوظ رہے۔

چونکہ آپنے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا، اور میرے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آئے۔ اس لئے میرا بھی فرض ہے کہ آپ کا ساتھ دوں۔ لیکن اگر بغیر جنگ کے آپ کا ساتھ دوں تو میرا خاندان بدنام اور میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ اس لئے تدبیر یہ ہے کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کے بہانے سے سفر کرنا چاہتا ہوں آپ ایک ہزار سپاہی بھیج کر مجھے گرفتار کر لیجئے[2]۔"

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۸ [2] ص ۵۰ – [3] تحفۃ الکرام جلد ۳ میں ہے کہ داہر اور موکہ دونوں بھائی تھے مگر آپس میں بنتی نہ تھی، غالباً اسی اختلاف سے محمد بن قاسم نے فائدہ اٹھایا۔

یہ خط لکھ کر محمد بن قاسم کے پاس روانہ کردیا۔ اور خود اپنی سلطنت کے بڑے بڑے ٹھاکرون کو لے کر ساکرہ چل پڑا، موکہ کا خط پاکر محمد بن قاسم خود تو اپنی جگہ پر مقیم رہا۔ لیکن بنانہ بن حنظلہ کو اسی کے قبیلہ سے ایک دستہ فوج پر افسر بنا کر مع ایک ترجمان کے مقام ساکرہ کی طرف بھیجدیا،

بنانہ نے وہان پہنچ کر اچانک ان کو گھیر لیا۔ موکا مع اپنے خاندان کے گرفتار ہوگیا۔ گرفتار ہونے والون مین بیس ٹھاکر (سردار) بھی تھے۔

راجہ موکا کی عزت افزائی

جب یہ لوگ محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ تو وہ بہت متاثر ہوا، اس نے فوراً موکا کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ اور ایک لاکھ درہم بطور انعام کے عنایت کیا، اور خلعت دے کر سرفراز کیا، پھر اس کو ایک سبز چھتر جس کی چوٹی پر مور بنا ہوا تھا، مرحمت کیا اس کے خاندانی ٹھاکرون کو بھی خلعت اور گھوڑے عطا کئے۔ علاقہ "بیٹ" کی حکومت موکا کے سپرد کی گئی، اور مزید عنایت کا اظہار کرنے کے لئے ایک عہد نامہ تحریر کردیا کہ اس ضلع کی حکومت موکا اور اس کے خاندان مین نسلاً بعد نسل قائم رہے گی۔

سندھ مین مسلمانون کی طرف سے یہ پہلی تاج بخشی تھی، جس کے باعث موکا دل سے مسلمانون کا وفادار ہوگیا، اور نہایت عاجزانہ لہجہ مین اس نے وفاداری کا اقرار کیا پھر وہ رخصت کردیا گیا۔[1]

ان انتظامات کے بعد وہ دریاے سندھ پار اترنے کی فکر مین تھا۔ کہ داہر کو ان حالات کی اطلاع ہوئی، نہایت برہم ہوا۔ اور سب سے زیادہ غصہ اس کو اس پر آیا کہ اس کے مقرر کردہ حاکم اس سے باغی ہوکر محمد بن قاسم کے مطیع اور وفادار بن رہے ہین۔ غرض اس نے ایک جرار فوج عربون کے مقابلہ کے لئے

[1] موکا بن بسایہ کچھ کے راجہ راسل کا بھائی تھا، اور آپس مین دونون کی بنتی نہ تھی، محمد بن قاسم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ بھائی کا تخت اس کو دے کر اپنا طرف دار بنالیا۔ (تحفۃ الکرام و چچ نامہ ص ۶۸)

روانہ کی، جو دریا پار ہوکر عربی فوج کے بالمقابل خیمہ زن ہوگئی۔

مسلمان بھی مقابلہ کے لئے فوراً تیار ہوگئے، اور ایسے دلیرانہ حملے کئے اور اس استقلال سے میدان جنگ مین جم کر لڑے کہ داہر کی فوج مقابلہ سے عاجز آگئی۔ اور شکست فاش اٹھا کر بھاگ نکلی۔[1]

عربون کا وفد راجہ داہر کے پاس

اس موقع پر سپہ سالار عرب نے مناسب سمجھا کہ ایک وفد راجہ داہر کے پاس روانہ کرے۔ چنانچہ شام کے ایک معزز شخص کو مع ایک سندھی نومسلم کے جن کا نام مولانا اسلامی تھا، راجہ داہر کے دربار مین بھیجا، جب یہ سفارت پہنچی تو برخلاف رسم و رواج ان لوگون نے دربار مین پہنچ کر نہ تو سجدہ کیا اور نہ سر جھکایا۔

غرض عام تعظیم جو رائج تھی، اس کی عدم ادائیگی سے راجہ داہر بہت برہم ہوا خصوصاً مولانا اسلامی سے جو دیبل کے ایک معزز ہندو خاندان سے تھے، اور راجہ داہر ان کو بخوبی جانتا تھا، داہر نے ان سے مخاطب ہوکر دریافت کیا کہ

"تم آداب شاہی کیون نہ بجالائے۔ کیا اس کی تم کو ممانعت کردی گئی ہے؟"

مولانا نے جواب دیا کہ

"جب تک مین ہندو تھا اور آپ کی رعایا تھا، شاہی آداب بجالانا میرا فرض تھا لیکن اب کہ مین مسلمان ہوگیا ہون، اور خلیفہ کی رعایا مین سے ہون۔ سوائے خدا کے کسی انسان کے آگے سر جھکانا جائز نہیں ہے۔"

اس وقت راجہ داہر گو اس جواب سے بہت متاثر ہوا، مگر انتہائی مایوسی سے اس نے کہا کہ

"افسوس تم سفیر بن کر آئے ہو، ورنہ قتل کے سوا اور کوئی دوسری سزا تمہاری نہ تھی۔"

مولانا نے فرمایا کہ

[1] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ لیدن۔

"میرے جیسے ایک آدمی کے قتل سے عربوں کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ میرے خون کا معاوضہ مسلمان اس طرح لیں گے کہ آپ کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔"[1]

اس کے بعد سفارت کی اصل کارروائی شروع ہوئی، اور سالارِ فوج کا پیغام سنایا گیا، راجہ داہر نے اپنے وزیر "سی ساکر" سے اس بارہ میں مشورہ لیا، اس نے کہا کہ عربوں کا اس پار آنا ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگا، پھر باغی عرب یعنی خاندانِ علافی کے سردار جو اس وقت راجہ داہر کے پاس پناہ گزین تھے۔ اس مشورہ میں شریک کئے گئے، علافی نے اس کے مخالف رائے دی، آخر وفد سے کہہ دیا کہ "تمہاری کوئی شرط منظور نہیں ہے، اور تلوار ہی اس کا فیصلہ کرے گی، ادھر دریا پار اترنے میں تم کو اختیار ہے۔"

اراکین وفد اس انکاری جواب کو لے کر واپس آ گئے، داہر نے اسی وقت سے فوجی تیاری شروع کر دی، اور جلد ہی وہ دریائے سندھ کے قریب آ کر خیمہ زن ہو گیا۔[2]

اسلامی فوج کا سردار آگے بڑھنے کا خیال کر ہی رہا تھا کہ حجاج کا خط مع دو ہزار سوار کے پہنچا جس میں دریا کو عبور کرنے کا حکم تھا۔

محمد بن قاسم نے ایک خط حجاج کو لکھا تھا جس میں دریا عبور کرنے کی اجازت مانگی، وہ اسی جگہ تھا کہ حجاج کی اجازت آ گئی، بس ایک معزز شخص کو سدوسان کا حاکم بنا کے دریا عبور کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہو گیا، اور موکا کو کشتیاں فراہم کرنے کا حکم دیا، اسی درمیان حجاج کا دوسرا خط پہنچا جس میں اس نے دریائے سندھ کا ایسا نقشہ طلب کیا، جس میں طول و عرض، نشیب و فراز

[1] چچ نامہ ص ۷۰ [2] میرا خیال ہے کہ راجہ اس وقت برہمن آباد میں تھا، کیونکہ راجہ برسات اروڑ میں، سردی برہمن آباد میں، اور گرمی راوڑ میں گذارا کرتا تھا، محمد بن قاسم جب نیرون میں تھا تو موسم گرما تھا، سیوستان موسم برسات میں فتح کیا، اور جب نیرون واپس آیا تو موسم سرما تھا، کیونکہ نیرون اور سیسم میں چند ماہ گذار چکا تھا۔

بارہ میل تک ہو۔

ادھر داہر لشکر لے کر عربی لشکر کے مقابل اترا، دریائے سندھ کے اُس پار مشرقی جانب جو جیور کے سامنے تھا، ہاتھی پر سوار ہو کر ساحل پر آیا، اس وقت ایک شامی تیر انداز گھوڑے پر سوار دریا کنارے آیا ہوا تھا، گھوڑا پانی دیکھ کر بھڑکا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر داہر نے تیر کمان سے جوڑ کر اس طرح نشانہ لگایا کہ شامی کا خاتمہ ہو گیا۔

پھر داہر نے ملک جاہین کو حکم دیا کہ دریا کی حفاظت کرو اور یہ کہ خبردار دشمن کسی طرح پار نہ اترنے پائے، اسی اثناء میں سیوستان میں بغاوت ہو گئی، چندرام (چندر رام) نے جو سیوستان کا پہلے حاکم تھا، موقع دیکھ کر وہاں کے عرب حکام کو نکال دیا، اور خود قلعہ پر قابض ہو گیا،

محمد بن قاسم کو جب یہ معلوم ہوا تو محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن کی سرداری میں ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ سیوستان روانہ کیا، ابن مصعب نے دشمنوں کو مار کر قلعہ واپس لے لیا، اور محمد بن قاسم کے حکم کے مطابق قلعہ قابلِ اعتماد آدمی کے سپرد کر دیا، پھر نئی بھرتی کر کے چار ہزار جاٹ سپاہیوں کے ساتھ محمد بن قاسم سے آملا۔

داہر کا لڑکا جے سنگھ قلعہ بیٹ کی حفاظت کے لئے دریائے گونگ کے راستہ کنارے پہنچا تھا عرب بھی جھم اور کوپیل کے برابر اتر پڑے۔ اور پچاس روز تک ان کا یہاں قیام رہا جس سے عرب لشکر میں قحط پڑ گیا، جانوروں میں بیماری پھیل گئی، سپاہی ان کو کھانے لگے،

یہ خبر جب داہر کو ہوئی تو بہت خوش ہوا، اور محمد بن قاسم کو ایک سفیر کے ذریعہ کہا کہ تم نے میرے ساتھ لڑنے کا نتیجہ دیکھ لیا، اب بھی اگر واپس چلے جاؤ تو غلہ اور چارہ بھیج دیں گے، محمد ابن قاسم نے جواب دیا کہ تم اطاعت قبول کر کے دو سال کا خراج ادا کر دو تو ہم صلح کے لئے تیار ہیں۔

[1] بلاذری ص ۴۳۰۔

غرض جب اس قحط کی حجاج بن یوسف ثقفی کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً دو ہزار گھوڑے بھیج دئے، پھر اس ملک کی آب و ہوا کے باعث عربوں کو سرکہ کی ضرورت محسوس ہوئی، حجاج کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے روئی کو سرکہ میں تر کرکے سایہ میں خشک کرا لیا، اور اونٹوں پر لاد کر محمد بن قاسم کے پاس بھیجدیا، اور لکھا کہ جب ضرورت محسوس کرو تو اس روئی کو پانی میں ڈال کر سرکہ حاصل کرلو، پھر سخت تاکید کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو، دریا عبور کرکے دشمنوں پر فتح حاصل کرو، اور اس تنگ مقام پر سے جس کو بیٹ کہتے ہیں، جہاں جزیرہ ہے اور دریا کا پاٹ کم ہوگیا ہے، دریا کو عبور کرو، چنانچہ محمد بن قاسم آگے بڑھ کر (جنوب جانب موجودہ ضلع ٹھٹھہ میں) ساکرہ (ضلع جھم) کی طرف آیا، اور کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا،

داہر کو وزیر کا مشورہ

ادھر راجہ کا یہ حال تھا کہ دن عید، رات شب برات تھی، سیر و شکار میں سارا وقت صرف کرتا تھا، یہ دیکھ کر بھنڈیر بودھی وزیر نے عرض کیا کہ دشمن سر پر آگیا ہے اور مہاراج عیش و عشرت میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا کہ پھر تمھیں بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ وزیر نے کہا کہ تین باتیں ہیں، اول یہ کہ آپ اپنے اہل و عیال کو ہندوستان بھیجدیں۔ اور دل کھول کر لڑیں۔ ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ تمام قابلِ اعتماد لشکر لے کر ریگستانی علاقہ کی طرف نکل جائیں، اور وہاں کے لوگوں کو ساتھ ملا کر لڑائی کیجئے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ حسوم کے راجہ کے پاس آپ چلے جائیں، وہ آپ کا قدردان ہے، اس سے مدد لے کر دشمن کو ملک سے نکال دیجئے! راجہ نے کہا کہ مجھے کسی سے مدد مانگتے شرم اور غیرت معلوم ہوتی ہے، وزیر نے پوچھا: تو پھر مہاراج کا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا کہ میں تو دشمنوں سے خالی کراؤں گا یا جان دے دوں گا، وزیر نے کہا کہ بیشک میرا بھی یہی خیال ہے۔

[1] چچ نامہ قلمی ص ۶۷

جب راجہ داہر کو موکا کی غداری معلوم ہوئی تو اپنے لڑکے جے سنگھ کو دریا کے اس پار قلعہ بیٹ پر بھیجا، جو محمد بن قاسم کی طرف سے موکا کو دے دیا گیا تھا، راجہ راسل جو موکا بن بسایا کا بھائی تھا، اس نے عرض کیا کہ یہ خدمت مجھے سپرد کی جائے، راجہ نے موکا کے بھائی کو وہ علاقہ سپرد کیا، اور اس کو حکم دیا کہ کسی طرح عربی فوج دریا پار نہ ہونے پائے۔ اس نے کہا کہ بھائی کی غداری کا بدلہ ادا کروں گا۔ اور دشمنوں کو بھی ناکام رکھوں گا، پس جے سنگھ وہاں سے واپس بلا لیا گیا۔[1]

احتیاطی تدابیر

محمد بن قاسم اگرچہ دریا عبور کرنے کی فکر میں ہمہ تن مشغول تھا، لیکن اس سے قبل اس نے مناسب سمجھا کہ احتیاطی تدابیر بھی مکمل کرلے تاکہ نہ تو دشمنوں کا (یا باغیوں کا) پیچھے سے حملہ ہوسکے، اور نہ آگے سے راجہ داہر روک سکے۔ اور سامانِ رسد کے مہیا ہونے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

چنانچہ سلیمان بن بنہان قریشی کو چھ سو سواروں کے ساتھ قلعہ راور بغرور کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا، تاکہ راجہ داہر کا لڑکا گوپی اس سے آکر نہ مل جائے، اس کے بعد عطیہ طغلی کو پانچ سو جمعیت کے ساتھ اس راستہ کی حفاظت کے لئے بھیجا، جس طرف سے ہندو سردار آکھم مقام گندادا[2] (ذکری داہ) پر راستہ روکنے کے لئے آرہا تھا، پھر نیرون کے بودھی سردار (حاکم) کو یہ فرمان بھیجا کہ سامانِ رسد کے لئے یہاں کی سڑک ٹھیک رکھو،

اس کے علاوہ ذکوان بن علوان بکری پندرہ سو سپاہیوں کو لے کر آیا۔ اسی درمیان میں موکا بھیم کے ٹھاکروں اور جھم کے جاٹوں کو لے کر حاضر ہوا۔ اور ساکرہ کے سرداروں کو جزیرہ بیٹ کی طرف روانہ کیا، تاکہ وہاں کی حفاظت کریں، تاکہ بیٹ جو اس پار واقع ہے، غنیم نہ اس طرف جاسکے نہ آسکے،

[1] چچ نامہ ص ۶۷ - [2] چچ نامہ کے ایک دوسرے نسخہ میں "کندراہ" لکھا ہے۔ ساکرہ جہاں محمد بن قاسم مقیم تھا وہاں سے کچھ دور ایک ندی "کری داہ" ہے، میرا خیال ہے کہ اسی لفظ کی تصحیف ہوگئی ہے، کیونکہ اسی مقام سے دشمن پار اتر کر مزاحم ہوسکتا تھا۔

ان باتوں سے فارغ ہونے کے بعد سردارِ فوج نے مصعب بن عبدالرحمٰن کو طلیعہ کا افسر بنایا، اور بنانہ بن حنظلہ کو ایک ہزار کا سوار مقرر کرکے قلب میں قیام کرنے کا حکم دیا،

جب محمد بن قاسم ثقفی ان باتوں سے فارغ ہوگیا، تو دریا پار اترنے کا بندوبست کرنے لگا پہلے تو دریا کے پایاب جگہ کی تلاش کرائی۔ مگر کامیاب نہ ہوا، تو کشتیوں کا پل بنانا چاہا، جن کو موکا نے فراہم کرایا تھا، لیکن راجہ راسل جو اس طرف راجہ داہر کے حکم سے موجود تھا، اس میں سخت مزاحم ہوا۔

مجبوراً سردار فوج نے ایک جدید تدبیر پل بنانے کی اختیار کی، اس نے دریا کے پاٹ کا اندازہ لگا کر اسی مغربی طرف دریا کے کنارے کنارے کشتیاں طول میں کھڑی کرادیں، پھر ایک دوسرے کو بڑی مضبوطی سے باندھ دیں۔

کشتیوں کا پل رات کا کچھ حصہ گذرنے پر کشتیوں کو دریا کے عرض کی طرف بڑھانا شروع کیا، اور جب دریا کے بہاؤ پر پہنچیں تو تیزی کے ساتھ اس پار جالگیں، کشتیوں پر تیر انداز سپاہی موجود تھے، راجہ راسل کے سپاہیوں نے کچھ مزاحمت کرنی بھی چاہی تو تیر اندازوں نے ان کا منہ پھیر دیا، جیسے ہی کہ پل تیار ہوا، فوراً فوج نے عبور کرنا شروع کر دیا، اور زمین پر قدم رکھتے ہی راسل کی فوج پر اس قدر پرزور حملہ کیا، کہ تھوڑی ہی دیر میں غنیم بھاگ نکلا، اور اسلامی فوج اس کا تعاقب کرتے ہوئے جیم کے بھاٹکوں پر پہنچ گئی۔

صبح کے وقت جب راجہ داہر کی آنکھ کھلی تو اس کے ایک معتمد نے اس کو یہ خبر سنائی کہ مسلمان دریا پار آگئے اور راسل کو شکست ہوئی۔ راجہ اس بدشگونی سے اس قدر برہم ہوا کہ اس کو فوراً مار ڈالا، اس ظلم سے اس کے امرا راجہ سے بدگمان ہوگئے۔

عربی فوج دریا پار عربی فوج دریا کے ساحل سے ہٹ کر "بیٹ" میں مقیم ہوئی، مناسب مقام پر فوجیں متعین کی گئیں، اسلامی لشکر کے گرد خندق کھودی گئی، تاکہ اچانک حملہ سے محفوظ رہے اور

تمام سامان رسد و آلاتِ جنگ کی مکمل حفاظت ہو سکے، سردارِ فوج اس مقام کو مرکز قرار دے کر آگے بڑھا، اور تھوڑی سی فوج یہاں حفاظت کے لئے چھوڑ گیا،

راجہ داہر کو جب یہ معلوم ہوا تو محمد علافی کو کہا کہ تمہارے ساتھ احسان میں نے اسی دن کے لئے کیا تھا، اب تم فوج لے کر جاؤ۔ اور عربوں کا مقابلہ کرو، محمد علافی نے کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑکر میں اپنی عاقبت خراب کرنی نہیں چاہتا، اس کے علاوہ جو کام مجھ سے لینا چاہو لو، راجہ نے کہا کہ اچھا تم میرے ساتھ رہو اور مشورہ دیتے رہو،

راجکمار کی شکست اب تمام فوج شہر راور کی طرف کوچ کرنے لگی یہاں تک کہ مقام رجپور پر پہنچی، ان دونوں کے درمیان ایک جھیل تھی، جس کا نام "کچھری" (کینجھر) تھا، اس کے کنارے ایک منتخب فوج راجہ نے مقرر کر رکھی تھی، راجہ داہر نے اس کی کمک کے لئے ایک شاہزادہ کو بھیجا[1] جھیل کے کنارے دونوں فوجیں ملیں، محمد بن قاسم خود ضروری امور انجام کے لئے پیچھے رہ گیا تھا، اور فوج کی کمان عبداللہ بن علی ثقفی کے ہاتھ میں تھی[2]،

عربوں کے حملوں کی تاب سندھی فوج نہ لا سکی، اور بھاگ نکلی، اس بھاگ دوڑ میں سندھی شاہزادہ کی لگام اتفاقاً ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور گھوڑا کچھ اس قدر بدحواس ہو کر بھاگا کہ شاہزادہ سنبھل نہ سکا، اور زمین پر آرہا، عربوں نے فوراً اس کو مار ڈالا، لشکر نے جو شاہزادے کی زین خالی دیکھی تو موت یقین کرکے راہ فرار کی لی،

---

[1] تاریخ معصومی ۔ لیکن چچ نامہ میں اس سردار کا نام فخر بن ثابت قیسی ہے جو دو ہزار سوار لے کر گیا، اور محمد بن زیاد عبدی ایک ہزار سوار لے کر غابناود کے لئے روانہ کیا۔ [2] چچ نامہ میں اس کا نام جے سنگھ پسر داہر ہے جو شکست کھا کر داہر کے پاس واپس گیا۔ وہ ہاتھی پر سوار تھا، فیلبان کی ہوشیاری سے میدانِ جنگ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا، راجہ اپنے لڑکے کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

عبداللہ ثقفی یہ کارِ نمایاں کر کے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے، سردارِ فوج نے اس مژدۂ فتح کو حجاج تک پہنچایا۔

راجہ راسل عربی لشکر میں

اس شکست سے راجہ داہر کے امرا مین مایوسی پھیل گئی، اور ہر شخص اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگا۔ اس مین سب سے پہلے راجہ راسل نے پیشقدمی کی، اس نے دیکھا کہ مقام بیٹ جہان کا وہ حاکم بنایا گیا تھا، اس پر نہ صرف یہ کہ اسلامی فوج کا قبضہ ہے، بلکہ فوجون کا مرکز بن گیا ہے، پھر اس شکست سے رہی سہی امید بھی بیٹ پر قبضہ حاصل کرنے کی جاتی رہی، اس لئے اس نے محمد بن قاسم کے پاس خط بھیجا کہ

"مین بھی ننگ و عار سے ڈرتا ہون ورنہ حاضر ہو جاتا، مین تھوڑی فوج لے کر راجہ سے لڑنے کے بہانہ فلان راستہ سے جاؤن گا۔ آپ فوج بھیجکر مجھے گرفتار کرلین"۔

چنانچہ قلعہ بیٹ پر اپنے باپ کو اپنی جگہ رکھ کر خود قلعہ سے نکلا، وہ نیرن کی ندی کے کنارے تھا کہ عربون کے پانچ سو سوارون نے گرفتار کر لیا، محمد بن قاسم کے سامنے آیا تو شرمندہ ہوا۔ اور دریا سے پار اترتے وقت جو اس نے مدافعت کی تھی۔ اس کی معذرت کی، اور آیندہ وفاداری کا اقرار کیا، سردارِ فوج نے بھی اس کی کافی عزت کی،

بیٹ کا علاقہ جس کا یہ حاکم تھا، محمد بن قاسم نے موکا کو دے دیا تھا، اس کے متعلق راسل نے کہا کہ اگر مین اس کو نہ دون تو وعدہ خلافی ہوگی، اور پھر آیندہ میرے وعدہ پر کون بھروسہ کرے گا، راسل بھی اس قومی ذلیل کو تسلیم کر کے موکا کے ساتھ مل کر عربی فوج کی خدمت بجالانے مین مصروف ہوگیا، لیکن راسل کچھ عرصہ کے بعد مرگیا، اور موکا بلا شرکت جزیرہ بیٹ پر قابض ہوگیا۔

اب موکہ اور راسل دونون نے یہ مشورہ دیا کہ فوج کو پیش قدمی کرنی چاہیے، چنانچہ فوج نے فوراً کوچ کر دیا۔ اور نرانی (یا نارائن) نام ایک گاؤن مین مقیم ہوا، راے داہر اس وقت کنجی جاٹ

مین تھا، اور ان دونون کے درمیان صرف جھیل حائل تھی، جو بہت بڑی تھی، اور اس سے پار اترنا ایک کارِ اہم نظر آتا تھا، راجہ راسل نے اس عقدہ کو حل کر دیا، اس نے سپہ سالار سے کہا کہ اس جھیل سے پار اترنے کی سخت ضرورت ہے، اور اگر اجازت ہو تو مین اس کا انتظام کردون، سپہ سالار نے بھی دیکھا کہ چکر کاٹ کر جانے مین بہت دشواری پیش آئے گی، اس لئے اس کو اجازت دیدی،

راسل نے ایک کشتی بہم پہنچائی، جس پر صرف تین آدمی سوار ہو سکتے تھے، چنانچہ اس نے پہلے تین آدمی کو اس وقت پار اتار کر سخت تاکید کر دی کہ خاموش بیٹھے رہین۔ اس کے بعد اسی طرح تین تین کر کے ساری فوج اتر گئی، اور ایسے مقام پر مقیم ہوئی کہ وہ زمین خلیج کی شکل میں تھی،

اس کے بعد راسل کے مشورہ سے اور آگے بڑھے، اور جے پور نامی ایک گاؤن پر قبضہ کر لیا، [جو] راور سے متعلق تھا، اور فوجی نقطۂ نگاہ سے بڑی کارآمد جگہ تھی، اور اس کے کنارے وہادا(...ی) جاری تھی، جس سے فوج کو پانی کی تکلیف سے قطعاً نجات مل گئی۔

اس خبر کو داہر کے وزیر سی ساگر نے سن کر شگون لیا کہ جے پور پر قبضہ ہونے کے معنے [...] ہین، راجہ داہر اس شگون سے اس قدر برافروختہ ہوا کہ بے اختیار کہہ اٹھا کہ محمد بن قاسم [جے پو]ر نہیں بلکہ ہر یارکی مین آیا ہے، جہان اس کی ہڈیان گرین گی، پھر بھی وہ اس قدر خوفزدہ [تھا کہ] کھلے میدان سے ہٹ کر تمام اہل و عیال کو راور کے قلعہ مین لے جا کر قلعہ بند کر دیا۔ اور خود [...] فوج سے تین میل کے فاصلہ پر مقیم ہوا۔

داہر

یہ حال دیکھ کر محمد بن قاسم آگے بڑھا، اور سندھی فوج سے ا½ میل پر آکر خیمہ زن ہوا، [دوسر]ے دن راجہ اور قریب آگیا، اور ایک ٹھاکر کو فوج دے کر بھیجا، عرب فوج بھی تیار تھی، [... لڑ]تی رہی۔ رات کو واپس آئی، دوسرے دن دوسرے ٹھاکر کو بھیجا جو مارا گیا، فذیری سا [...]

[...] نامہ کے ایک نسخہ مین "وہ جا داوہ" ہے، لیکن آج کل کے جغرافیہ مین اس مقام پر "کری داہ" ہے۔

عبداللہ ثقفی یہ کار نمایان کرکے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے، سردار فوج نے اس مژدۂ فتح کو حجاج تک پہنچایا۔

راجہ راسل عربی لشکر میں

اس شکست سے راجہ داہر کے امرا مین مایوسی پھیل گئی، اور ہر شخص اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگا۔ اس مین سب سے پہلے راجہ راسل نے پیشقدمی کی، اس نے دیکھا کہ مقام بیٹ جہان کا وہ حاکم بنایا گیا تھا، اس پر نہ صرف یہ کہ اسلامی فوج کا قبضہ ہے، بلکہ فوجون کا مرکز بن گیا ہے، پھر اس شکست سے رہی سہی امید بھی بیٹ پر قبضہ حاصل کرنے کی جاتی رہی، اس لئے اس نے محمد بن قاسم کے پاس خط بھیجا کہ

"مین بھی ننگ و عار سے ڈرتا ہون ورنہ حاضر ہو جاتا، مین تھوڑی فوج لے کر راجہ سے ملنے کے بہانہ فلان راستہ سے جاؤن گا۔ آپ فوج بھیجکر مجھے گرفتار کرلین"

چنانچہ قلعہ بیٹ پر اپنے باپ کو اپنی جگہ رکھکر خود قلعہ سے نکلا، وہ نیرن کی ندی کے کنارے تھا کہ عربون کے پانچ سو سوارون نے گرفتار کرلیا، محمد بن قاسم کے سامنے آیا تو شرمندہ ہوا۔ اور دریا سے پار اترتے وقت جو اس نے مدافعت کی تھی۔ اس کی معذرت کی، اور آیندہ وفاداری کا اقرار کیا، سردار فوج نے بھی اس کی کافی عزت کی،

بیٹ کا علاقہ جس کا یہ حاکم تھا، محمد بن قاسم نے موکا کو دے دیا تھا، اس کے متعلق راسل سے کہا کہ اگر مین اس کو نہ دون تو وعدہ خلافی ہوگی، اور پھر آیندہ میرے وعدہ پر کون بھروسہ کرے گا راسل بھی اس قوی دلیل کو تسلیم کرکے موکا کے ساتھ مل کر عربی فوج کی خدمت بجالانے مین مصروف ہوگیا، لیکن راسل کچھ عرصہ کے بعد مر گیا، اور موکا بلا شرکت جزیرہ بیٹ پر قابض ہوگیا۔

اب موکہ اور راسل دونون نے یہ مشورہ دیا کہ فوج کو پیش قدمی کرنی چاہئے چنانچہ فوج نے فورا کوچ کردیا۔ اور نرائی دیا نارائن نام ایک گاؤن مین مقیم ہوا، راے داہر اس وقت کجھ جاٹ

مین تھا، اور ان دونون کے درمیان صرف جھیل حائل تھی، جو بہت بڑی تھی، اور اس سے پار اترنا ایک کار اہم نظر آتا تھا، راجہ راسل نے اس عقدہ کو حل کردیا، اس نے سپہ سالار سے کہا کہ اس جھیل سے پار اترنے کی سخت ضرورت ہے، اور اگر اجازت ہو تو مین اس کا انتظام کردون سپہ سالار نے بھی دیکھا کہ چکر کاٹ کر جانے مین بہت دشواری پیش آئے گی، اس لئے اس کو اجازت دے دی، راسل نے ایک کشتی بہم پہنچائی، جس پر صرف تین آدمی سوار ہو سکتے تھے، چنانچہ اس نے پہلے تین آدمی کو اس وقت پار اتار کر سخت تاکید کردی کہ خاموش بیٹھے رہین۔ اس کے بعد اسی طرح تین تین کرکے ساری فوج اتر گئی اور ایسے مقام پر مقیم ہوئی کہ وہ زمین خلیج کی شکل میں تھی، اس کے بعد راسل کے مشورہ سے اور آگے بڑھے، اور جے پور نامی ایک گاؤن پر قبضہ کرلیا، جو راور سے متعلق تھا، اور فوجی نقطۂ نگاہ سے بڑی کار آمد جگہ تھی، اور اس کے کنارے واداوا (ندی) جاری تھی[1]، جس سے فوج کو پانی کی تکلیف سے قطعاً نجات مل گئی۔

اس خبر کو داہر کے وزیر سی ساگر نے سن کر شگون لیا کہ جے پور پر قبضہ ہونے کے معنے فتح کے ہین، راجہ داہر اس شگون سے اس قدر برافروختہ ہوا کہ بے اختیار کہہ اٹھا کہ محمد بن قاسم جے پور نہیں بلکہ ہڑ واڑی مین آیا ہے، جہان اس کی ہڈیان گرین گی، پھر بھی وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ کھلے میدان سے ہٹ کر تمام اہل وعیال کو راور کے قلعہ مین لے جاکر قلعہ بند کردیا۔ اور خود عربی فوج سے تین میل کے فاصلہ پر مقیم ہوا۔

جنگ داہر

یہ حال دیکھ کر محمد بن قاسم آگے بڑھا، اور سندھی فوج سے ۱½ میل پر آکر خیمہ زن ہوا، دوسرے دن راجہ اور قریب آگیا، اور ایک ٹھاکر کو فوج دے کر بھیجا، عرب فوج بھی تیار تھی، دن بھر لڑتی رہی۔ رات کو واپس آئی، دوسرے دن دوسرے ٹھاکر کو بھیجا، جو مارا گیا، فدیری سے

[1] چچ نامہ کے ایک نسخہ مین "وجاداوہ" ہے، لیکن آج کل کے جغرافیہ مین اس مقام پر "کری داہ" ہے۔

نے کہا۔ اے راجہ میں نے پہلے بھی کئی بار مشورہ دیا، مگر نہ مانا، اور نقصان اٹھایا، پھر کہتا ہوں کہ یہ طریقۂ جنگ غلط ہے، بہتر یہ ہے کہ تمام فوج سے یکبارگی حملہ کر دیا جائے، راجہ نے قبول کیا،

دوسرے دن راجہ نے دیکھا کہ محمد بن قاسم قلعہ کے قریب آگیا ہے، تو اس نے بھی فوج کو ترتیب دیا اور بڑے شان و شوکت کے ساتھ فوج کو جنگ کا نقارہ بجاتے ہوئے نکالا، کوہ پیکر جنگی ہاتھیوں کی صف آگے آگے تھی[1]، ان کے پیچھے دس ہزار مسلح زرہ پوش سوار تھے، اس کے بعد تیس ہزار پیادہ فوج تھی[2]، اس کے درمیان راجہ کا سب سے بڑا سفید ہاتھی تھا جس پر مرصع عماری کسی تھی، وسط میں راجہ داہر بیٹھا تھا، اور آس پاس خواصیں تھیں، جو شراب کا پیالہ اور پان کا بیڑہ اس کو دیتی جاتی تھیں[3]، اس ہاتھی کے اردگرد بڑے بڑے بہادر ٹھاکر تھے،

یکم رمضان ۹۳ھ سے یہ جنگ شروع ہو گئی تھی، لیکن اصلی جنگ، رمضان سے ہوئی، جنگ سے قبل روانگی کے وقت راجہ نے نجومیوں سے وقت سعد (شگون کی گھڑی) دریافت کیا، نجومیوں نے کہا کہ فتح تو عربوں کی نظر آتی ہے، کیونکہ ستارہ زہرہ ان کے پیچھے اور آپ کے سامنے ہے، اس خبر سے راجہ بہت پریشان ہوا، لیکن نجومیوں نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ زہرہ کی ایک مورتی بنا کر راجہ کے پیچھے زین سے باندھ دی جائے گی، جس سے معاملہ برعکس ہو جائے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

یعقوبی کے بیان کے مطابق راجہ کی فوج اسلامی لشکرگاہ سے ۱½ میل پر کئی مہینے پڑی رہی[4]، اور آخر دن اچانک راجہ کے ایک افسر نے حملہ کر دیا: عربوں نے بڑی شجاعت سے اس کی

---

[1] چچ نامہ میں ساٹھ اور دوسری روایت کے بموجب سو کی تعداد لکھی ہے۔ [2] چچ نامہ میں بیس ہزار تعداد ہے، اور ٹھاکروں کی تعداد پانچ ہزار۔ اس طرح کل فوج کی تعداد ۲۵ ہزار ہوئی، اور پھر معصومی کی روایت کے مطابق چالیس ہزار ہوئی۔ [3] چچ نامہ میں ہے کہ ایک تیر دیتی جاتی اور دوسری پان کا بیڑا۔ [4] یعقوبی نے اس مدت کو بھی محسوب کر لیا، جو محمد بن قاسم کے آنے سے پہلے کی ہے۔ یعنی جب سے داہر راور میں آکر مقیم ہوا،

مدافعت کی، اور شام تک لڑتے رہے، دوسرے دن ۸ رمضان کو ایک دوسرے افسر کے ماتحت بھی اسی طرح صبح سے شام تک لڑائی ہوئی۔ ۹ رمضان کو خود راجہ جنگ کے لئے نکلا، عربی فوج بھی کئی ذی پار ہو کر میدانِ جنگ میں آئی۔ شام تک جنگ ہوئی مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

۹ رمضان ۹۳ھ بدھ کے دن جو جنگ ہوئی اس میں عربی فوج کی ترتیب اس طرح تھی کہ قلب میں سپہ سالارِ فوج اور محرز بن ثابت، میمنہ پر جہم جعفی اور ذکوان بکری میسرہ پر، مقدمہ پر عطا بن مالک قیسی، اور ساقہ پر بانہ بن حنظلہ مقرر کئے گئے،

سپہ سالار نے کہا کہ "اگر میں شہید ہو جاؤں تو میری جگہ محرز بن ثابت لیں گے، اور وہ بھی نہ رہیں تو سعید تمہارا سپہ سالار ہے"

جنگ شروع ہو گئی، محرز بڑی دلیری سے لڑ کر شہید ہوئے، حسن بکری کا انگوٹھا تلوار سے کٹ کر گر گیا، مسلمانوں کو زیادہ جوش آگیا، اور بڑی بہادری سے شام تک لڑتے رہے، اور آخر دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوئیں،

۱۰ رمضان ۹۳ھ صبح کے وقت دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں پھر آئیں، داہر کا لڑکا جے سنگھ دس ہزار سواروں کے ساتھ قلب میں کھڑا ہوا اور داہر سفید ہاتھی پر سوار تھا، اور آس پاس جنگی ہاتھی اس کو گھیرے ہوئے تھے، ٹھاکروں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، مشرقی علاقے کے جاٹ راجہ کے پیچھے موجود تھے، دو جنگی ہاتھی میسرہ پر متعین کر دئے، سواروں اور ہاتھیوں پر حاکم مبیٹ سردار جاہین کو افسر بنایا[1]،

ادھر سپہ سالارِ عرب نے اپنی فوج کو جدید طریقہ سے ترتیب دیا، میمنہ پر حنظلہ کلابی اور میسرہ پر ذکوان بن علوان بکری کو مقرر کیا، قلب میں خود موجود رہا، ابو صابر ہمدانی کو خصوصیت سے

---

[1] چچ نامہ ص ۵،

ہاتھیوں کے مقابل رکھا، ہذیل بن سلیمان، زیاد ازدی، مسعود کلبی، محارق راسی کو قلب کے آگے مقدمہ میں محمد بن زیاد عبدی اور بشر بن عطیہ مقرر ہوئے، اور دوسری طرف مصعب بن عبدالرحمن ثقفی، اور خریم بن عروہ مدنی تھے، جو راجہ داہر کے مقابل کھڑے کئے گئے، سواروں کے تین حصے کئے، ایک حصہ قلب میں، دوسرا میمنہ اور تیسرا میسرہ میں رکھا گیا، اسی طرح نفت اندازوں کی تعداد نو سو تھی، تین سو قلب میں، تین سو میمنہ میں اور تین سو میسرہ میں قائم کیا، نمازِ صبح ادا کر کے پانچ صف میں سب کھڑے ہو گئے، ان کو مخاطب کر کے سپہ سالار نے کہا۔

"اے عربی نژاد لوگو! تم اپنے وطن اور اہل و عیال سے علٰحدہ اس سرزمین میں آئے ہو، جان تمہارے دشمن تم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں، تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، تم کو سارا بھروسہ خدا پر رکھو، وہی کامیابی عطا کرنے والا ہے، جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص کو اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔"

اسی طرح کا ایک پُرجوش خطبہ دیا جس سے ہر سپاہی کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا اور سب سے پہلے اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ ہو گیا، پھر آب داروں کو بلا کر تاکید کی کہ پانی کا پیالہ ہر وقت تیار رکھیں،

جنگ شروع ہو گئی، داہر نے ایک فوج عربی لشکر پر حملہ کے لئے روانہ کی، ادھر سے ابو فضہ قشیری نے دو سو سواروں کا دستہ لے کر اس زور سے حملہ کیا، کہ کسی طرح دشمنوں کا قدم جم نہ سکا اور بھاگ کر داہر کے پاس پناہ لی۔

پھر داہر نے دوسرا گروہ بھیجا، ابو فضہ نے خدا کا نام لے کر اس پر بھی پر زور حملہ کیا، اور شکست دے کر فرار پر مجبور کیا، تب داہر نے ایک تیسری فوج بھیجی جس کو ابو فضہ نے مار مار کر ایسا پریشان کر دیا کہ آخر میدانِ جنگ میں نہ ٹھہر سکی۔

اس درمیان میں چند برہمن آئے، اور سپہ سالار سے امان کی درخواست کی، جو منظور ہوئی اس وقت انھوں نے مشورہ دیا کہ راجہ داہر کی فوج عقب سے غیر محفوظ ہے، سواروں کا ایک دستہ مجھے دو کہ حملہ کر کے ان کو تباہ کر دوں، چنانچہ مروان بن اسحم یمنی، اور تمیم بن زید قیسی کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا جنھوں نے عقب سے ایسا حملہ کیا کہ دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے۔ اور پھر دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سپہ سالارِ عرب نے ایک پُرجوش خطبہ سے مجاہدین کے خون میں گرمی پیدا کی، جس سے ہر سپاہی سب سے پہلے اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا، ادھر راجہ کی فوج بھی اپنے ملک و مذہب پر جان نثاری کے لئے ہر طرح سے بے چین تھی،

غرض عرب لمبے نیزے آگے کو جھکائے ہوئے، سندھی فوجوں پر ٹوٹ پڑے، سندھی فوجوں نے بھی بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا، آہستہ آہستہ جنگ کی آگ مشتعل ہوتی گئی۔ اور لڑائی کا بازار ایسا گرم ہوا کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا، عربوں کی فوج میں شجاع حبشی نے ایسے سخت حملے کئے کہ سندھیوں میں کھلبلی مچ گئی، آخر دلیرانہ حملہ کی بدولت وہ داہر تک پہنچ گیا اور اس کے ہاتھی کے سونڈ کو زخمی کر دیا، مگر داہر کے تیر سے شہید ہو گیا جس کا خصوصیت سے سپہ سالارِ فوج محمد بن قاسم کو بے حد افسوس ہوا۔

یہ حالت دیکھتے ہی سپہ سالارِ فوج نے ہر سپاہی کو جوش دلا کر ایک پُرجوش حملہ پر آمادہ کیا، اور خود بھی بڑی جرأت کے ساتھ آگے بڑھا، سپہ سالار کی حوصلہ افزائی سے فوج میں ایک نیا ولولہ پیدا ہوا، تمام فوج نے یکایک ایسا حملہ کیا کہ جنگ کی تیزی دوگنی ہو گئی۔ ہاتھیوں سے آگے جس قدر فوج تھی عربوں نے ان سب کو مار بھگایا، لیکن خود ہاتھیوں کا دل بادل ایک لاعلاج چیز تھی۔

نفت کا استعمال

آخر سالارِ فوج نے اس کی بھی ایک تدبیر نکال لی، پچکاریوں کے ذریعہ روغن نفت

پھینکنے والے آتش باز طلب کئے گئے جنھوں نے روغنِ نفت ان پر خوب برسایا، اور پھر ان میں آگ لگا دی، ہاتھی اس مصیبت کو نہ برداشت کر سکے، اور اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگے، لیکن راجہ کے پاس اس وقت بھی ایک ہزار ٹھاکر موجود تھے،

اس بھاگ دوڑ میں عربوں کا لشکر راجہ کے خیمہ تک پہنچ گیا، اور حرم کی بعض عورتوں کو (جو غالباً خواصیں تھیں) گرفتار کر لیا، ان کے رونے پیٹنے کی آواز راجہ کے کان تک پہنچی، اس نے سمجھا کہ لشکریوں کی عورتیں ہیں، اس لئے تسلی کے طور پر کہا کہ مت گھبراؤ، اس طرف چلی آؤ، میں یہاں ہوں، راجہ کی آواز سن کر عورتوں نے کہا کہ مہاراج! ہم تو عربوں کے ہاتھ گرفتار ہیں، کیونکر آپ تک پہنچیں، یہ سن کر راجہ کو بڑا طیش آیا، اس نے کہا کہ میں تو ابھی زندہ موجود ہوں اور میرے رہتے ہوئے کس کی مجال ہے جو تمہیں گرفتار کرے؟ یہ کہہ کر اس نے فیلبان کو حکم دیا کہ ہاتھی کو اس طرف لے چل تاکہ ان عورتوں کو نجات دلائے، محمد بن قاسم نے جو راجہ کے ہاتھی کو آگے آتا دیکھا تو آتش بازوں کو حکم دیا کہ اپنی کارگذاری دکھائیں، چنانچہ ایک تجربہ کار اور نشانہ انداز نے اس خوبی سے روغنِ نفت کی پچکاری بھر کر ماری کہ عماری میں فوراً آگ لگ گئی، اور اس کا کچھ حصہ ہاتھی پر بھی گرا جس سے اس قدر سوزش شروع ہوئی کہ ہاتھی بے چین ہو کر بھاگا،[1] اور سیدھا پانی میں جا کر گھس گیا، راجہ، خواصیں فیلبان، تیر انداز سب غوطے کھانے لگے، آخر محافظ فوج نے راجہ کا یہ حال دیکھ کر راجہ کو بچانے کے خیال سے پانی میں کودنا شروع کیا، اور کوشش کی کہ کسی صورت سے ہاتھی کو باہر نکالیں، ہاتھی بڑی مشکل سے کنارے تک آیا، اور پھر زیادہ سختی کرنے پر وہیں بیٹھ گیا۔

مسلمانوں نے ہاتھی کا یہ حال دیکھا تو اس طرف جھک پڑے، اور تیروں کی بارش شروع کر دی، محافظ فوج بھاگ گئی، اور راجہ تیروں سے زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر فیلبان ہاتھی کو ایک دفعہ

[1] ہندوستان میں سب سے پہلی دفعہ روغنِ نفت (آتشگیر مادہ) کا استعمال ہوا جس سے سندھی بالکل ناواقف تھے چچ نامہ

پھر باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس دفعہ وہ کامیاب ہو گیا، لیکن ہاتھی باوجود کوشش کرنے کے بھی میدانِ جنگ کی طرف نہ گیا، بلکہ سیدھا قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔

راجہ داہر کی موت

راجہ داہر نے دیکھا کہ جنگ اسی طرح جاری ہے، اور دونوں فوجیں لڑ کر تھک گئی ہیں، اس کے جاں نثار سپاہی اور بڑے بڑے سردار اور بہت سے قریبی رشتہ دار سب مارے گئے، اس سے اس کے دل میں غیرت پیدا ہوئی، اور ہاتھی سے اتر کر پیادہ شمشیر بکف لڑنا شروع کر دیا، اس نے انتہا درجہ کی بہادری دکھائی، اور خوب لڑا۔ ۱۰ رمضان پنجشنبہ سنہ ۹۳ھ کا آخری وقت تھا، اور اب آفتاب غروب ہو رہا تھا کہ راجہ داہر کے مقابل ایک عرب پہنچا، اور اس نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا بھرپور مارا کہ تلوار سر سے گردن تک کاٹ گئی، اور راجہ داہر کے اقبال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

عربوں کی فتح

اس وقت میدانِ جنگ کی حالت بڑی خطرناک ہو گئی تھی، سندھیوں نے ایک آخری حملہ اس شدت سے کیا کہ اگر عربوں نے اس کو اپنی پوری قوت سے نہ روکا ہوتا، تو غالباً شکست یقینی تھی، عربوں نے بڑی بہادری سے نہ صرف مدافعت کی، بلکہ پُرزور حملوں سے سندھیوں کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ میدانِ جنگ چھوڑ کر قلعہ راور کی طرف بھاگنے لگے،

راجہ کے وفاداروں نے جب عماری خالی دیکھی تو گھبرائے، اور راجہ کو تلاش کرنے لگے تھوڑی دیر میں راجہ کی لاش مل گئی، انھوں نے مصلحتِ وقت دیکھ کر بلا اطلاع پانی میں اس کی لاش چھپا دی،

عام مسلمانوں بلکہ سندھیوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی، لوگ بھاگے جا رہے تھے، اور مسلمان تعاقب میں تھے، انہی میں سے قیس نامی ایک عرب تھا جس نے چند سندھیوں کو گرفتار کر لیا اور قتل کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ انھوں نے کہا کہ ہمارا قتل اب بیکار ہے۔ راجہ مارا گیا اور اب

ہم سب آپ کے تابعدار رعایا ہیں. قیس یہ سن کر سب کو سپہ سالار کے پاس لے چلا، ادھر وہ خواتین جو گرفتار ہوئی تھیں وہ بھی حاضر کی گئیں، ابن قاسم نے ان سے راجہ کا حال دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ ہاتھی پر سے اتر کر اس کو ہم نے پیادہ پا لڑتے دیکھا، اس کے بعد کا حال معلوم نہیں،

محمد بن قاسم کے نزدیک داہر کی موت مشتبہ ہو گئی. اس لئے اس کو خدشہ ہوا کہ کہیں داہر نے مغالطہ تو نہیں دیا. اس لئے فوج میں یہ حکم گشت کرایا کہ داہر کی موت ابھی محقق نہیں ہوئی ہے، اس لئے ہوشیار رہو، ایسا نہ ہو کہ تم لوٹ میں مشغول ہو اور غنیم کسی طرف سے آپڑے۔

قیس نے جب یہ سنا تو جلد از جلد سپہ سالار کے پاس پہنچ کر ان سندھیوں کو راجہ داہر کی موت کے متعلق شہادت میں پیش کیا، محمد بن قاسم ان کو لے کر تالاب کے پاس پہنچا، اور لاش نکلوا کر سر کاٹ لیا گیا، اور ان خواصوں سے اس کی تصدیق کرائی جو داہر کی عماری میں تھیں، اور گرفتار ہو گئی تھیں، اس خبر کی تصدیق ہوتے ہی مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور پُر زور طریقے سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، جس نے تمام فوج میں ایک نئی روح پیدا کر دی،

راجہ داہر کو کس نے مارا؟ صحیح طور پر محقق نہیں ہے. مگر مدائنی کی روایت ہے کہ بنی کلاب کے ایک بہادر فرد نے یہ عزت حاصل کی، چنانچہ اس نے فخریہ طور پر مندرجۂ ذیل اشعار کہے،

والخیل تشهد یوم داهر والقنا — ومحمد بن القاسم بن محمد

انی فرجت الجمع غیر معرد — حتی علوت عظیمهم بمهند

فترکته تحت العجاج مجدلا — متعفر الخدین غیر موسد[1]

گھوڑے، نیزے، اور محمد بن قاسم بن محمد سب گواہ ہیں کہ معرکہ داہر کے دن میں نے سب کو خون کر دیا میں برابر لڑتا رہا اور میدان جنگ سے منہ نہ موڑا یہاں تک ہندی تلوار دشمنوں کے بادشاہ پر جڑ دی۔

[1] بلاذری ص ۴۳۰ لیڈن،

"پس اسے مار کر گرا دیا، اس طرح کہ اس کے گال خاک کے رنگ میں رنگے تھے، اور کوئی تکیہ اس کے سر کے نیچے نہ تھا"

دونوں حریف کے پاس مندرجۂ ذیل فوجیں تھیں

راجہ داہر کی فوج		عربوں کی فوج		
جنگی ہاتھیوں کا مقدمہ	۱۰۰	مصعب بن زبیر کے زیر کمان		۴۰۰۰
مسلح زرہ پوش	۱۰۰۰۰	محمد ثقفی "	جاٹ	۴۰۰۰
پیادہ فوج	۳۰۰۰۰	سلیمان قریشی "	سوار	۶۰۰
جے سنگھ کی فوج	۱۰۰۰۰	عطیہ طفلی "	"	۵۰۰
کل فوج	۵۰۰۰۰	ذکوان بکری "	"	۱۵۰۰
ٹھاکروں کی فوج		بنانہ بن حنظلہ		۱۰۰۰
مشرقی جاٹ	۱۰۰۰۰	نفت انداز		۹۰۰
کل مجموعہ ساٹھ ہزار	۶۰۰۰۰	موکا بن بسایا کی فوج		۳۰۰۰
		کل مجموعہ تعداد عرب فوج		۱۵۵۰۰

منصور بن حاتم جو اسی عہد کا ایک شخص ہے، کچھ دنوں کے بعد اس نے بھروچ میں داہر اور اس کے قاتل کی تصویر دیکھی ہے، اور قنداییل (گنداوی) میں بدیل بن طہفہ کی تصویر ہے، جو محمد بن قاسم سے قبل مکران اور سندھ کی سرحد پر شہید ہوا تھا،[1]

داہر پر حملہ

محمد بن قاسم نے یکم رمضان ۹۳ھ سہ شنبہ کے دن سے لڑنا شروع کیا تھا، کل دس دن پڑاؤ رہا، جس میں سات لڑائیاں ہوئیں، پہلی دو جنگیں معمولی تھیں، اور چار دن جم کر لڑائی ہوئی

[1] بلاذری ص ۴۳۰ -

اور پانچویں دن کی جنگ فیصلہ کن تھی،

یہ معصومی کی روایت ہے، لیکن چچ نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داہر کی فوج سے کل سات لڑائیاں جو ہوئیں وہ مندرجہ ذیل مقام پر ہوئیں۔

(۱) فتح نیرون، اور قلعہ سیسم کے بعد، باب سندھ کی ایک شاخ جو نیرون سے ہوکر گذری ہے، اس کے مغربی ساحل پر۔

(۲) کشتیوں کا پل بنا کر جب عرب پار اترے، تو جھم کی زمین پر ایک خون ریز معرکہ ہوا ہے، جس میں راجہ راسل محافظ ساحل کو شکست ہوئی۔

(۳) مقام جیور کے پاس جھیل کینجھرا کے نزدیک

(۴) ۷ رمضان دوشنبہ کو جھیل کینجھر پار ہوکر دکری واہ ندی کے کنارے ٹھاکر کے ساتھ ایک معرکہ ہوا جس میں عربوں کی فتح ہوئی۔

(۵) ۸ رمضان منگل کے دن اسی مقام پر دوسرے دن ایک بہادر ٹھاکر سے عربی فوج جنگ آزما ہوئی، میدان عربوں کے ہاتھ رہا،

(۶) کری واہ ندی عبور کر کے داہر کی فوج سے مقابلہ ہوا، جس میں فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، یہ چہارشنبہ ۹ رمضان سنہ ۹۳ھ کا دن تھا۔

(۷) ۱۰ رمضان پنجشنبہ سنہ ۹۳ھ داہر کے ساتھ آخری جنگ ہوئی جس میں راجہ داہر مارا گیا، یہ جنگ راور کے قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہوئی۔

راجہ داہر جب مارا گیا، تو اس کے لڑکے جے سنگھ نے راور میں پناہ لی، اور داہر کی بہن رانی بائی بھی ہمراہ تھی (جس کو داہر نے جبراً اپنی بیوی بنا لیا تھا) ان دونوں نے مل کر فوجی تیاری شروع کر دی، اور قلعہ بندی کا سامان کرنے لگے۔ اس اثنا میں شکست خوردہ فوج کے بقیہ لوگ

بھی آملے، جس سے ایک دوسرے کو بڑی تقویت پہنچی۔

سپہ سالار عرب کو جب یہ خبر ملی، تو اس نے راور کا محاصرہ سختی سے شروع کر دیا، ابھی تک وہ فصیل شہر سے دور تھا، اب خاص فصیل کے نیچے جا کر خیمہ زن ہوا، اور ہر طرف منجنیق قائم کر دی گئی، تاکہ شہر پناہ توڑ کر مسلمان داخل ہو جائیں،

اِدھر جے سنگھ بھی تیاری میں مصروف تھا، اس نے لوگوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا کہ بہادری کے ساتھ مر جانا اس قسم کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

وزیر سی ساگر نے جب یہ تقریر سنی، تو اس نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے خیالی پلاؤ پکانے سے کوئی فائدہ نہیں، اس شکست اور راجہ کے مارے جانے کا بہت برا اثر اس طرف لوگوں پر پڑ چکا ہے، لوگ مرعوب ہو گئے ہیں، اس لئے اس طرف جنگ کرنا بیکار ہے، بہتر ہے کہ آپ مع تمام لشکر کے برہمن آباد چلے جائیں، جو آپ کا اصلی وطن ہے، جہاں کے لوگ آپکے ابھی تک وفادار ہیں، وہاں خزانہ اور غلہ ضرورت سے زیادہ موجود ہے، رعایا اور فوج دونوں آپ کا ساتھ دینگے،

جے سنگھ نے خاندان علافی کے سردار سے جب مشورہ کیا جس کی بہادری اور وفاداری پر جے سنگھ کو بڑا بھروسہ تھا، تو وزیر سی ساگر کی رائے سے اس نے بھی اتفاق کیا، چنانچہ جے سنگھ اپنے تمام معتمدین اور رشتہ داروں کے ساتھ راور سے نکل کر برہمن آباد کی طرف روانہ ہو گیا،

داہر کی بہن جس سے داہر نے شادی کر لی تھی، یعنی رانی بائی کسی طرح جے سنگھ کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی، اس نے خود قلعہ کا جائزہ لیا، فوجوں کو ترتیب دی، پندرہ ہزار جوان فوجی موجود تھے، شکستہ فوج کے بقیہ لوگ بھی آ کر مل گئے، ان میں سے ہر شخص لڑنے مرنے کو رانی کے ساتھ تیار ہو گیا۔

اور، پانچویں دن کی جنگ فیصلہ کن تھی،

یہ معصومی کی روایت ہے، لیکن چچ نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داہر کی فوج سے کل سات لڑائیاں جو ہوئیں وہ مندرجہ ذیل نام پر ہوئیں۔

(۱) فتح نیرون، اور قلعہ سیسم کے بعد، باب سندھ کی ایک شاخ جو نیرون سے ہو کر گذرتی ہے، اس کے مغربی ساحل پر۔

(۲) کشتیوں کا پل بنا کر جب عرب پار اترے، تو جھم کی زمین پر ایک خون ریز معرکہ ہوا ہے جس میں راجہ راسل محافظ ساحل کو شکست ہوئی۔

(۳) مقام جیور کے پاس جھیل کنجھرا کے نسل

(۴) ۷ رمضان دوشنبہ کو جھیل کنجھرا پار ہو کر کری واہ ندی کے کنارے کانے ٹھاکر کے ساتھ ایک معرکہ ہوا جس میں عربوں کو فتح ہوئی۔

(۵) ۸ رمضان منگل کے دن اسی مقام پر دوسرے دن ایک بہادر ٹھاکر سے عربی فوج جنگ آزما ہوئی، میدان عربوں کے ہاتھ رہا،

(۶) کری واہ ندی عبور کر کے داہر کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، یہ چہارشنبہ ۹ رمضان سنہ ۹۳ھ کا دن تھا۔

(۷) ۱۰ رمضان پنجشنبہ سنہ ۹۳ھ داہر کے ساتھ آخری جنگ ہوئی جس میں راجہ داہر مارا گیا۔ یہ جنگ راور کے قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہوئی۔

راجہ داہر جب مارا گیا، تو اس کے لڑکے جے سنگھ نے راور میں پناہ لی، اور داہر کی بہن رانی بائی بھی ہمراہ تھی (جس کو داہر نے جبراً اپنا بنا رکھا تھا) ان دونوں نے مل کر فوجی تیاری شروع کر دی، اور قلعہ بندی کا سامان کرنے لگے۔ اس اثنا میں شکست خوردہ فوج کے بقیہ لوگ

بھی آملے، جس سے ایک دوسرے کو بڑی تقویت پہنچی۔

سپہ سالار عرب کو جب یہ خبر ملی، تو اس نے راور کا محاصرہ سختی سے شروع کر دیا، ابھی تک وہ فصیل شہر سے دور تھا، اب خاص فصیل کے نیچے جا کر خیمہ زن ہوا، اور ہر طرف منجنیق قائم کر دی گئی، تاکہ شہر پناہ توڑ کر مسلمان داخل ہو جائیں۔

ادھر جے سنگھ بھی تیاری میں مصروف تھا، اس نے لوگوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا کہ بہادری کے ساتھ مر جانا اس قسم کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

وزیر سی ساگر نے جب یہ تقریر سنی، تو اس نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے خیالی پلاؤ پکانے سے کوئی فائدہ نہیں، اس شکست اور راجہ کے مارے جانے کا بہت برا اثر اس طرف لوگوں پر پڑ چکا ہے، لوگ مرعوب ہو گئے ہیں، اس لئے اس طرف جنگ کرنا بیکار ہے، بہتر ہے کہ آپ مع تمام لشکر کے برہمن آباد چلے جائیں، جو آپ کا اصلی وطن ہے، جہاں کے لوگ آپکے ابھی تک وفادار ہیں، وہاں خزانہ اور غلہ ضرورت سے زیادہ موجود ہے، رعایا اور فوج دونوں آپ کا ساتھ دیں گی،

جے سنگھ نے خاندان علافی کے سردار سے جب مشورہ کیا جس کی بہادری اور وفاداری پر جے سنگھ کو بڑا بھروسہ تھا، تو وزیر سی ساگر کی رائے سے اس نے بھی اتفاق کیا، چنانچہ جے سنگھ اپنے تمام متعلقین اور رشتہ داروں کے ساتھ راور سے نکل کر برہمن آباد کی طرف روانہ ہو گیا،

داہر کی بہن جس سے داہر نے شادی کر لی تھی، یعنی رانی بائی کسی طرح جے سنگھ کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی، اس نے خود قلعہ کا جائزہ لیا، فوجوں کو ترتیب دی، پندرہ ہزار جوان فوجی موجود تھے، شکستہ فوج کے بقیہ لوگ بھی آکر مل گئے، ان میں سے ہر شخص لڑنے مرنے کو رانی کے ساتھ تیار ہو گیا۔

محمد بن قاسم جیسے ہی فصیل کے نیچے آیا، کہ ان لوگون نے بگل بجا کر لڑائی شروع کردی، اور فصیل پر سے تیر اور پتھر وغیرہ برسانے لگے، سپہ سالارِ فوج نے بھی حملہ کا حکم دے دیا، اور نقب زنون کو دیوار مین رخنہ ڈالنے کے لئے طلب کیا، فوج کو دو حصون مین تقسیم کیا، ایک حصہ دن کو تیر اور پتھر وغیرہ کے ذریعہ جنگ کرتا، اور دوسرا حصہ رات بھر روغن نفت برسا کر آگ لگاتا رہتا،

رانی ستی ہو گئی

چنانچہ چند ہی دن مین مسلسل سنگباری اور آتشبازی سے تمام برج گر گئے، اور اہل قلعہ مین سخت تشویش پیدا ہو گئی، یہ دیکھ کر رانی بائی بہت گھبرائی، اور یہ محسوس کر کے کہ ہم گرفتار نہ کر لی جاوین، اس نے اپنی سہیلیون کو جمع کر کے کہا کہ

"جے سنگھ ہمین چھوڑ کر چلا گیا، اور عربون نے اس کا محاصرہ کر لیا ہے، اس وقت مہلت ہے اس لئے مین نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ چتا مین جل کر ستی ہو جاؤن"

اس رائے سے انھون نے نہ صرف اتفاق کیا، بلکہ ساتھ دینے کے لئے بھی آمادہ ہو گئیں، چنانچہ ایک مکان مین چتا تیار کرا کر سب اس مین کود پڑین، اور جل کر خاک ہو گئین،[1]

راوڑ کی فتح

اس واقعہ نے شہر مین بڑی مایوسی پیدا کر دی، اور بڑی بے دلی کا اظہار ہونے لگا، ادھر اسلامی فوج نے ایک زبردست حملہ کیا، دیوار توڑ کر شہر مین گھس گئی، اور چھ ہزار سپاہی کاٹ کر رکھ دیے، تیس ہزار قیدی گرفتار ہوئے جس میں سے تیس ٹھاکر کی لڑکیان تھیں، جے سنگھ اگرچہ بہت کچھ یہان سے نکال لے گیا تھا، پھر بھی بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا، قیدیون مین راجہ داہر کی بہن کی بیٹی بھی تھی۔ جو حسن و جمال مین بے نظیر تھی،

[1] تحفۃ الکرام مین ہے کہ وہ ستی نہیں ہوئی بلکہ اسی سے محمد بن قاسم نے نکاح کر لیا، مگر کسی تاریخ سے اس کی تائید نہیں ملی۔ بخلاف اس بیان کے جو متن مین ہے اور چچ نامہ سے ماخوذ ہے، بلاذری اس کا موید ہے،

شوال ۹۳ھ کے شروع مہینہ مین راجہ داہر کا سر، مالِ غنیمت کا پانچوان حصہ، اور اسیرانِ جنگ کعب بن مخارق راسبی کی معرفت حجاج کے پاس عراق روانہ کر دیے گئے، جسے دیکھ کر حجاج نے خدا کا بڑا شکریہ ادا کیا، پھر کوفہ کی جامع مسجد مین سب کو جمع کر کے فتح سندھ کی خوشخبری سنائی، اور لوگون کو جہاد پر آمادہ کیا، پھر راجہ داہر کا سر، چتر شاہی اور دوسری چیزین پایۂ تخت دمشق مین خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دین، ولید نے حجاج کا خط پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا، اور محمد بن قاسم کے حسن تدبیر کی تعریف کی، اسیرانِ جنگ کچھ فروخت کر دئے گئے کچھ بطور انعام لوگون مین تقسیم ہوئے، لیکن راجہ داہر کی بھانجی کو خلیفہ نے اپنے لئے مخصوص کرنا چاہا، کہ اسی دوران مین عبداللہ بن عباس نے اس کی استدعا کی، ولید نے کہا کہ گو مین اس کا خود خواہان تھا لیکن اب مین آپ کو دیتا ہون، لیجائیے، تاکہ بچون کی ماں بنے، عرصہ تک ابن عباس کے پاس رہی مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔[1]

مژدۂ فتح کے جواب مین حجاج نے محمد بن قاسم کو جو خط تحریر کیا ہے، وہ مندرجۂ ذیل ہے، وہ اس وقت محمد کو ملا، جب شہر راوڑ مین اندرونِ فصیل خیمہ زن تھا۔

"چچازاد بھائی ابن قاسم! پُر مسرت خط ملا، پڑھ کر بے انتہا محظوظ ہوا۔ یہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جن اصولون پر عمل درآمد کر رہے ہو۔ وہ بالکل شرع کے مطابق ہین، لیکن سنتا ہوں کہ تم نے چھوٹے بڑے سب کو یکسان امان دے دی ہے۔ دوست دشمن مین کوئی تمیز نہیں کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر جہان ملین قتل کر ڈالو، خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واجب العمل ہے امان دینے کے لئے اس قدر دریادلی نہ کرو، اس طرح امان دینے سے آیندہ کی کاروائی رک جائے گی، حالانکہ تم اس کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ آیندہ سوائے ذی عزت لوگوں کے

[1] چچ نامہ ص ۸۳

کسی دشمن کو پناہ نہ دینا، ورنہ تمہارے بے انتہا رحم کو لوگ کمزوری تصور کرین گے، اور تمہاری شوکت جاتی رہے گی۔ حجاج بن یوسف ۹۳ھ ۔ کاتب نافع

ادھر جے سنگھ راوڑ سے بھاگ کر برہمن آباد[1] پہنچا، اور آس پاس کے تمام مددگارون سے امداد طلب کی، اس کا ایک بھائی گوپی رائے قلعہ اروڑ مین رہتا تھا، دھر سنگھ کا لڑکا چچ جو اس کا بھتیجا تھا، باتیا (بابیہ) کا مالک تھا، چندر کا بیٹا ڈھول اس کا چچازاد بھائی بدھیا اور قیقان کی حکومت رکھتا تھا، ان سب کو اس نے خطوط لکھ کر داہر کی موت سے آگاہ کیا، اور مستقبل کے متعلق ان سے مشورہ طلب کیا، اس سے فارغ ہو کر اس نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی،

قلعہ بہرور وغیرہ کی فتح

محمد بن قاسم کو بھی اس کی خبر ہو گئی، ماہ شوال ۹۳ھ مین اس نے بھی برہمن آباد کی طرف پیشقدمی شروع کر دی، راستہ مین دو قلعے تھے، بہرور اور دہلیلا، ان مین سولہ ہزار سپاہی موجود تھے، ان کو فتح کئے بغیر برہمن آباد پہنچنا بہت دشوار تھا، اس لئے پہلے بہرور کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہان کے لوگون نے دو ماہ تک کافی مقابلہ کیا، محمد بن قاسم نے یہ دیکھ کر فوج کے دو حصے کئے، ایک حصہ دن کو جنگ کرے، اور دوسرا رات کو، روغنِ نفت کی پچکاریان اس کثرت سے ماری گئیں کہ بہت کم لوگ اس کی زد سے محفوظ رہے، منجنیق نے قلعہ کی دیوارون مین جگہ جگہ رخنے ڈال دئے، آخر عربون نے ایک پُرزور حملہ کر کے قلعہ فتح کر لیا،

دہلیلہ کی فتح

دہلیلہ والون کو جب اس کی خبر ہوئی تو تاجر پہلے ہی وہان سے نکل گئے، لیکن فوجی لوگون نے بڑی ہوشیاری سے قلعہ بندی کی، اور ہر طرح سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، محمد بن قاسم بھی ذوالحجہ ۹۳ھ مین آ پہنچا، اور دو ماہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا، قلعہ والون کو جب مایوسی ہوئی تو کفن پہن کر اپنے بدن کو معطر کیا، اور رات کی تاریکی مین اہل و عیال کو پل کے سامنے والے قلعہ مین بھیجدیا، اور

[1] برہمن آباد آج کل ضلع نوابشاہ تعلقہ سجھوڑو مین واقع ہے، راجہ دلو رائے کے عہد مین تباہ ہو گیا، آج کل ویران پڑا ہے،

خود۔ بنوک ندی پار ہو کر بھاگ گئے، صبح کو جب سپہ سالار کو خبر ہوئی تو تعاقب مین چند سپاہی بھیجے جنھون نے بعض کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا، جو لوگ ندی عبور کر کے بچ گئے وہ کچھ تو ہندوستان پہنچے اور کچھ رائل (رن مل)[1] کے ملک مین چلے گئے، اور بعض دیورلج[2] کی سرحد مین پناہ گزین ہوئے،

دیوراج راجہ داہر کے چچا کا بیٹا تھا، اور علاقہ سیر پر قابض تھا، جب یہ حالات محمد بن قاسم کو معلوم ہوئے تو ماہ صفر ۹۴ھ مین بلا تکلف وہ قلعہ پر قابض ہو گیا، یہان مستقل طور پر کچھ دنون اس نے قیام کیا، تاکہ اندر اور باہر کا معقول انتظام کرے، پھر اس نے حجاج بن یوسف کو ایک خط مین تمام فتوحات کی تفصیل لکھی، اور مالِ غنیمت کا پانچوان حصہ دربارِ خلافت مین روانہ کیا۔

محمد بن قاسم نے جہان بہت کچھ جدید انتظامات کئے وہان سب سے بڑا اور اہم یہ کام کیا کہ اضلاعِ سندھ کے بڑے بڑے زمیندارون کو تبلیغِ اسلام کے لئے خطوط بھیجے، اور اسلام نہ قبول کرنے کی صورت مین اطاعت اور ادائیگی خراج کی طرف توجہ دلائی، ان مین سے بعض نے اسلام قبول کیا، اور بعض نے خراج دینے پر رضامندی ظاہر کی،

اس قسم کے خطوط کا حال جب وزیر سی ساکر نے سنا تو اپنے چند معتبر آدمی محمد بن قاسم کے پاس روانہ کئے، تاکہ اپنے لئے امان کا فرمان حاصل کرے، محمد بن قاسم نے بڑی فیاضی سے اس کی استدعا قبول کی، اور اطمینان ہو جانے پر وزیر، عربی سپہ سالار کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا، محمد بن قاسم نے اس کے استقبال کے لئے ایک معزز افسر کو بھیجا، جب دربار مین آیا تو اس کو عزت کے ساتھ اپنے سامنے بٹھلایا، اور ہر قسم کی رعایت اس کے ساتھ مدنظر رکھی، سی ساکر نے بھی ان عورتون کو پیش کیا، جو لنکا سے جہاز پر روانہ ہو کر بندر دیبل پر لٹ گئی تھیں، اور جن کے سبب سے حجاج بن یوسف کو سندھ پر حملہ کرنا ضروری معلوم ہوا، غالباً وزیر نے آج ہی کے دن کے لئے ان کو بحفاظت تمام رکھ چھوڑا

[1] رائل (یا رن مل)، کے ملک سے غالباً وہ حصہ مراد ہے جو ریگستان سے متصل ہے، [2] چچ نامہ فقیہی نسخہ

تھا، محمد بن قاسم اس سے بہت خوش ہوا، ان عورتوں کو تو عرب بھیج دیا، اور سی ساگر کو دلے داہر کی طرح اس نے بھی اپنا وزیر بنا لیا، اور کچھ دنوں کے بعد وہ اس قدر معتمد ہو گیا کہ کوئی سیاسی کام بغیر اس کے مشورہ کے انجام نہ پاتا، سی ساگر بھی سپہ سالار کا بے حد ممنون ہوا، اور اس کی منصف مزاجی کا گیت اکثر گایا کرتا، محمد بن قاسم نے چار ماہ فوج کو آرام دیا، اس کے بعد کوچ کا حکم سنایا،

برہمن آباد پر حملہ

جمادی الاولیٰ ۹۴ھ میں اب عربی فوج برہمن آباد کی طرف روانہ ہوئی، اور قلعہ دہلیلہ کا ناظم وداھارن کے بیٹے نوبہ کو بنایا جس نے حلف وفاداری سے تجدید معاہدہ کیا، قلعہ دہلیلہ مع مضافات اس کے سپرد ہوا، ساحلی کشتی کا انتظام مقام "دوھاٹیہ" تک اسی کے ماتحت ہوا، یہ مقام برہمن آباد سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

میدانِ جنگ سے اس قدر قریب ایسا اہم عہدہ ایسے شخص کو سپرد کرنا جس کے متعلق سپہ سالار کو کسی قسم کا کوئی تجربہ نہ تھا میرے خیال میں وزیر سی ساگر کے مشورہ سے ہوا۔ برہمن آباد میں جے سنگھ ہر قسم کا فوجی انتظام کرنے میں مشغول تھا، اس وقت وہاں چالیس ہزار فوج موجود تھی، اس نے ۱۶ بہادر آدمی منتخب کئے، ان میں سے چار کو شہر کے چار دروازوں پر حفاظت کے لئے مقرر کیا اور باقی کو دوسرے کام سپرد کرکے با اختیار افسر بنایا، اور اس کے بعد وہ خود وہاں سے نکل کر "چنیسر" چلا گیا، جو علاقہ بابیہ میں شامل تھا، ان چار میں سے ایک دروازہ کا نام "جوتیری دروازہ" تھا، اس پر غالباً ایک افسر کے ماتحت چار سندھی جوان حفاظت کر رہے تھے، ان میں سے ایک کا نام بھارند، دوسرے کا ساتیا، تیسرے کا مالیا، اور چوتھے کا سالیا تھا،

ل معنف چچ نامہ نے اس سے قبل فتح دیبل کے وقت بھی ذکر کیا ہے۔ کہ لنکا کے مسلمان قیدی مل گئے لیکن اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک عورتیں نہیں ملی تھیں، اب وزیر کے ذریعہ وہ عورتیں ملیں جو لنکا سے عرب جا رہی تھیں جنھوں نے گرفتاری کے وقت حجاج کے نام سے فریاد کی تھی۔

سپہ سالار برہمن آباد پہنچ کر مشرقی دیوار کے نیچے نہر "جل والی" کے کنارے فروکش ہوا، اس نے برہمن آباد کے قلعہ میں ایک معتبر قاصد روانہ کرکے یہ پیغام دیا کہ

"یا تو مسلمان ہو جاؤ، ورنہ اطاعت قبول کرکے خراج ادا کرو، انکار کی صورت میں تلوار ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والی ہے":

جے سنگھ وہاں سے نکل جا چکا تھا، ان کے ماتحت افسر اپنی رائے سے کیا کر سکتے تھے مجبوراً قاصد نامراد واپس آئے، اور چونکہ جنگ یقینی تھی، اور طولِ محاصرہ کا خوف تھا، اس لئے اپنی فوج کے گرد اس نے خندق کھدوائی، اور دوسرے جنگی انتظامات سے فارغ ہو کر اس نے جنگ شروع کر دی، یہ واقعہ یکم رجب ۹۴ھ یوم شنبہ کا ہے،

اہلِ قلعہ روزانہ باہر نکل کر شام تک مقابلہ کرتے، اور واپس ہو جاتے، اس طرح سے جنگ نے اس قدر طول پکڑا کہ اس کو چھ مہینے ہو گئے، اور قلعہ کسی صورت سے فتح نہیں ہوا،

آخر ماہ ذوالحجہ یکشنبہ ۹۴ھ میں خود جے سنگھ بھی آ پہنچا، عربوں کے محاصرہ کے سبب نہ تو قلعہ کے اندر جا سکا، اور نہ کسی قسم کی امداد دے سکا، مگر اس نے یہ کیا کہ عربی لشکر کے لئے سامانِ رسد آنے کا راستہ روک لیا، اور عربی لشکر سے تھوڑے ہی فاصلہ پر اس نے اپنا پڑاؤ بھی ڈال دیا، اس سے عربی لشکر میں بڑی پریشانی پھیل گئی، اس وقت محمد بن قاسم نے اپنے وفادار حلیف موکا کو طلب کیا، اپنی پریشانی اور واقعات سے اس کو آگاہ کرکے مشورہ طلب کیا، اس نے کہا کہ سب سے بہتر تدبیر تو یہ ہے کہ جے سنگھ پر فوراً حملہ کر دیا جائے، محمد بن قاسم نے اس صائب رائے پر اس طرح عمل کیا کہ بنانہ بن حنظلہ کلابی، عطیہ ثعلبی، صارم بن ابو صارم ہمدانی اور عبد الملک مدائنی جیسے نامور سرداروں کو ایک فوج دے کر جے سنگھ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اور ان پر موکا اور جذیم بن عمر الدیبھی (یا جذیم بن عمرو الموسی) کو افسر اعلیٰ بنایا،

جے سنگھ کا فرار

جے سنگھ یہ معلوم کرتے ہی کہ عربی فوج حملہ آور ہونے کو آ رہی ہے، اہل و عیال کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا، جنکن، عوانہ اور کا باکے ریگستان کو طے کر کے جے پور[۱] کے حدود میں پہنچا، اس وقت تک محمد علافی اس کے ساتھ تھا، مگر اب آگے جانا اس نے بھی مناسب نہ سمجھا، اور اسی جگہ اس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، جے سنگھ نے یہاں سے اپنے بھائی گوپی کو خط لکھا، کہ میں سلطنت سے دستبردار ہوں، مگر تم قلعہ ارور کی پوری ہمت سے حفاظت کرنا۔[عہ]

جے سنگھ یہاں بھی نہ ٹھہرا اور سیدھا کشمیر پہنچا، اس نے راجہ کو اطلاع دی کہ میں بخوشی آپ کی مہربانیوں کا امیدوار بن کر آیا ہوں، دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے، چنانچہ اس کو اس کی اجازت مل گئی، اور وہ پایہ تخت کشمیر میں پہنچ گیا۔

جے سنگھ کی جاگیر

جے سنگھ پہلی مرتبہ جب دربار میں پہنچا، تو اس کو راجہ کشمیر نے پچاس گھوڑے مع ساز و سامان اور دو سو قیمتی جوڑے اس کے ساتھیوں کو دئے، اور علاقہ "شاکلہا" بطور جاگیر مرحمت ہوا، جے سنگھ نے اسی وقت جہیم بن سامہ شامی کو اس پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا، جو محمد علافی کے ساتھ چھوڑ دینے کے باوجود اس وقت تک وفاداری کے ساتھ جے سنگھ کے ہمراہ تھا، جے سنگھ جب دوبارہ دربار میں حاضر ہوا، تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال ہوا، کرسی اور چتر کے علاوہ دیگر بیش قیمت تحفے بھی اس کو دئے گئے، اور شان و شوکت کے ساتھ اس کو اس کی جاگیر پر روانہ کر دیا گیا، جے سنگھ اس گوشہ عافیت میں عمر بھر آرام رہا، اس کی وفات پر لاولد ہونے کے باعث جہیم شامی، اس جاگیر پر قابض رہا،[۲] وہاں اس نے مسجدیں بنوائیں، اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں،

عہ چچ نامہ ص ۲۶ ؎۱ جے پور سے مراد آج کل کا جے پور نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، یہ جے پور محمود غزنوی کے عہد تک آباد تھا، فرخی کا[illegible] ص ۲۴۴ لیعنی ؎۲ یہ چچ نامہ (ص ۱۸۵) کی روایت ہے بلاذری نے آگے چل کر جے سنگھ کے برہمن آباد واپس آنے کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ مرا نہیں بلکہ جب سندھ میں بد نظمی شروع ہو گئی تو اپنی جاگیر جہیم شامی کے سپرد کر کے برہمن آباد واپس آ گیا۔

اور راجہ کشمیر نے کبھی کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، یہ جاگیر مصنف چچ نامہ کے عہد تک اسی شامی خاندان کے قبضہ میں تھی، جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اسی علاقہ کا موجودہ نام "کلوکٹر" ہے، جو کوہستان نمک میں واقع ہے، اور آج تک کشمیر کی سرحد میں سمجھا جاتا ہے،

برہمن آباد کی فتح

جے سنگھ جب برہمن آباد سے چلا گیا، تو قلعہ والے کچھ دنوں تک برابر مقابلہ کرتے رہے، اور آخر کار مایوسی ان پر طاری ہو گئی، اور انجام کار سوچنے لگے، چنانچہ چار معزز شہریوں نے "جوتیری" دروازہ کے پاس جمع ہو کر یہ مشورہ کیا کہ ہم میں اب مقابلہ کی تاب نہیں ہے، اس لئے اگر فوجی لوگوں کو شکست ہو گی جس کا یقین ہے تو پھر ہم میں سے کسی کے جان و مال کی خیر نہیں ہے،[عہ] اس لئے بہتر ہے کہ محمد بن قاسم سے کسی قسم کا معاہدہ کر لیں،

چنانچہ ایک قاصد کے ذریعہ محمد بن قاسم سے یہ معاہدہ کیا کہ ایک دن ہم لوگ باہر نکل کر بظاہر جنگ کریں گے لیکن فوراً ہی پسپا ہو کر داخل قلعہ ہو جائیں گے، اور دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے گا، تم لوگ تعاقب کرتے ہوئے قلعہ میں پہنچ جانا،

محمد بن قاسم نے اہل الرائے کو جمع کر کے مشورہ کیا، موکا نے کہا کہ "یہ قلعہ بڑا مضبوط قلعہ ہے اگر یہ فتح ہو گیا تو دوسرے قلعہ والے بڑی آسانی سے مطیع ہو جائیں گے"، لوگوں نے بھی اس کی تائید کی، مگر محمد بن قاسم کی اولوالعزم طبیعت اس بزدلاپن سے فتح کرنے کو کسی طرح قبول نہیں کرتی تھی، اس لئے اس نے ایک نیا راستہ اختیار کیا، قاصد کو جواب دیا کہ تمہاری درخواست منظور ہے، تمام غیر فوجی شہری کو امان ہے، مگر حملہ کی کوئی تاریخ ابھی میں نہیں مقرر کرتا، بعد کو اطلاع دوں گا، پھر اس نے تمام حالات سے حجاج بن یوسف ثقفی کو اطلاع دی، جس کے جواب میں حجاج نے لکھا کہ ان لوگوں سے معاہدہ کر لو، اور جو معاہدہ کرو، اس کو پورا کیا کرو، سپہ سالار نے قلعہ کے شرفاء کو ایک خاص دن سے آگاہ کر دیا، اس دن اہل شہر نکل کر لڑے اور پھر بھاگ کر

قلعہ میں آ گئے، عربی فوج تعاقب کرتی ہوئی قلعہ میں داخل ہو گئی[1]

عربی فوج تمام فصیل پر قابض ہو گئی، اور پھر شہر کی سڑکوں کی طرف بڑھی، اس وقت تک قلعہ کے فوجی لوگوں کو اس کی اطلاع نہ تھی، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر سے اپنی موجودگی کا ثبوت دیا، قلعہ والے بڑی بدحواسی سے مختلف دروازوں سے بھاگ نکلے،

محمد بن قاسم نے یہ حکم جاری کر دیا کہ سوائے اس شخص کے جو مقابلہ پر آمادہ ہو کسی کو قتل نہ کیا جائے، چنانچہ تمام مسلح اشخاص گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے پیش کئے گئے، جنھوں نے اطاعت قبول کر لی، نہ صرف ان کو چھوڑ دیا گیا، بلکہ اہل وعیال کے علاوہ مال واسباب بھی واپس کر دیا گیا

رانی لاڈی

برہمن آباد ہی میں راجہ داہر کی رانی لاڈی بھی تھی، جو راجہ کے قتل کے بعد یہیں جگہ مقیم ہو گئی تھی، اس نے اپنے شہر اور عزیز واقربا کو چھوڑ کر کسی جگہ جانا پسند نہیں کیا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس قدر ممکن ہوگا، حفاظت اور مدافعت سے کام لوں گی، اور مسلمانوں کے فتح کر لینے پر چتا میں جل کر اپنے کو فنا کر دوں گی، اس لئے اس نے برہمن آباد پہنچکر اپنا خزانہ نکالا، اور اس سے سپاہی تیار کئے، اور اس طرح ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر لی جس سے اس نے ایک دروازے کی حفاظت کا کام لیا، لیکن اتفاق دیکھو کہ قلعہ پر اچانک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اور اس کو خبر بھی نہ ہونے پائی، اور دوسروں کی طرح یہ بھی گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائی گئی، سپہ سالار کو جیسے ہی اس کا علم ہوا، فوراً حکم دیا کہ عزت کے ساتھ پردہ میں ان کو الگ رکھا جائے،

کہا جاتا ہے کہ قیدیوں کی تعداد جو صرف بیت المال کے لئے پانچواں حصہ الگ کیا گیا بیس ہزار تھی، اس کے علاوہ باقی فوجیوں پر تقسیم کر دئے گئے، مگر تحقیقات کے بعد یا کسی صورت سے جب یہ پتہ چل گیا کہ یہ لوگ غلطی سے گرفتار ہوئے تو ایسے تمام لوگوں کو رہا کر دیا گیا، البتہ مسلح

[1] چچ نامہ ص ۸۷

فوجی علیم تقریباً چھ ہزار مقتول ہوئے.

رانی لاڈی کے متعلق ایک دوسری روایت چچ نامہ میں یہ درج ہے کہ محمد بن قاسم نے فتح کے بعد راجہ داہر کے رشتہ داروں کو تلاش کرایا، مگر کچھ پتہ نہ چلا، (غالباً خوف سے چھپ گئے ہوں گے) وہ مایوس ہو چکا تھا کہ دوسرے دن برہمنوں کی ایک بڑی تعداد بھدرہ کرا کر محمد بن قاسم کے سامنے حاضر ہوئی، اس نے ان کی وضع قطع کو دیکھا، اور پھر گھبرا کر پوچھا کہ تم لوگ کس فوج سے تعلق رکھتے ہو، انھوں نے کہا کہ ہم لوگ فوجی نہیں ہیں، بلکہ برہمن ہیں، اور راجہ کے یہاں ہم لوگ نوکر تھے، اب وہ مر گیا تو ہم لاوارث ہو گئے، کوئی ہمارا پرسان حال نہیں، اس لئے ہم حاضر ہوئے ہیں کہ اب آپ اس ملک کے حاکم ہوئے ہیں، تو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلائیں، اور جو حکم ہو اس کو بجا لائیں، سپہ سالار نے کہا کہ تم سب کو اس شرط پر امان دوں گا کہ داہر کے رشتہ داروں کو حاضر کر دو، چنانچہ انہی برہمنوں نے رانی لاڈی کو لا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا،[1]

رانی لاڈی جب گرفتار ہو گئی تو محمد بن قاسم نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس سے نکاح کر لینا زیادہ مناسب سمجھا، چنانچہ اس کی اطلاع حجاج بن یوسف ثقفی کو دی گئی، حجاج نے یہ عرضی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں دمشق بھیج دی،

غور وفکر کے بعد ولید نے بھی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو قبول کر لیا، محمد بن قاسم کو جب یہ اجازت مل گئی تو اس نے رانی لاڈی کو خرید لیا اور پھر آزاد کر کے شادی کر لی،[2]

رانی لاڈی کے متعلق چچ نامہ میں ایک اور روایت ہے، کہ قلعہ راور کے پاس جب جنگ میں راجہ داہر مارا گیا، تو اس وقت رانی لاڈی گرفتار ہوئی، محمد بن قاسم نے اس سے شادی کر لی، جب ایک لڑکے کی ماں ہو گئی، تو اس سے لوگوں نے دریافت کیا، کہ تم کو کس طرح گرفتار کیا گیا؟ اس نے کہا کہ

[1] چچ نامہ ص ۸۸ [2] ایضاً ص ۸۸

جب راجہ داہر جنگ مین جانے لگا تو اس نے ہر ایک رانی کو ایک ایک محافظ کے سپرد کر دیا، اور کہا کہ اگر مین مارا جاؤن تو ان سب رانیون کو تم قتل کر ڈالنا چنانچہ جب راجہ کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی تو میرے محافظ نے بھی مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر مین نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے نیچے گرا دیا، اور جنگ کی صفون مین گھس گئی میرے محافظ کی ہمت نہ پڑی کہ میرے پیچھے آئے، اس لئے میرے محافظ بھاگ گئے اور مین گرفتار ہو گئی،[1]

اگرچہ ان دونون مین سے کسی ایک کو صحیح ماننے کی میرے پاس کوئی دلیل نہین ہے مگر عقلی طور پر دوسری روایت مجھے صحیح نظر نہین آتی، کیونکہ یہ صحیح نہین ہے کہ باقی رانیان قتل کر دی گئین حالانکہ رانی بائی قلعہ ارور مین زندہ تھی، جو میدان جنگ ہی سے بھاگ کر قلعہ مین پناہ گزین ہوئی تھی، اور وہ اسی قلعہ مین چتا پر جل کر مر گئی، چنانچہ اس روایت کی تصدیق بلاذری سے بھی ہوتی ہے، اس نے لکھا ہے کہ

"راور بزور بازو فتح کیا گیا۔ اور وہین راجہ داہر کی بیوی موجود تھی۔ وہ گرفتاری کے خوف سے مع اپنی لونڈیون اور مال کے آگ مین جل مری۔"[2]

ملکی انتظام

اب محمد بن قاسم ضلع برہمن آباد کے انتظام مین مشغول ہو گیا، ملکی انتظام کے بعد مالی امور کی طرف متوجہ ہوا، جو لوگ مسلمان ہو گئے، ان کے حقوق عرب مسلمانون (فاتح قوم) کے مساوی سمجھے گئے، اور جن کو اس طرف رغبت نہ ہوئی تو مندرجہ ذیل طریقہ سے جنگی ٹکس (جزیہ) ان سے وصول کیا گیا،

(۱) مالدار اور دولت مندون سے فی کس ۴۸ درہم سالانہ (تقریباً ۱۲ روپے)

(۲) متوسط طبقہ والون سے ۲۴ درہم (تقریباً ۶ روپے سالانہ)

(۳) اور کم حیثیت لوگون سے ۱۲ درہم سالانہ (یعنی ۳ روپے)

[1] چچ نامہ ص ۹، [2] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن۔

ان حالات سے متاثر ہو کر کچھ لوگ بعد کو بھی مسلمان ہو گئے، باقی لوگون سے بھی فیاضانہ سلوک کیا گیا، چنانچہ کسی شخص کی کوئی جائداد ان سے جبراً نہیں لی گئی، یہان تک کہ برہمنون کے جو حقوق سلطنت کی طرف سے تھے، وہ بھی تسلیم کئے گئے، اور خاص سرکاری مالگزاری مین سے ایک رقم سالانہ (غالباً وظیفہ کی شکل مین) مقرر کر دی گئی، ایک لاکھ بیس ہزار درہم ان دس ہزار شہریون کو دئے گئے جن کا مال جنگ مین لٹ گیا تھا، تا کہ وہ اپنا حال درست کر لین[1]۔

قلعہ کا یہ انتظام کیا کہ ہر دروازہ پر ایک فوج مقرر کر دی جس کا افسر برہمن تھا ان افسرون کی بڑی عزت افزائی کی گئی، ان کو ایک گھوڑا مع ساز و براق کے عنایت ہوا، سندھی رسم کے مطابق ان کے ہاتھون اور پاؤن مین سونے کے کڑے پہنائے گئے، اور دربار عام مین ان کے لئے کرسی لگائی گئی مالگزاری وصول کرنے کے لئے بھی بطور عامل کے یہی برہمن مقرر ہوئے، ان کو ہدایت کی گئی کہ

"جہان تک ممکن ہو رعایا پر جبر و ظلم نہ کرین، ان کی طاقت سے زیادہ محصول، لگان، جزیہ نہ وصول کیا جائے، ہمیشہ آپس مین اتفاق رکھین اور رعایا کے لئے جو بات مفید ہو اس کی اطلاع دین، تا کہ اس پر عمل درآمد کیا جائے۔"

جس شخص کو جس عہدہ پر مقرر کیا، موروثی طور پر مامور کیا گیا، ان سے کہا گیا کہ

"رعایا اور حاکم کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنا تمہارا فرض ہے، اس کی ادائگی مین اگر تم کو کوئی نقصان پہنچائے تو سلطنت ہر طرح سے تمہاری حمایت اور امداد کے لئے تیار ہے۔"

ان احکامات سے عام برہمنون مین خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور وہ خود تمام ملک مین پھیل گئے اور گاؤن گاؤن پہنچکر لوگون کو اطاعت کا سبق دینے لگے۔

انھون نے کہا کہ

[1] چچ نامہ ص ۸۹

ہماری سلطنت تباہ ہوگئی اور فوجی طاقت جاتی رہی، اب ہم میں مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ یقیناً ہم گھر سے نکال دئے جاتے اور تمام جائدادوں سے محروم ہوتے، فقط حاکم قوم کی مروت اور عدل و انصاف سے ہم اس وقت بھی معزز عہدوں پر ہیں، اور ہر چیز ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ یا تو ہم لوگ اہل و عیال کو لے کر ہندوستان ہجرت کر جائیں، ایسی صورت میں ہم لوگ بالکل مفلس ہو جائیں گے، کیونکہ تمام جائدادیں یہی جگہ چھوڑنی پڑیں گی۔ اور یا پھر مطیع رہ کر جزیہ ادا کریں اور آرام و عزت سے زندگی بسر کریں:

اس تقریر سے تمام رعایا جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہوگئی، اور جوق جوق لوگ آکر اس کے متعلق ہدایات لینے لگے،

محمد بن قاسم نے اس کے علاوہ شہر اور گاؤں کے معززین کو فرداً فرداً بھی طلب کرکے ہر طرح سے اطمینان دلایا اور تسلی دی کہ تمہاری فریاد ہر طرح سے سنی جائے گی، اور تمہارا مشورہ قبول کیا جائیگا

برہمن آباد میں ایک بڑا عالیشان مندر تھا، جہاں بکثرت پجاری رہتے تھے، جب یہ فتح ہوگیا، تو قوانین جنگ کے مطابق ہر چیز پر پہرہ لگ گیا، اور لوگ اس قدر خوفزدہ ہوگئے کہ مندر میں آنا جانا بند ہوگیا، اس کے باعث مندر کے پجاری، مہنت اور دیگر خدام جن کا گذارہ اسی مندر کی بدولت تھا، فاقہ زدہ ہوگئے، اور حیران و پریشان تھے، اس درمیان میں ان کو معلوم ہوگیا، کہ محمد بن قاسم بڑا رحمدل انسان ہے، اس سے ان کو جرأت ہوئی، اور سب اس کے مکان پر پہنچے اور دہائی دینے لگے سپہ سالار کے دریافت کرنے پر انھوں نے اصل حقیقت سے آگاہ کیا، اور درخواست کی کہ مندر میں آنے جانے کی اجازت دی جائے، اور خوفزدہ لوگوں کو مطمئن کر دیا جائے، اس نے ہندوؤں سے اس معاملہ میں مشورہ لیا، انھوں نے بھی واگذاشت کرنے کا مشورہ دیا، لیکن بت پرستی اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، اس لئے ان کو اجازت دینے میں متردد ہوا، اور اپنی رائے سے اس معاملہ

میں کچھ کرنا اس نے پسند نہ کیا،

اس نے اس کے متعلق تمام حقیقت لکھ کر حجاج بن یوسف کے پاس عراق روانہ کر دی، اور جواب کا منتظر رہا، برہمن آباد کے تمام امور مالی اور ملکی انتظام سے فارغ ہوکر اس نے کوچ کر دیا، ابھی ایک ہی منزل گیا ہوگا کہ حجاج کا جواب آگیا، اس نے لکھا تھا۔

"تمہارا خط اور مضامین سے آگاہی ہوئی، برہمن آباد کے ہندو ملتجی ہیں کہ مندر کو آباد رکھنے اور اپنے آبائی مذہب پر عمل و درآمد کی اجازت دی جائے، جب وہ لوگ ہماری اطاعت قبول کرکے جزیہ ادا کرتے ہیں تو پھر ان کے مذہب یا خانگی معاملات میں ہم کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی جان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اور ان کے مال پر کوئی شخص دست اندازی نہ کرے، کیونکہ وہ سب ہماری حمایت اور پناہ میں ہیں[1]۔"

اس خط کے ملتے ہی اس نے وہاں قیام اختیار کیا، اور برہمن آباد کے معززین شہر اور پجاریوں کو بلا کر اطلاع دی کہ مندر میں ہر شخص بلا خوف و خطر اپنے آبائی مذہب کے مطابق عبادت کر سکتا ہے، اور کسی کو اس کام سے روکا نہ جائے گا، اس فرمان سے تمام لوگ مطمئن ہوگئے، اور مندر آباد ہوگیا، چلتے وقت معززین شہر کو بھی نصیحت کی، کہ مندر کی خدمت کرتے رہو، اور پجاریوں کو دستور قدیم کے مطابق ان کے نذر و نیاز قائم رکھو، آپس میں اتفاق رکھو، اور مسلمانوں کے ساتھ بلا تعصب مل کر رہو، تاکہ ملک میں امن رہے اور فساد نہ ہو،

پھر ان لوگوں سے جو تحصیل خراج کے لئے مقرر تھے، مخاطب ہوکر کہا کہ خراج میں سے تین فی صدی علیحدہ کر لیا کرو، اور وہ ان برہمنوں کو دو، جو مدد کے محتاج ہیں، اگر سال کے آخر میں کچھ بچت ہو تو سرکاری خزانہ میں داخل کیا جائے، اور اس بات کی بھی ہدایت کی کہ معززین اور عہدہ داران

[1] چچ نامہ ص ۹۰

کو بھی بوقت ضرورت مدد دی جائے، اور سرکاری خزانہ سے باقاعدہ ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائے (غالباً اس وقت تک تنخواہ ماہانہ کا دستور نہ تھا، بلکہ سالانہ کمیشن ملتا تھا) ان امور پر جو عہدنامے سپہ سالار کی طرف سے لکھے گئے، تمیم بن زید العتبی، اور حکم بن عوانہ کلبی ذمہ دار قرار دئے گئے[۱]،

یہ دیکھ کر کہ برہمنوں نے اپنے تمام حقوق حاصل کرلئے ہیں، پیروان بُدھ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مذہب کے مطابق ان کے علما (بھیا بھوگی) نے بھی ہر در پر مانگنے کا حق حاصل کر لیا،

سپہ سالار کی اس قدر رحم دلی سے شاید ہی کوئی طبقہ ایسا ہوگا جس نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، چنانچہ ملک کا سیاسی طبقہ بھی کسی سے پیچھے نہ رہا، اور اس نے یہ درخواست کی کہ برہمن آباد کا ملکی انتظام بھی ہمارے ہی ہاتھ میں دے دیا جائے، محمد بن قاسم نے اس کو بھی منظور کر لیا، اور تمام عربی عہدہ دار الگ کر کے ملک کا انتظام ملک ہی والوں کے سپرد کر دیا گیا، اور ان افسروں کو اس نے رانا کا خطاب دیا،

اس انتظام کے بعد محمد بن قاسم نے وزیر سی ساکر اور موکا کو طلب کیا، اور دریافت کیا کہ راجہ چچ اور راجہ داہر کے زمانہ میں لوہانہ جاٹوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا،

انھوں نے کہا کہ سمہ اور لاکھہ دونوں قبیلے لوہانہ کی جاٹ وحشی قومیں تھیں، اور تمدن سے دور رہتی تھیں، یہ لوگ لوٹ مار کے عادی تھے، اور حکام کی اطاعت سے بھاگتے تھے اسی لئے ان کو اطاعت پر مجبور کیا گیا، اب بھی ان قوموں کے ساتھ ذرا نرمی برتی جائے تو فوراً سلطنت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتی ہیں، یہ بحری ڈاکو بھی ہیں، اور دیبل والے ان کو خفیہ مدد بھی دیتے ہیں، چنانچہ مندرجہ ذیل قواعد ان کے متعلق نافذ العمل ہیں،

(۱) نرم کپڑے استعمال نہ کریں؛

[۱] چچ نامہ ص ۹۰۔

(۲) مخمل کی ٹوپی اور جوتا پہننا ممنوع ہے، بلکہ ننگے پیر اور ننگے سر ہو کر باہر نکلا کریں،

(۳) موٹے کپڑے کی ایک چادر کندھے پر ڈالا کریں، اور کمبل کا کرتہ اور ازار استعمال کریں،

(۴) جب گھر سے باہر نکلیں تو ایک کتا ساتھ رکھا کریں،

(۵)۔ ان کے سردار بھی گھوڑے پر زین کس کر نہ سوار ہوں، بلکہ ایک کمبل کس لیا کریں،

(۶) خلاف ورزی پر ان سے جرمانہ وصول کیا جائے،

(۷) راہبری کی جب ضرورت پڑے تو ان کا فرض ہے کہ راہبر مہیا کریں،

(۸) راستوں کی محافظت بھی انھی سے متعلق تھی، کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کے لئے وہ جواب دہ ہیں، اور قصور ثابت ہو جانے پر وہ مع اہل وعیال آگ میں جلا دئے جائیں،

(۹) ان کی بیکاری اور افلاس دور کرنے اور لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو یہ حکم دیا گیا تھا، کہ شاہی مطبخ کے لئے لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر مہیا کیا کریں۔

چنانچہ وہ اسی ہدایت کے مطابق آج تک یہ کام انجام دیتے ہیں، یہ سن کر محمد بن قاسم نے بھی یہی قوانین سیاسی مصلحت کی بنا پر قائم رکھے[۱]، اور ایران کے پہاڑی اور جنگلی وحشیوں کی طرح ان کے قابل نفرت ہونے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا،

ان کی سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نوکر کی ضرورت ہو تو غیر قوم میں سے ملازم نہیں رکھتے، بلکہ اپنی ہی قوم سے ملازم رکھیں گے، اور میرے خیال میں بعض میمن جو اسی قوم سے مسلمان ہوئے ہیں، اسی سبب سے آج تک اسی اصول پر قائم ہیں،

محمد بن قاسم نے سندھ میں ایک اور قانون جاری کیا، یعنی آبادی میں جب کوئی مسلمان آئے تو ایک دن ایک رات اس کو مہمان سمجھا جائے، اور ذمہ دار حکام اس کا انتظام کریں اور

[۱] چچ نامہ ص ۹۱۔

علیل ہونے کی صورت میں تین دن تین رات مہمان ہو،

اس وقت سپہ سالار فوج برہمن آباد سے ایک منزل کوچ کر کے جل والی ندی کے کنارے خیمہ زن تھا، ان تمام انتظامات کے بعد اس نے ایک رپورٹ حجاج کو بھیجی جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا۔

"میرے چچا زاد بھائی محمد بن قاسم! تم نے اپنی بہادری اور تدبر سے سندھ کے فتح اور ان پر حکمرانی کرنے میں جو تکلیف اٹھائی وہ قابل ستائش ہے تم نے ہر گاؤں اور ہر شہر سے معاہدہ کر کے قوانین کے مطابق خراج اور محصول ادا کرنے کا پابند بنایا، اس نے ہماری سلطنت کو مضبوط کر دیا، اب تم کون شہروں میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے، سندھ اور ہندوستان کے دارلخلافہ اروڑ اور ملتان مرکز ہیں، یقین ہے کہ ان میں قدیم زمانہ سے دولت جمع ہو، اس لئے ان کی طرف قدم بڑھاؤ، کوچ کے بعد جب پڑاؤ ڈالو تو اپنے خیمہ کے لئے اچھی جگہ منتخب کرو، جو لوگ نافرمان ہوں، ان کو فوراً قتل کر ڈالو خدا سے دعا ہے کہ تم ہمیشہ کامیاب رہو، تاکہ ہند کی سرحد چین سے تمہارے علم کے سایہ میں مل جائے، میں قتیبہ بن مسلمۃ القرشی کو تمہارے پاس مع فوج کے روانہ کرتا ہوں، اس وقت تک جس قدر کفیل (ضامن) تمہارے پاس ہوں، وہ ان کے سپرد کر دو۔

اے چچا کے لڑکے! تم کو ایسا نمایاں کام کرنا چاہئے کہ تمہارا نام روشن ہو، اور تمہارے دشمن ذلیل ہوں، ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بڑی مسافت ہے، جو تکلیف دہ بات ہے، ہم دانائی اسی میں ہے کہ تم ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیا کرو، اپنا ایک عام دستور یہ بنا لو کہ رعایا کے ساتھ نہایت لطف و کرم سے پیش آؤ، تاکہ دشمن بھی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں، اس لئے رعایا کو ہر وقت تسلی دیتے رہو"

عہدہ داروں کا تقرر | برہمن آباد کا سیاسی انتظام تو پہلے ہی کر چکا تھا، اب اندرونی تمدنی انتظام یہ کیا کہ

شہر کے چار معزز تاجروں کی ایک کمیٹی بنائی، اور دیوانی (مالی) عدالت اس کے سپرد کر دی، تاکہ جس قدر مالی مقدمے ہوں، وہ ان کے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق فیصل کریں، اور اندرون شہر میں امن قائم رکھنے کے لئے پولیس کمشنر کے عہدہ پر وداع بن حمید النجدی کو مامور کیا، جس نے ہر طرف چوکیدار اور سپاہی مقرر کر کے بدامنی کا انسداد کیا۔ کمیٹی کو آگاہ کر دیا گیا کہ کوئی اہم کام بغیر سپہ سالار سے مشورہ کئے فیصل نہ کیا جائے،

آپ چونکہ ملک کے دارالسلطنت فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے مناسب سمجھا کہ مفتوحہ ممالک کا خاطر خواہ اس طرح انتظام کیا جائے کہ بدامنی اور غدر کا موقع نہ مل سکے، اس نے سب سے پہلے وارس کے بیٹے نوبا کو بلا کر راور کا قلعہ دار بنایا، اور حکم دیا کہ وہاں پر خاص انتظام یہ کرو کہ جس قدر کشتیاں ملیں سب کو محفوظ رکھو، اور قلعہ کے سامنے سے جو کشتی ایسی گذرے جس پر اسلحہ ہوں یا مسلح آدمی ہوں ان کو گرفتار کر لو، نوبا جب راور پہنچا تو کشتیوں کا انتظام اس نے ابن زیاد عبدی کے سپرد کر دیا، اور نہر کے بالائی حصہ میں کشتیوں کے رہنے کیلئے جگہ مقرر کر دی، جہل بن سلیمان ازدی کو ان علاقوں پر مامور کیا، جو کیرج سے متصل تھے (یعنی سرحدی مقام کی حفاظت کا بندوبست کیا، تاکہ غنیم ادھر سے نہ آجائے) اور حنظلہ بن ابی بنانہ کلبی کو دہلیلا کا ناظم مقرر کیا، اور افسروں کو تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ ہر معاملہ کی ہوشیاری کے ساتھ خبر رکھا کرو، اور تحقیقات کے بعد ماہانہ رپورٹ ضرور بھیجو، اور باہم متحد اور متفق رہو، اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ممد و معاون ہو کر کام انجام دو،

سیوستان کے لئے ایک ہزار پیدل فوج روانہ کی جس پر قیس بن عبدالملک بن قیس المدینی اور خالد الفصادی کو افسر مقرر کیا اس کے بعد مسعود تمیمی، ابن شیبہ جدیدی، فراسی، عمار بکر یشکری، عبدالملک بن عبداللہ خزاعی، محرم بن علہ، اور علوفہ بن عبدالرحمٰن جیسے بہادر اور مدبر لوگوں کو

وبل اور نیرون کی حفاظت کے لئے بھیجا، تاکہ قوانین کے مطابق حکومت کرکے امن قائم رکھیں، ملیک نامی ایک غلام کی جان بازی دیکھ کر محمد بن قاسم نے اس کی یہ قدر افزائی کی کہ اسے ناظم بنا دیا، اور علوان بکری اور قیس بن ثعلبہ جو تجربہ کار لوگ تھے تین سو پیادہ کے ساتھ اس کی مدد کے لئے مقرر ہوئے، ان کے اہل وعیال بھی ان کے ہمراہی مین تھے، جو ساتھ رہے، غرض جن اطراف سے بدامنی یا غدر کا اندیشہ تھا، اور جاٹون کی سرکشی کا گمان تھا، وہان کا معقول بندوبست کیا گیا،[1]

برہمن آباد سے کوچ

۳ محرم ۹۵ھ جمعرات کے دن محمد بن قاسم یہان سے کوچ کرکے مقام منل مین پہنچا، جو ساوندری کے علاقہ مین تھا، ڈنڈا نامی جھیل کے مرغزار گر بھا مین مقیم ہوا، اس اطراف مین زیادہ تر بدھ مذہب کے لوگ آباد تھے، اسلامی فوج کے آتے ہی لوگ جوق جوق حاضر ہوکر اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرنے لگے، سپہ سالار نے تسلی دے کر کہا کہ تم لوگ اطمینان قلب کے ساتھ آزادی سے زندگی بسر کرو، فقط اس بات کا خیال رکھو، کہ سرکاری مالگزاری اور محصول وقت پر ادا ہو جائے، اور مسلمانون کی مہمانی تم پر ضروری ہے اور رہبری تمہارے فرائض مین شامل ہے،[2]

مالگزاری وصول کرنے اور دیگر باقی امور انجام دینے کے لئے ان پر چار سردار مقرر کئے گئے، جن کو چودھری کہتے ہین۔ ان مین سے ایک بدھ تھا، باقی برہمن تھے، اول کا نام بوادو تھا، باقی کا بدہی (بدھی)، بمتی (یا بمن)، دھاول (یا دھول)، یہان کی زراعت پیشہ قوم جاٹ تھی، جس نے بھی اطاعت کا اقرار کیا،

ان واقعات کی اطلاع جب حجاج کو دی گئی تو اس نے لکھا کہ

"یہ عام اصول یاد رکھو کہ جو لوگ نافرمان ہون وہ ضرور تباہ کر دئے جائین، یا کم از کم ان کے لڑکے لڑکیان کفیل کے طور پر اپنے قبضہ مین کر لئے جائین، اور فرمان بردار لوگون پر بیشک

[1] چچ نامہ ص ۹۲ [2] بلاذری ص ۴۳۹، علاقہ ساوندری کے لوگ تیسری صدی کے آخر مین مسلمان ہو گئے تھے دیکھو بلاذری

رحم وکرم کی نظر رکھنی چاہئے، ان کی جائدادیں ان کے قبضہ مین رہنے دیجائیں، دستکارون اور کاشتکارون پر سخت جزیہ مقرر نہ کیا جائے، بلکہ اگر یہ لوگ مصیبت زدہ ہون یا تنگدست ہوجائین تو جس قدر ممکن ہو ان کی امداد کی جائے، نومسلمون سے صرف عشر لیا جائے، ہر شخص کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ ہر قسم کا محصول وقت مقررہ پر اپنے اپنے حاکم کے پاس جمع کر دیا کرین"[1]

سپہ سالار یہان سے کوچ کرکے بہرادر مین مقیم ہوا، یہان اس نے سلیمان بن بنہان اور ابو فضہ قشوری سے حلف وفاداری لے کر برجند بن عمر اور بنی تمیم کی فوج کے ساتھ بھرج کی طرف روانہ کیا، تاکہ ان اطراف کا معقول بندوبست کرکے وہان امن قائم کیا جائے، اور رعایا کو لوٹ مار سے بچایا جائے، اور عمرو بن مختار الکبری حنفی کو ان پر سردار مقرر کیا،

اب یہان سے چل کر قوم تمہ کے حدود مین پہنچا، عرب لشکر جیسے ہی ان کی آبادی کے طرف پہنچا کہ وہ لوگ ناچتے گاتے اور ڈھول بجاتے نکلے، یہ دیکھ کر عرب لوگ متحیر ہوگئے، اور سوال کیا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ جواب دیا گیا کہ لوہانہ والون کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نیا حاکم آتا ہے تو اس کا اسی صورت سے استقبال کرتے ہین، جذیم (یا خریم) بن عمرو نے کہا کہ اب تو ہمارا فرض ہے کہ خدا کا شکر ادا کرین کیونکہ ان کے دلون مین ہماری اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے، محمد بن قاسم کو اس سادگی پر ہنسی آگئی، اس نے کہا کہ اچھا اس قوم کے تم ہی سردار بنائے جاتے ہو، اور لوہانہ والون کو حکم دیا کہ جذیم کے سامنے ناچین، اختتام پر جذیم نے بیس دینار (سونے کا سکہ) انعام دئے،

یہان سے کوچ کرکے سہتا (یا سمہ) کے پاس پہنچا، لوگ آمد کی خبر سن کر دوڑے آئے اور رحم ولطف کی التجا کی، اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اور ہر طرح سے اطمینان دلایا، اور عامل دلکشر مقرر کر دیا کہ سالانہ خراج وصول کیا کرے، اور ساتھ ہی ان سے ضامن بھی لئے اور

[1] چچ نامہ ص ۹۲،

ارور تک کے لئے راہبر حاصل کئے، چنانچہ کچھ راہبر فوج سے پہلے روانہ کر دئے گئے،

پایۂ تخت ارور کا محاصرہ

"ارور" ان دنوں پایۂ تخت اور سندھ میں سب سے بڑا شہر تھا، محمد بن قاسم کوچ کرتا ہوا اس شہر کے قریب پہنچ گیا، اس وقت یہاں کا حاکم راجہ داہر کا لڑکا گوپی تھا، اس نے شہر والوں سے یہ کہہ رکھا تھا کہ راجہ داہر مارا نہیں گیا ہے، بلکہ وہ ہندوستان چلا گیا ہے، اور دوسرے راجوں سے مل کر امداد کے لئے ایک بڑی فوج لے کر آ رہا ہے[1]، اس تسلی سے شہر والوں کی ہمت بندھی ہوئی تھی، گوپی اہل شہر کو اطمینان دلا کر فوجی تیاری میں مشغول تھا کہ محمد بن قاسم آ پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا، اپنا خیمہ فصیل سے ایک میل کے فاصلہ پر نصب کرایا، وہ ایک ماہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا، مگر ارور کے لوگوں نے اس کی مطلق پروا نہ کی، اس نے بھی بڑی بے پروائی کا اظہار کیا گویا کہ ارور فتح ضرور ہوگا، اس لئے لشکرگاہ میں ایک مسجد تیار کرائی، جہاں جمعہ کی باقاعدہ نماز ادا کی جاتی، اور خطبہ کے ذریعہ جہاد کا شوق پیدا کیا جاتا،

جب ارور والوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہے، اور داہر مدد کے لئے کوئی فوج لے کر ابھی تک نہیں آیا ہے، تو پریشان ہوئے اور لڑنے پر آمادہ ہو گئے، مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ لوگ فصیل پر آ کر کہنے لگے کہ شاید تم لوگوں کو موت یہاں لائی ہے عنقریب ہمارا راجہ داہر ہندوستان سے ایک بڑی فوج لے کر آ رہے ہیں، اس وقت اُدھر سے وہ اور اِدھر سے ہم لوگ قلعہ سے نکل کر تم کو کاٹ کر رکھ دیں گے،

محمد بن قاسم کو جب اس کی خبر ہوئی تو متحیر ہو گیا، کہ داہر کے مرنے کا ان لوگوں کو اب تک یقین نہیں ہے، اور اب وہ سمجھا کہ کیوں قلعہ والے اس قدر بے پروا تھے، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ رانی لاڈی کو جو اب اس کی بیوی ہو چکی تھی[2]

[1] چچ نامہ ص۱۹۵ [2] انہی سیاسی امور کے لئے رانی سے نکاح کر لیا تھا، ورنہ رانی سن رسیدہ اور کئی بچوں کی ماں تھی، اور محمد بن قاسم سترہ برس کا نوجوان لڑکا تھا، اور مالِ غنیمت میں سے نوجوان کم سن لڑکیاں بآسانی مل سکتی تھیں،

اس اونٹ پر سوار کرا کر فصیل کے پاس بھیجا جس پر راجہ داہر کے ساتھ اکثر سوار ہوا کرتی تھی،

رانی لاڈی کی نصیحت

اس نے لوگوں کو آواز دی، کچھ لوگ فصیل پر آ گئے، تو اس نے اپنا چہرہ ظاہر کر دیا، اور کہا کہ مجھے شناخت کرو، میں رانی لاڈی ہوں، راجہ داہر کی رانی، ہمارا راج لڑائی میں مارے گئے اور ان کا سر عراق بھیجا گیا، خدا کی یہی مرضی تھی، اب تم لوگ ناحق کیوں تکلیف اٹھاتے ہو، اور اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو، یہ کہہ کر چیخ ماری اور رونے لگی، لوگ رانی کی صورت دیکھ کر اور باتیں سن کر جان گئے کہ یہ مسلمان ہو گئی ہے، انھوں نے کہا کہ تو تو اِن چنڈالوں میں مل گئی ہے تجھ پر کچھ بھروسہ نہیں، ہمارا راجہ زندہ ہے، وہ جلد ہماری مدد کو فوج لئے آ رہا ہے، اس کے بعد لوگوں نے رانی کو لعنت ملامت کرنا شروع کر دیا،

جب محمد بن قاسم نے دیکھا کہ معاملہ حد سے گذر گیا، اور رانی کو اہلِ قلعہ ذلیل کر رہے ہیں تو اس نے فوراً واپس بلا لیا، اور افسوس کے لہجہ میں کہا کہ "قسمت ہی نے خاندانِ سلائج کے طرف سے منہ پھیر لیا ہے تو کوئی کیا کرے،" پھر مسلمانوں کو تاکید کی کہ بہادری سے لڑنا شروع کر دیں،

جوگن کا فیصلہ

جب محاصرہ کی سختی زیادہ ہو گئی تو اہل شہر پریشان ہو کر ایک جوگن کے پاس گئے جو ان دنوں شہر میں بہت مشہور جادوگرنی سمجھی جاتی تھی، اور کہا کہ ذرا تلاش کرو اور اپنے علم سے معلوم تو کرو کہ راجہ داہر کہاں ہے؟ اس نے ایک دن کی مہلت طلب کی جو دی گئی، وہ اپنے حجرہ میں چلی گئی، اور تین پہر دن گذرے تھے کہ اپنے حجرہ سے جائپھل اور سیاہ مرچ کی سرسبز و شاداب شاخ جس میں پھل پھول بھی تھے، لیکر نکلی، اور لوگوں کو بلا کر اس نے کہا کہ سندھ سے لے کر لنکا تک میں نے راجہ کو تلاش کیا، مگر کہیں اس کا پتہ نہ ملا، وہ اگر دنیا میں زندہ ہوتا تو ضرور میں اسے پا لیتی، دیکھو اس کے ثبوت میں لنکا سے یہ شاخ توڑ لائی ہوں، اب جاؤ تم لوگ اپنا بندوبست کرو، راجہ دنیا کے پردہ پر اب نہیں ہے،

یہ سن کر تمام شہر پر اداسی چھا گئی، اور یہ مشورہ کرنے لگ گئے کہ قلعہ غنیم کے سپرد کر کے رحم کی التجا کی جائے، کیونکہ محمد بن قاسم کی رحمدلی تمام سندھ میں مشہور ہے، اور اس وقت تک جن جن لوگوں سے عہد کیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہے، چنانچہ یہ رائے سب کو پسند آئی، اور ایک وفد لے جانے کی تدبیر سوچنے لگے،

گوپی کا فرار

جب یہ خبر گوپی کو ملی تو اس نے اپنا خاندان اور سارا کنبہ ساتھ لیا، اور رات کی تاریکی میں چپ چاپ جے پور[1] کے ارادہ سے قلعہ کے باہر نکلا، اور سامانِ سفر درست کرنے کے لئے قلعہ سے ایک منزل پر ایک گاؤں میں جا کر ٹھہرا، علافی خاندان کا ایک آدمی جو اس وقت تک بہ وفاداری کے ساتھ گوپی کے ہمراہ تھا، اس نے جب دیکھا کہ گوپی مجھے چھوڑ کر بھاگا جا رہا ہے تو تمام حالات لکھ کر ایک خط تیر کے ذریعہ عربی لشکر میں لوگوں کی آنکھ بچا کر پھینک دیا، لیکن یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ اس وقت لگا جب کہ گوپی نکل چکا تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور سپاہیوں کو ایک پُرزور حملہ کر کے جلد فتح کرنے کی ترغیب دی، مسلمان بھی اس مردانگی سے لڑے کہ شہر والوں پر دنیا تنگ ہو گئی،

ارور کی فتح

اہل شہر نے یہ دیکھ کر ایک وفد سپہ سالار کے پاس بھیجا جس نے جا کر یہ کہا کہ ہم کو آج سے پہلے راجہ داہر کے مرنے کا مطلق یقین نہ تھا، وہ مارا گیا، اور اس کا لڑکا بھی ہم کو چھوڑ کر بھاگ نکلا، اس لئے ہم لوگوں نے برہمنوں (حاکم قوم) سے قطعِ تعلق کر لیا ہے[2]، اور آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے قلعہ حوالہ کرنے کو تیار ہیں، آپ ہم لوگوں کو امان دیں،

اس کے جواب میں سپہ سالار نے کہا کہ ہم اس شرط پر تم کو امان دیتے ہیں کہ فوراً لڑائی بند کر دو، اور فصیل سے سب لوگ نیچے اتر آؤ، یہ سن کر وہ لوگ فصیل سے نیچے اتر آئے، اور دروازہ پر کھڑے ہو گئے،

---

[1] یہ تو یقینی امر ہے کہ جے پور سے مراد موجودہ جے پور نہیں ہے، کیونکہ یہ تو محمد شاہ کے عہد میں جے سنگھ نے آباد کیا تھا، اس کا دوسرا نام کوریج یا کیرج بھی ہے [2] اہل شہر کا کثیر حصہ بودھ مذہب کا پیرو تھا،

عرب کے متعدد سردار فوراً پہنچے اور کنجی (چابی) لے کر دروازہ کھول دیا[1]،

یہ روایت چچ نامہ کی ہے، لیکن یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب قلعہ والوں کے متعلق محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی میں ہیں کہ داہر زندہ ہے، قتل نہیں ہوا، تو محمد بن قاسم نے رانی لاڈی کو قلعہ والوں کے پاس بھیجا، تاکہ انھیں سمجھا کر اس بات کا یقین دلائے کہ راجہ قتل ہو گیا، چنانچہ رانی لاڈی قلعہ کے پاس گئی اور ان کو ناصحانہ طور پر سمجھایا کہ راجہ داہر میدانِ جنگ میں مارا گیا، اس لئے اب جنگ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، قلعہ والوں کو جب رانی کی زبانی یہ حال معلوم ہوا تو فوراً صلح پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ صلح ہو گئی اور قلعہ فاتح کے حوالہ کر دیا گیا،

یعقوبی کے الفاظ یہ ہیں:-

عربی	ترجمہ
حتی اتی الرور، وھی من اعظم مدائن السند	یہاں تک کہ وہ (محمد بن قاسم) الرور پہنچا اور یہ سندھ کے
فحاصرھم حصاراً شدیداً وھم لا یعلمون	بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا تھا، اس نے اس کا سخت محاصرہ
ان داھر قد قتل، فلما املھم، لعبث الیھم	کیا، مگر شہر والوں کو اس کی خبر نہ تھی کہ داہر قتل کر دیا گیا ہے لیکن
محمد بن قاسم بامرءة داھر، فقالت لھم	جب تنگ ہو گئے تو محمد بن قاسم نے داہر کی عورت کو بھیجا اس نے
ان الملک قد قتل فاطلبوا الامان فطلبوا	ان سے کہا کہ داہر مارا گیا، اور اب تم لوگ امان طلب کرو،
ونزلوا علی حکم محمد، وفتحوا لہ باب المدینۃ	چنانچہ وہ لوگ امان مانگ کر مطیع ہو گئے، اور دروازے کھول دیئے
فدخلھا ثم استخلف فیھا[2]،	محمد بن قاسم نے اس پر قبضہ کر کے اپنا نائب مقرر کر دیا،

اب رہی یہ بات کہ کیا واقعی ان لوگوں کو داہر کے قتل کی خبر نہ تھی، تو یہ بالکل صاف بات ہے کہ

---

[1] میرا خیال ہے کہ پایۂ تخت کا اصلی نام "ارور" ہے، عربوں نے اس پر الف لام داخل کر کے "الرور" بنا لیا چنانچہ یعقوبی نے یہی لفظ کو استعمال کیا ہے، لیکن لام اور رے دونوں قریب المخرج ہیں، اس لئے کثرتِ استعمال سے "لام" رے میں گر گئی اور "رور" ہو گیا، یہ آج کل سکھر ضلع میں واقع ہے [2] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ و ۳۴۷ لیدن؛

گوپی سنگھ نے قصداً اپنے باپ راجہ داہر کے مرنے کی خبر پوشیدہ رکھی، تاکہ فوج اور رعایا قوی دل ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں، لیکن جب اس نے دیکھا کہ اندرون قلعہ اور بیرون قلعہ دونوں طرف سے یہ راز فاش ہو گیا تو سوائے بھاگ جانے کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا،

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رانی لاڈی نے اس وقت قلعہ والوں سے گفتگو کی ہے جبکہ جو کچھ معاملہ رونما ہو چکا تھا، اور عام لوگوں میں گوپی سنگھ کے بھاگنے سے بے چینی اور مایوسی پیدا ہو چکی تھی،

بلاذری میں ہے کہ اروڑ کا شہر سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے، اور ایک پہاڑی پر آباد کیا گیا ہے، سپہ سالار نے کئی ماہ اس کا محاصرہ جاری رکھا، آخر مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہو گئی، اور قلعہ مع شہر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا ۔۔

(۱) شہریوں کو امان دی جائے، اور کوئی فرد ان کا قتل نہ ہو،

(۲) ان کے بدھ (دہار) برقرار رکھے جائیں،

محمد بن قاسم نے کہا کہ میرے نزدیک تمہارے "وہار" یہود اور نصاریٰ کے کنیسے اور آتش پرستوں کے معبد کی طرح ہیں[1]

محمد بن قاسم اپنی تمام فوج لے کر شہر میں داخل ہوا، گو رعایا بہت ہی خوفزدہ تھی، مگر خود فوج کا حال یہ تھا کہ ہر سپاہی اپنی تلوار میان میں لئے ہوئے تھا، فوج پھاٹک سے نکل کر بڑے بازار سے گذر رہی تھی کہ ایک مکان نظر آیا، جہاں مخلوق بھری ہوئی تھی، یہ بدھوں کا وہار (خانقاہ مع مندر) تھا، یہاں خوف زدہ لوگ اپنے بتوں سے دعائیں مانگ رہے تھے، اور اس کا نام "نو وہار" تھا،

محمد بن قاسم کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ "وہار" ہے، وہ یہ سن کر اندر داخل ہوا، دیکھا کہ سنگِ خام (مرمر) سے تراشا ہوا ایک گھوڑا ہے جس پر ایک آدمی سوار ہے، اس کے دونوں ہاتھوں

[1] بلاذری صفحہ ۴۳۹ لیدن،

میں سونے کے کنگن ہیں، اس نے ایک کنگن اتار لیا، اور پجاری سے دریافت کیا کہ اس کے ایک ہاتھ کا کنگن کیا ہوا؟ جواب دیا کہ آپ نے اتار لیا، محمد بن قاسم نے کہا کہ یہ تو تم کہتے ہو، مگر تمہارے خدا (بت) کو تو خبر بھی نہیں کہ کیا ہوا، پجاری نے سر جھکا لیا، اس نے ہنس کر کنگن واپس کر دیا، اور خود شہر کے انتظام میں مشغول ہو گیا، اس نے حکم دیا کہ غیر فوجی لوگوں کو ہر طرح کا امن ہے اور کوئی ان کو نہ ستائے، البتہ جو شخص مقابلہ کرے وہ قتل کیا جائے،

عفو عام

رانی لاڈی نے جب یہ حکم سنا تو اس نے کہا کہ یہاں کے لوگ تو سب کے سب تاجر، صنعت پیشہ اور کاشتکار ہیں، اگر ان پر ٹیکس لگایا جائے تو حکومت کو بڑی آمدنی ہوگی، اور خزانہ میں معقول رقم داخل ہو جائے گی،

اس سے محمد بن قاسم سمجھ گیا کہ رانی اپنے ہم وطنوں کو بچانا چاہتی ہے، اس نے اعلان کر دیا کہ رانی نے رحم کر کے تمام شہر والوں کو پناہ دی، پھر بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو برسر مقابلہ ہوئے اور گرفتار کر کے لائے گئے، ان کو قتل کا حکم دیدیا گیا، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں ایک عجیب بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں، دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ اس کا اظہار صرف سپہ سالار کے سامنے کروں گا، چنانچہ سپہ سالار کے سوال کرنے پر برہمن نے کہا کہ میں اس شرط پر ظاہر کروں گا کہ میرے اہل و عیال عزیزوں کے علاوہ میری بھی جان بخشی کی جائے، چونکہ اس کے طرز بیان اور متانت و سنجیدگی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ ظاہر کرے گا وہ کوئی اہم بات ہوگی، اور شاید کسی خزانہ کا پتہ بتائے اس لئے اس کی درخواست قبول کر کے اس کی خواہش کے مطابق تحریر دے دی گئی، اس نے اپنا مطلب حاصل کر کے اپنے بال کھولے، داڑھی اور مونچھ کے بال کھینچ کر لمبے کئے، پھر لپیٹ کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو گدی تک لے گیا، اور لگا ناچنے، وہ ناچتا جاتا اور کہتا جاتا کہ دیکھو کیسی عجیب بات ہے، آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو گا،

والی مقرر ہوا، اور مذہبی امور کی سرانجام دہی کے واسطے موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے، جو بہت بڑے پایہ کے عالم بھی تھے۔

فتح بابیہ محمد بن قاسم بیہان سے فارغ ہو کر آگے بڑھا، اور قلعہ بابیہ (دیا لنواریہ) پر پہنچا، یہ قلعہ دریائے بیاس کے جنوبی (یا مشرقی) کنارے واقع تھا، (موجودہ دریائے ستلج) یہ پرانا قلعہ شاہی خاندان کے ایک رکن کسکا[1] نامی کے ماتحت تھا، یہ راجہ داہر کا چچازاد بھائی، چندر کا بیٹا اور سلائج کا پوتا تھا، جنگِ داہر مین یہ شریک تھا، قتل داہر کے بعد بھاگ کر اس قلعہ پر قابض ہو گیا،

جب عرب بیہان بھی آپہنچے اور اس نے اپنے مین مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی، تو اپنے امیرون کو محمد بن قاسم کے پاس کچھ نذرانہ لے کر بھیجا، اور اپنے کفیل دے کر اظہارِ اطاعت کیا، محمد بن قاسم نے ان لوگون کی بڑی عزت کی، اور کسکا کے متعلق حالات دریافت کئے، انھون نے اس کے شاہزادہ ہونے کی تصدیق کی تو محمد بن قاسم نے کہا کہ اگر وہ میرے پاس آئے تو مین اس کی کافی عزت کرون گا، چنانچہ جب کسکا کو معلوم ہوا کہ سپہ سالار نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے تو وہ بھی دربار مین حاضر ہو گیا، جہان اس کی ہر طرح سے قدر و منزلت کی گئی، اس کو وزیر مال بنایا گیا، اور "مبارک مشیر" خطاب ہوا، اور دربار مین محمد بن قاسم کے تخت کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کی اجازت اس کو دی گئی، چونکہ وہ ایک فلاسفر اور صاحب علم بھی تھا اس لئے ملکی معاملات مین زیادہ تر اسی سے مشورہ لیتا، اس مقام کا انتظام ملکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) کو بھی اس معاملہ مین مغالطہ ہو گیا ہے، اس نے بھی ادھر اور لبغرور کو ایک ہی سمجھا ہے، لیکن الکامل جلد ۴ صفحہ ۲۶۲ لیدن مین ان دونون کا نام وارد حاطہ کے بعد بنفیر بھی تنبیہ کی وجود ہے جس سے دو شہر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، محمد بن قاسم حجاج کے مرنے کے بعد ملتان سے واپس آگیا ہے، اور بروقت خلافت کے حکم کا منتظر رہا ہوگا، اس لئے اسلامی ممالک سے قریب ترین جگہ اس نے رہنا پسند کیا ہوگا، اس کے علاوہ وہیں ملتان سے بعد وہ جس جگہ مقیم ہوا وہان سے جیلان فتح کرنے کیلئے فوج بھی روانہ کی، اور ظاہر ہے کہ اس نے ایسی جگہ کا انتخاب کیا ہوگا کہ بروقت فوج کو مدد دے سکے، غرض دونون باتون کے لئے راوڑ سے بہتر کوئی دوسری جگہ نہ تھی، لیس راوڑ ہی دوسرا نام لبغرور ہے، لیکن راوڑ کے نام سے کسی باعث عوام مین مشہور ہو گیا، جیسا کہ چچ نامہ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے،

[1] چچ نامہ کے ایک نسخہ مین اس کا املا کسکر ہے، اس لئے میرا گمان ہے کہ دراصل اس کا نام "کیکا سنگھ" نہ ہو،

بھی اس کے سپرد کیا گیا، اور تمام دیگر افسرون پر اس کو برتری دی گئی، محمد بن قاسم اس کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہوا، اور دریائے بیاس پار ہو کر قلعہ اسکلندہ کے سامنے جا پہنچا، قلعہ والے بھی نکل کر لڑنے کو تیار ہو گئے، اس قلعہ کا حاکم ملتان کے ناظم کا بھتیجا تھا، جو داہر کے مرنے پر خود مختار ہو گیا تھا،

فتح اسکلندہ سب سے پہلے عرب فوج کا مقدمہ (ہراول) پہنچا، جو زائدہ بن عمیرہ الطائی اور راج کمار کسکا کے ماتحت تھا، چونکہ غنیم بالکل سر پر آگیا تھا، اس لئے محمد بن قاسم کا انتظار کئے بغیر جنگ پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ دونون فوجون نے ایک دوسرے پر حملہ کر کے خوب دادِ مردانگی دی، اور بڑی خونریز جنگ کے بعد غنیم شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا، مسلمانون نے فوراً محاصرہ کر لیا، غنیم نے مضبوطی سے تمام پھاٹک بند کر دئے، اور فصیل پر سے تیر اور منجنیق کے ذریعہ پتھرون کی وہ بارش کی کہ فصیل کے پاس جانا مشکل ہو گیا، اس نے سات رات دن اس استقلال سے جنگ کی کہ کسی نے آج تک مسلمانون سے جم کر ایسا مقابلہ نہیں کیا تھا، لیکن عربون کے استقلال اور جوابی حملون کی شدت نے اس کو حواس باختہ کر دیا، اور آخر والیِ اسکلندہ کو اسی مین نجات نظر آئی کہ رات کو وہان سے بھاگ کر اپنے نزدیک کے "سکہ" نامی قلعہ مین چلا گیا، شہر والون نے جب دیکھا کہ حاکم بھاگ گیا، اور بے پناہ شہر دشمنون کے سامنے ہے تو انھون نے آدمی بھیج کر اطاعت قبول کر لی، اور شہر حوالہ کر دیا، تمام شہری محفوظ رہے، لیکن قلعہ والے فوجی تقریباً چار ہزار مارے گئے، اور ان کے اہل و عیال گرفتار کر لئے گئے،

قلعہ فتح ہونے کے بعد اس نے ملکی انتظام کے لئے عتبہ بن سلمی تمیمی کو یہان کا حاکم بنایا، مالگزاری اور جزیہ کی تشخیص کر کے قلعہ سکہ کے طرف روانہ ہو گیا، جو ملتان سے بہت ہی قریب تھا، یہان کا حاکم "بجھرا" (بجے راے) کا نواسہ تھا، سلطنت کے زوال کا اس کے دل پر بڑا گہرا اثر تھا، اس کے دل مین بڑی غیرت تھی، اسی لئے عربون کے آمد کی خبر سنتے ہی اپنی فوج لے کر روانہ ہو گیا اور شام تک پر زور مقابلہ کرتا رہا، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، تو قلعہ مین واپس آیا،

فتح سکہ

اس کامیاب حملہ نے اس کی ہمت بڑھادی، اور اسی طرح سترہ دن تک وہ مسلمانوں سے لڑتا رہا، اس جنگ مین مسلمانون کے دوسو پندرہ سپاہی اور پچیس افسر شہید ہوئے، اہل سکہ بھی اسی طرح بے شمار مارے گئے، اور بڑے بڑے قوتِ بازو اس کے کام آگئے، اس سے حاکم کے دل پر مایوسی طاری ہوگئی، اور اپنے پیشرو کی طرح رات کی تاریکی مین خاموشی کے ساتھ اہلِ شہر کو چھوڑکر ملتان چلا گیا، عربون نے آخر اس کو فتح کرلیا، بہترین بہادرون اور افسرون کے مارے جانے کا غم تمام مسلمانون کو تھا، اور اس غصہ مین شہر سکہ کو برباد کردیا گیا، بلاذری نے لکھا ہے کہ آج کل ویران ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد مین اس کے کچھ آثار باقی تھے[1]، اب تو اس کے نام سے بھی لوگ واقف نہیں،

اس وقت تک سندھ کے جس قدر ممالک فتح کئے گئے کسی مین محمد بن قاسم نے ایسی سختی کا اظہار نہیں کیا تھا، جیسا اس وقت ظہور مین آیا، مگر یہ عیب فقط محمد بن قاسم جیسے رحمدل کے لئے ہے، ورنہ دنیا کے تمام فاتح اس سے زیادہ کرچکے ہین، اور اس کے مقابلہ مین تو یہ کچھ بھی نہیں،

فتح ملتان

اب محمد بن قاسم مفتوحہ ممالک کا انتظام کرکے دریاے راوی (موجودہ چناب) سے پار اترا[2]، جو سکہ اور ملتان کے درمیان واقع تھا، اور سکہ کے شمال جانب بہتا تھا، فوج ٹھیک ملتان کے سامنے گھاٹ پر اتری، سپہ سالار نے فوراً فوجی ترتیب دے کر فوج کو جنگ کے لئے آمادہ کرلیا، غالباً اس کو خبر لگ گئی ہوگی کہ غنیم مقابلہ کے لئے آرہا ہے، چنانچہ تھوڑے وقفہ کے بعد ملتانی فوج نمودار ہوئی، جو زیر کمان والیِ سکہ تھی، غالباً اس نے ارادہ کرلیا تھا، کہ سکہ کی شکست کا بدلہ عربی فوج سے یہان لے گا، اس نے بڑا زبردست حملہ کیا، اور اس سختی سے کیا کہ اگر عربی فوج تجربہ کار نہ ہوتی تو اس کے شکست کھانے مین کوئی شبہ نہ تھا، یہ جنگ شام تک ہوتی رہی، مسلمانون کے مشہور افسر

[1] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن [2] بلاذری مین راوی کی جگہ بیاس لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین راوی کو بیاس کا معاون سمجھتے تھے،

زائدہ بن عمیرہ الطائی نے اس جنگ مین شہادت پائی، اور اس شہادت نے مسلمانون مین ایسا جوش پیدا کردیا کہ ہر مسلمان سرفروشی کے لئے تیار ہوگیا، چنانچہ ایک پرزور حملہ کرکے غنیم کو فرار ہونے پر مجبور کردیا، جنھون نے قلعہ مین جاکر پناہ لی[1]،

چچ نامہ مین ہے کہ دوسرے دن بھی قلعہ سے باہر نکل کر ملتانی فوج حملہ آور ہوئی مگر پسپا کردی گئی، اور پھر قلعہ سے باہر نکلنے کا ان کو حوصلہ نہ ہوا، اور فصیل سے تیر پتھر وغیرہ برسانے لگے،

عربون نے یہ دیکھ کر قلعہ کا محاصرہ کرلیا، بیس روز تک محاصرہ رہا، مگر کسی نے بھی فتح کا دروازہ نہیں کھولا، اب عربی فوج پریشان ہونے لگ گئی، ارور، نیرون، برہمن آباد جہان عربون کے مرکز تھے، وہان سے یہ مقام دور تھا، سامانِ رسد ختم ہوگیا، آس پاس کا راستہ نامعلوم، ملک ریگستان یا کمیاب، غرض نوبت یہان تک پہنچی کہ لوگ باربرداری کے گدھے ذبح کرکے کھانے لگے، اور ان کی قیمت گھوڑون سے زیادہ ہوگئی، چنانچہ ایک ایک گدھے کی قیمت پانچ سو درہم سے زیادہ تھی، آخر ایک سندھی نے ایک نالہ کا پتہ دیا جو مقام بسند کے چشمہ سے نکل کر ایک جھیل مین جمع ہوتا تھا، اور ملتان کے شہری اسی سے فائدہ اٹھاتے تھے، لوگ اس کو تلاح یعنی نالہ کہتے تھے، مسلمانون نے اس پانی کا رخ بدل دیا، ملتانی پیاسے مرنے لگے، مجبوراً قلعہ سے باہر نکل کر جنگ پر آمادہ ہوگئے[2]،

ملتان کی حکومت اس وقت گور سنگھ کے ہاتھ مین تھی، جو راجہ داہر کے بھائی چندر کا لڑکا تھا، اس نے دیکھا کہ ملتان کی فوج لڑتے لڑتے تھکی جارہی ہے، اور کسی جگہ سے کوئی امید نظر نہیں آتی، جہان سے کمک ملے، آخر اس نے یہ ارادہ کرکے کہ راجہ کشمیر کے پاس جائے اور امدادی فوج لاکر عربون کو شکست دی جائے، رات کی تاریکی مین ملتان سے چل دیا، لیکن ملتانی فوج پر اس کا

[1] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن [2] بلاذری نے لکھا ہے کہ جب پیاسے مرنے لگے تو مجبور ہوکر اطاعت قبول کرلی، لیکن چچ نامہ مین وہ لکھا ہے جو ہم نے متن مین تحریر کیا ہے،

کچھ اثر نہ ہوا، سپاہی روزانہ کی طرح جنگ کرتے رہے عربون نے گو اس سے قبل چھ چھ ماہ تک قلعون کا محاصرہ جاری رکھا تھا، مگر یہان کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پریشان ہو گئے تھے، اور بڑی بیچینی سے قلعہ کے ایک ایک کونہ کو دیکھتے تھے کہ جہان کہیں بھی کوئی رخنہ نظر آئے تو گھس پڑین اور فتح کرکے اپنے کو فاقون سے نجات دین،

ایک دن اتفاقاً ایک شخص قلعہ سے نکلا، جو گرفتار کر لیا گیا، اس نے پناہ مانگی، اس کو پناہ دی گئی، اس سے قلعہ کا حال دریافت کیا گیا، اور وہ مقام معلوم کرنے کی کوشش کی گئی جو کمزور ہو اور باسانی اسے توڑ کر قلعہ کے اندر جا سکین، چنانچہ اس نے ایک جگہ شمالی جانب دریا کے کنارے کی طرف اشارہ کیا، محمد بن قاسم نے منجنیق اسی طرف نصب کرا کر دو تین دن تک اس قدر پتھر برسائے کہ آخر وہ دیوار ٹوٹ گئی، اور راستہ نکل آیا،

ملتانی فوج نے جب یہ دیکھا کہ دیوار شکست کے قریب ہے، تو دروازہ کھول کر نکل آئی، اور بہت سخت حملہ کیا، مسلمان تو اس کے منتظر ہی تھے، انھون نے جم کر ایسا سخت مقابلہ کیا کہ کسی طرح ملتانی ٹھہر نہ سکے اور اس بدحواسی سے بھاگے کہ تعاقب کرنے والے عربون کا بھی خیال نہ رہا، شہر کا پھاٹک کھلا رہ گیا، اور عرب فاتحانہ اندر داخل ہوئے، غرض مسلمان دونون طرف سے شہر مین داخل ہوئے، امن پسند شہری ہر طرح سے محفوظ رہے، البتہ مسلح فوجی سپاہی جو برسرپیکار تھے، تقریباً چھ ہزار مارے گئے[1]، اور ان کے اہل و عیال گرفتار کر لئے گئے، لوٹ کا مال جمع ہوا اور

---

[1] بلاذری مین مندر کے پجاری جو قتل کئے گئے چھ ہزار لکھا ہے جو کسی طرح عقل مین نہیں آتا، درحقیقت واقعہ یہ ہوگا کہ مسلح فوجی لوگ شکست کھا کر مندر مین جمع ہو گئے ہون گے یا خود مندر کے مسلح محافظ ہون گے، ورنہ غیر مسلح امن پسند مندر کے پجاری چھ ہزار کی تعداد کو محمد بن قاسم جیسا نرم دل فاتح قتل کرا دے، اس کے اخلاق اور حالات کو دیکھتے ہوئے ناممکن نظر آتا ہے، چچ نامہ کے مصنف نے چھ ہزار کے ساتھ لفظ مردانِ جنگی کا استعمال کیا ہے، جس سے میرے قیاس کی تائید ہوتی ہے،

تمام سپاہیون پر تقسیم ہو گیا، ہر سپاہی کے حصہ مین سوا سو درہم آئے، اور ہر سوار کو چار سو درہم ملے[1]، یہ واقعہ سنہ ۹۵ھ کا ہے،

ملتان کا خزانہ

حجاج بن یوسف ثقفی نے فتح سندھ کی اجازت لیتے وقت خلیفہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فتح سندھ پر جس قدر خرچ ہوگا، اس کی دونی رقم خزانہ مین داخل کر دون گا، محمد بن قاسم کو بھی یہ بات معلوم تھی اور وہ بھی ہر فتح کے بعد خزانہ مین ایک رقم بھیجتا رہا، محمد بن قاسم نے یہ رقم کب کی ادا کر دی ہوتی، لیکن وہ اس قدر رحمدل فاتح تھا کہ فتح کے بعد سندھیون کے ساتھ ایسی ایسی رعایتین اور فیاضیان کرتا کہ خود اس کے پلے کچھ نہ پڑتا، فتح ملتان مین سپاہیون نے بڑی تکلیف اٹھائی تھی، اس لئے اس جگہ سپاہیون کی دلدہی کی گئی، اور خوب دیا گیا، ایسی صورت مین قدرتی طور پر یہ بات ظہور مین آئی کہ جس قدر خزانہ مین داخل ہونا چاہیے تھا نہ ہوا، محمد بن قاسم کو اس کی بڑی فکر تھی، وہ اسی سوچ مین تھا کہ ایک برہمن حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ ہمارا زوال ہو گیا، اور دیکھتا ہون کہ خدا ہر کام مین آپ کا معاون ہے، اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی مخالفت بے سود ثابت ہوگی، اس لئے میرا فرض ہے کہ آپ کی اطاعت کے ساتھ ہر قسم کی امداد کرون، زمانۂ قدیم مین کشمیر کا ایک شاہزادہ یہان کا حاکم تھا جس کا نام "جے باوین" تھا، اپنے آخر زمانہ مین ترک دنیا کرکے عابد ہو گیا تھا، اور شب و روز کی ریاضت سے اس مین زہد و اتقا کے آثار پیدا ہو گئے تھے، اس کی دینی اور دنیاوی دونون طاقتون کے باعث

---

[1] چچ نامہ مین جو رقم ساٹھ ہزار بتائی گئی ہے، اس حساب سے سوارون کی تعداد صرف ۱۵۰ ہوتی ہے، اور یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے، کہ ملتان جیسے شہر پر صرف ایک سو پچاس سوارون سے حملہ کیا ہو، اور آگے چل کر خود سوارون کی تعداد پچاس ہزار لکھی ہے، اس لئے دو باتون مین سے ایک معلوم ہوتی ہے، یا یہ کہ ساٹھ ہزار کی رقم نہیں بلکہ ساٹھ لاکھ ہوگی، اس صورت مین سوارون کی تعداد پندرہ ہزار ہو جاتی ہے، جو قرین قیاس ہے، غالباً مصنف یا کاتب سے سہو ہو گیا ہے، یا اگر مکتوبہ رقم کو صحیح تسلیم کر لین، تو ماننا پڑے گا کہ سوارون مین سے صرف ان سوارون کو انعام دیا گیا، جنھون نے اس جنگ مین کارنمایان انجام دیا تھا جن کی تعداد ۱۵۰ تھی،
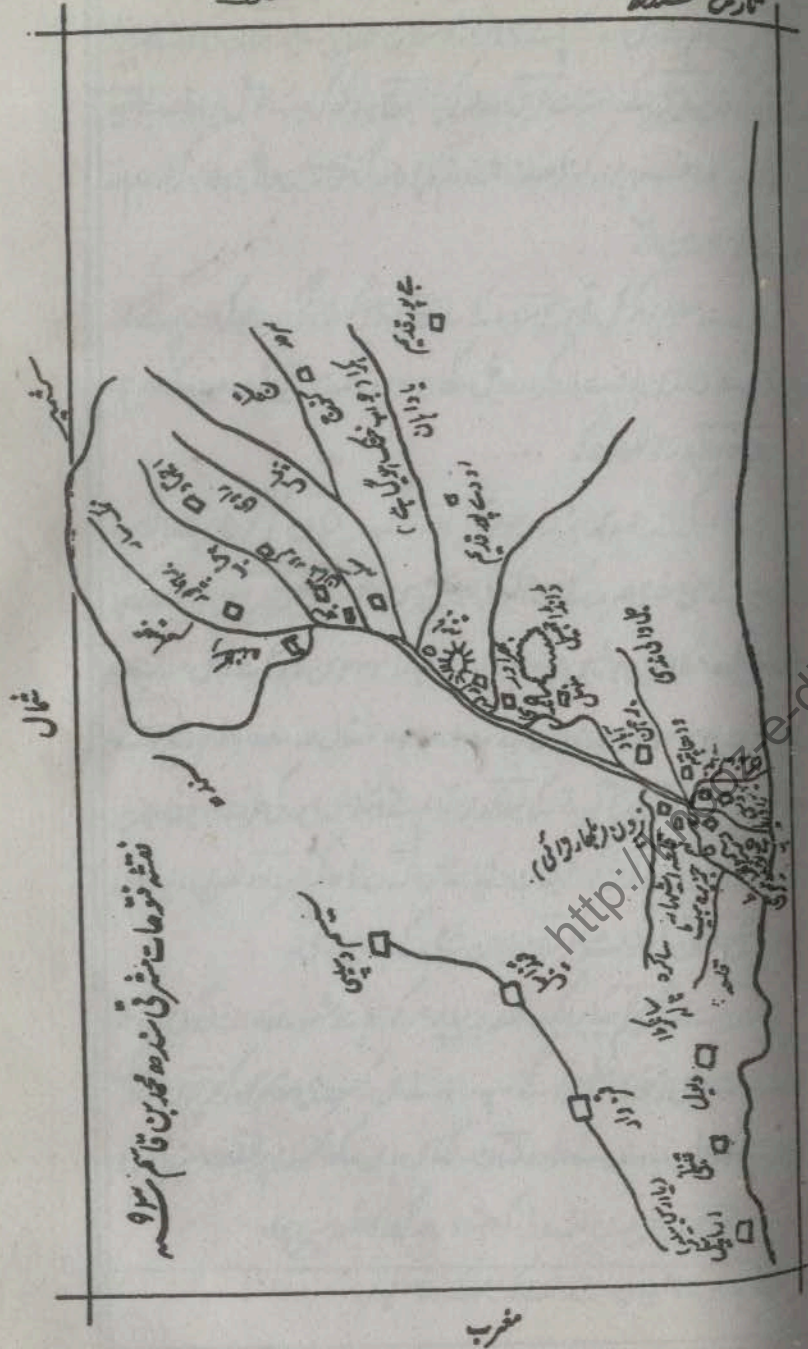
کسی راجہ کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی،

چند سال کے بعد اس کے پاس بڑی دولت جمع ہو گئی، اور ہمسایہ راجون مین سے کوئی اس کا ہمعصر دولت مین نہ تھا، راجہ نے دولت کی فراوانی دیکھ کر شہر کے مشرق جانب ایک حوض تیار کرایا، جو ایک سو گز کے دور مین تھا، اور اس کے وسط مین ایک خوبصورت مندر بنوایا جس کا دور پچاس گز تھا، اس مندر مین ایک کمرہ دس گز لمبا آٹھ گز چوڑا بھی تھا، اس مین سونے کی خاک کے چالیس مٹی مٹکے رکھ دئے، اس کے ساتھ دو سو تیس من سونا رکھ کر اوپر سے اس کو پاٹ دیا، اور اس پر ایک مندر تعمیر کرکے سونے کی مورتی (بت) نصب کر دی، اور حوض کے گرد درخت لگوا دئے جو آج تک موجود ہین،

محمد بن قاسم اٹھ کھڑا ہوا اور برہمن کو ساتھ لے کر وہان پہنچا، محمد بن قاسم نے تاریکی مین ایک شخص کو محسوس کرکے تلوار کھینچ لی، وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ برہمن نے کہا کہ صاحب! وہ بت طلائی یہی ہے جس کی آنکھین یاقوت کی ہین، جو اندھیرے مین روشن نظر آتی ہین، مورتی وہان سے ہٹائی گئی تو دروازہ نظر آیا، اندر سے ۲۳۰ من سونا خالص، اور تیرہ ہزار دو سو (۱۳۲۰۰) من خاکِ طلا تانبہ کے مٹکون مین ملی،[1]

اسی درمیان مین حجاج کا خط پہنچا کہ

"اے چچا کے لڑکے! تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری روانگی سے پہلے مین نے خلیفہ سے یہ عہد کیا تھا کہ بیت المال سے جس قدر روپیہ اس مہم مین خرچ کیا جائے گا، اس کی دونی رقم داخل کر دی جائے گی؛ اس عہد کا پورا کرنا ہم پر فرض ہے، اپنی فتوحات کا دائرہ ہمیشہ وسیع کرتے رہو، اشاعت اسلام کا خاص خیال رکھو، جو بڑا یا قدیم شہر ہو وہان مسلمانون کے لئے مسجد ضرور تعمیر کیا کرو۔

---

[1] چچ نامہ ص ۱۰۱،

محمد بن قاسم نے اس خط کے پاتے ہی خزانہ کا سونا مع طلائی بت اور ملتان کی لوٹ کا پانچواں حصہ کشتی کے ذریعہ دیبل کے راستہ سے عراق روانہ کر دیا، حجاج یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور بے اختیار کہہ اٹھا کہ اب ہمارا غصہ فرو ہوا، کیونکہ صرف شدہ رقم کا پورا دوگنا خزانہ میں داخل ہوا، چھ کروڑ درہم اور داہر کا سر ہم کو نفع میں ملا۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کل رقم جو فتح سندھ کے لئے محمد بن قاسم کو دی گئی، وہ چھ کروڑ درہم تھے، اور محمد بن قاسم نے خزانہ میں پورے بارہ کروڑ داخل کئے، جو موجودہ عہد میں تین کروڑ روپئے کے برابر ہے،

ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ

اس خزانہ کی اس عہد میں بڑی دھوم مچی اور لوگ ملتان کو فرج بیت الذہب کہنے لگے جس کے معنی سنہری سرحد کے ہیں، کیونکہ محمد بن قاسم بن یوسف نے جو حجاج بن یوسف کے بھائی کا لڑکا تھا، ایک مکان میں چالیس بھارا سونا پایا، اور بھارا ۳۳۶ من کا ہوتا ہے، اس حساب سے کل بھارا میں ۱۳۴۴۰ من سونا ہوا جس کے ۲۳۹۷۶۰۰۰ مثقال اور ۳۵۹۶۴۰۰ درہم ہوئے۔[2]

سرحدی قلعوں کی ... ملتان فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے انتظامی امور کی طرف توجہ کی، جزیہ اور خراج کی تشخیص کی، لوگوں کو اطمینان دلایا، خاص ملتان کا حاکم امیر داؤد نصر بن ولید عمانی کو بنایا، اور ضلع ملتان کی حکومت عکرمہ بن ریحان شامی کے ہاتھ میں دی،

ملتان سے آگے جہلم دریا پر ایک قلعہ "برہما پور" کے نام سے مشہور تھا، ان لوگوں نے جب ملتان کی حالت دیکھی تو خود ہی مطیع ہو گئے، سپہ سالار نے اس کو سرحدی مقام سمجھ کر خزیم بن عبد الملک تمیمی کو یہاں کا والی بنایا، اس کے علاوہ ملتان کے آس پاس کے قلعوں پر مختلف معتبر آدمی مقرر کئے، چنانچہ احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو اجتہاد اور کرور کا قلعہ سپرد ہوا،

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۴ لیدن [2] المسالک والممالک ص ۵۶ لیدن،

ان انتظامات سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نے فوج کو کچھ دنوں کے لئے آرام دیا، جس کی تعداد پچاس ہزار (سوار) تھی، اور اسی لئے خود بھی ملتان میں مقیم رہا،

کنوج کا ارادہ اس وقت راجہ داہر کا تمام مقبوضہ محمد بن قاسم کے تصرف میں آچکا تھا، شمال میں کشمیر کی سرحد، جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بلوچستان، (مکران)، مشرق میں دریائے راوی، اس لئے اب اس کی نظر سندھ سے باہر جانے لگی، اور اس نے قنوج (کنوج) کا ارادہ کیا، یہ قنوج (کنوج) کی ریاست سندھ کی سرحد سے لے کر پنجاب، بنگال اور بنگال کے درمیان تھی، اور بہ نسبت دیگر شہروں کے ملتان سے اس کی سرحد زیادہ قریب تھی، یہاں کا راجہ خود مختار تھا، اور سندھ کے فتوحات کے جو اسباب پیدا ہو گئے تھے، وہ باقی نہ رہے تھے، کیونکہ راجہ قنوج (کنوج) کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تنازعہ نہ تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے ایک عریضہ خلیفہ کی خدمت میں ارسال کر کے اجازت طلب کی، خلیفہ ولید بن عبد الملک متوفی سنہ ۹۶ھ نے بڑی خوشی سے اس کی اجازت دے دی، اور ایک خط راجہ قنوج (کنوج) کے نام تحریر کر کے بھیجدیا کہ اپنے سفیر کی معرفت راجہ تک پہنچا دے،

محمد بن قاسم نے دس ہزار فوج کے ساتھ ابو حکیم شیبانی کو سفیر بنا کر روانہ کیا، چلتے وقت کہا کہ راجہ کے دربار میں پہنچکر پہلے خلیفہ کا خط دینا، اور زبانی بھی پہلے اسلام کی دعوت دینا، نہ مانے تو جزیہ اور خراج کے ساتھ اطاعت پر مائل کرنا، اس سے کہنا کہ سمندر سے لے کر کشمیر کی حد تک تمام راجوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے، اور جو کچھ جواب ملے، اس کی اطلاع فوراً مجھے کرنا،

شیبانی دس ہزار فوج لے کر قنوج کی طرف چلا، جہاں کے راجہ کا نام جنیل راے تھا، وہ اودے پور پہنچا تھا کہ راہ کی مشکلات کو دیکھ کر وہیں ٹھہر گیا، غالباً وہاں کے راجہ نے غیر ملکی فوج کو اپنے ملک میں راستہ دینے سے انکار کر دیا ہوگا، اس لئے اپنی طرف سے زید بن عمر کلابی کو سفارت پر روانہ کیا:

ادھر محمد بن قاسم نے ملتان سے کوچ کیا، اور کشمیر کی سرحد پر پہنچا، ان درختوں کا معائنہ کیا، جن کو چچ نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا، دریائے جہلم کے ابتدائی پانچ چشمے اسی جگہ سے نکلے ہیں، اس وقت یہ کشمیر کی حد میں شامل ہیں، محمد بن قاسم معائنہ کے بعد سرحدی نشانات مستحکم کر کے ملتان واپس آیا،

اسلامی سفارت جب راجہ قنوج کے دربار میں پیش ہوئی تو خلیفہ کا خط پڑھ کر راجہ برہم ہوا، اس نے کہا کہ تقریباً ایک ہزار چھ سو برس سے یہاں کی حکومت ہمارے خاندان میں چلی آتی ہے اور کسی کو ایسی جرأت نہ ہوئی، دوسرے راجوں نے تمہاری بات سن لی ہو، تو وہ سن لیں، مگر کیونکر ممکن ہے کہ ہم خون کا ایک قطرہ گرے بغیر ملک تمہارے سپرد کر دیں، سفیروں کا خون بہانا ممنوع ہے، ورنہ تم زندہ واپس نہ جاتے، جاؤ اور اپنے آقا سے کہدو کہ تلوار ہی اس کا صحیح فیصلہ کرے گی،

محمد بن قاسم کو جب یہ پیغام ملا تو اپنے معزز افسروں اور مشیروں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور خدا کی راہ میں بہادری کے ساتھ جان دینے کے لئے سب کو آمادہ کیا، اور ساتھ ہی قنوج کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا، لیکن ابھی کوچ کرنے نہ پایا تھا کہ ایک عجیب حادثہ پیش آیا،

حجاج کی موت حجاج بن یوسف ثقفی جو اس وقت تک اس کا بڑا سرپرست تھا، شوال ۹۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، اس واقعہ سے محمد بن قاسم بڑا متاثر ہوا، کیونکہ سندھ کا علاقہ عراق کے حاکم اعلیٰ کے ماتحت تھا، سب سے بڑا اندیشہ یہ تھا کہ خدا جانے اب کون حاکم اعلیٰ ہو، اور اس کی پالیسی اس صوبہ کے لئے کیا ہو؟ انہی اسباب کی بنا پر وہ ملتان سے لوٹ آیا، اور بغرور (اروڑ) میں مقیم ہوا، تاکہ دار الخلافہ سے حتی الامکان وہ قریب تر رہے،

بھیلمان وغیرہ کی فتح اس اثناء میں اس نے ایک فوج بھیلمان[1] روانہ کر دی، جو سندھ، گجرات، کاٹھیاوار اور مارواڑ کی سرحد پر واقع تھا، اور کسی زمانہ میں بھیلوں اور پھر گوجروں کا پایہ تخت تھا،

[1] بھیلمان (بھیل مان) اس کو عرب مورخ (بلاذری نے) بیلمان لکھا ہے، کامل جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ لیدن، فتوح البلدان صفحہ ۴۴۴ لیدن،

یہاں کے لوگوں نے جنگ کرنا نامناسب سمجھ کر اطاعت قبول کرلی، اور سرست (سورٹھ)[۲] کے لوگوں نے بھی آکر اطاعت کا اظہار کیا،

محمد بن قاسم ان ممالک کو باسانی فتح کرکے کیرج یا کورج (جے پور) کی طرف بڑھا اور حملہ آور فوج کی کمان خود لی، یہاں کے راجہ کا نام "دوہر" تھا، جو ہندوستانی راجوں میں مشہور تھا، دوہر بھی اپنی فوج لے کر بڑھا، اور سخت خونریز جنگ کے بعد اس کو شکست ہوئی، اور عین معرکۂ کارزار میں بہادری کے ساتھ اس نے جان دی، ایک عربی شاعر نے فخریہ طور پر کہا ہے:۔

نحن قتلنا داہر ودوہرا[۱] والخیل تردی منسرا فمنسرا

ہم نے داہر اور دوہر دونوں راجوں کو قتل کیا، اور گھوڑے گدھ کی طرح اپنی پوں برابر چونچ مارتے تھے،

مسلمانوں نے غنیم کو شکست دی، اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا،

محمد بن قاسم کی گرفتاری! حجاج بن یوسف ثقفی کے مرنے کو آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ جمادی الثانی ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دمشق پایہ تخت شام میں انتقال ہوگیا، اور سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا، عبدالملک نے انتقال کے وقت ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد قرار دیا تھا، لیکن ولید نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اس کی جگہ مقرر کرنا چاہا، موسیٰ افریقہ کا حاکم اعلیٰ اور حجاج مشرقی ممالک (عراق، خراسان، ترکستان، سندھ) کا حاکم اعلیٰ، اس کے قوت بازو تھے، دونوں نے اس کی تائید کی، لیکن کام ابھی انجام کو نہ پہنچا تھا کہ ولید خود چل بسا، اور سلیمان تخت پر قابض ہوگیا، سلیمان کو حجاج سے مختلف معاملے میں اختلاف رہا، اور خصوصاً آل مہلب کے معاملہ میں تو یہ اختلاف عداوت سے مبدل ہوگیا، تخت نشینی کے بعد اس نے تمام لوگوں سے انتقام لینا چاہا جو اس کے مخالف تھے،

[۱] فتوح البلدان ص۴۳۸ لیدن [۲] سورٹھ کاٹھیاوار کا قدیم نام ہے، غالباً سورٹھ کے اس علاقہ کسی حصہ نے اطاعت قبول کرلی ہوگی، جو علاقہ بھیلمان سے ملتا جلتا ہوگا، ورنہ سورٹھ میں محمود غزنوی سے پہلے کوئی مسلمان حاکم نہیں آیا، اور پایہ تخت سورٹھ کو محمد تغلق سے پہلے کسی نے فتح نہیں کیا،

لیکن اس کا سب سے بڑا دشمن حجاج مرچکا تھا، البتہ اس کے دو ماتحت گورنر زندہ تھے، قتیبہ بن مسلم گورنر ترکستان اور محمد بن قاسم گورنر سندھ، اور چونکہ ان دونوں نے بھی حجاج کا ساتھ دیا تھا، اس لئے یہ دونوں مجرم قرار دئے گئے، اور خصوصاً محمد بن قاسم کہ حجاج کا داماد اور بھتیجا تھا، دشمنوں کی نگاہ میں بہت کھٹکتا تھا،

سلیمان نے عراق کا اعلیٰ حاکم یزید بن مہلب کو بنایا جو حجاج اور اس کے خاندان کا پرانا دشمن تھا، اس نے محکمہ خراج کا حاکم صالح بن عبدالرحمٰن خارجی کو بنایا، یہ شخص خاندان حجاج کا سخت ترین دشمن تھا، کیونکہ حجاج نے خارجیوں کو تباہ کردیا تھا، اور ہزاروں آدمی اس جماعت کے مار ڈالے تھے، خصوصاً صالح کے بھائی آدم کو اسی جرم میں قتل کیا تھا، اس لئے صالح انتقام کے لئے بےچین تھا، عبدالملک بن مہلب اس کام میں اس کا شریک ہوگیا، چنانچہ ان دونوں نے تمام خاندان کو پکڑ کر قتل اور قید کرنا شروع کیا،

اسی ضمن میں محمد بن قاسم بھی مجرم قرار پاکر حکومت سے معزول کیا گیا، اور یزید بن ابی کبشہ سکسکی سندھ کا والی مقرر ہوا، جس نے سندھ پہنچکر محمد بن قاسم کو گرفتار کرلیا، مجرموں کی طرح ماتم کے کپڑے پہنائے، ہاتھ، پاؤں میں ہتکڑی اور بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کردیا،[۱]

محمد بن قاسم نے افسوس کے لہجہ میں مندرجۂ ذیل شعر پڑھا۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریہۃ وسداد ثغر[۲]

لوگوں نے مجھے ضائع کردیا اور کس جوان کو ضائع کیا، وہ جوان جو مصیبت کے دن کام آئے اور سرحدوں کی مضبوطی کے لئے نہایت مناسب ہو،

محمد بن قاسم جب عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ میں اس کو بھیجدیا گیا، چنانچہ خود محمد بن قاسم سکسکی

[۱] یعقوبی جلد اول ص۳۵۶ لیدن، لیکن یعقوبی نے معاویہ کے عوض حبیب بن مہلب لکھا ہے [۲] بلاذری ص۴۴۰ لیدن،

فلئن ثویت بواسط وبارضها رهن الحدید مکبلاً مغلولا

فلرب فتیۃ فارس قد رعتها ولرب قرن قد ترکت قتیلا[۱]

اگر میں شہر واسط اور اس کی سرزمین میں طوق اور بیڑی پہنے مر جاؤں، تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ بہت سے غمزدہ ایسے تھے جن کے دل میں میں نے ہیبت بٹھا دی ہے اور بہت سے حریف میرے مقابلہ میں آئے تو میں نے ان کو مار کے ڈال دیا،

اس جیل خانہ میں اس کو اور اس کے خاندان کو دن رات سخت سزائیں دی جاتی تھیں جسکو بڑے تحمل سے برداشت کرتا، اور باوجود اس قدر مظالم برداشت کرنے کے حق گوئی سے باز نہ آتا، چنانچہ اپنے مخالفوں کی نسبت وہ کہتا ہے:-

لو کنت اجمعت الفرار لوطئت اناث اعدت للوغی وذکور

وما دخلت خیل السکاسک ارضنا ولا کان من عک علی امیر

ولا کنت للعبد المزونی تابعاً فیا لک دھر بالکرام عثور[۲]

"اگر میں ثابت قدمی سے کام لیتا تو وہ عورتیں اور مرد جو لڑائی کے لئے فراہم کئے گئے تھے، روندے جاتے، قبیلہ سکسکی (یزید بن ابی کبشہ کی قوم) کے سوا کبھی ہماری زمین میں نہیں داخل ہوتے، اور نہ کبھی قبیلہ عک میں کا کوئی شخص مجھ پر سردار مقرر ہوتا، اور نہ میں مزونی (عمانی) غلام کا کبھی تابع ہوتا، افسوس! اے زمانہ! جو شرفا کو ٹھوکر دیتا ہے"

واقعی اگر وہ مخالفت پر کھڑا ہو جاتا جب کہ قتیبہ بن مسلم والی ترکستان بھی بغاوت پر آمادہ تھا تو سلیمان بن عبدالملک کے لئے بڑے مصائب کا سامنا ہوتا،

موت | محمد بن قاسم کو ہر قسم کی سزائیں دی گئیں اور آخر تکلیف اور مصیبت جھیل جھیل کر محمد بن قاسم

[۱] بلاذری ص ۴۴۱ ، [۲] ایضاً ص ۴۴۲ ،

اسی جیل میں وفات پا گیا۔

محمد بن قاسم کی موت پر ہندوستان اور عرب کے لوگ خون کے آنسو روئے، چنانچہ اس کے مرثیہ میں ایک عربی شاعر جس کا نام حمزہ بن بیض الحنفی ہے، کہتا ہے[۱]:-

ان الشجاعۃ والسماحۃ والندی لمحمد بن القاسم بن محمد

قاد الجیوش لسبع عشرۃ حجۃ یا قرب ذالک سؤدداً من مولد

"بہادری، دل کی بڑائی اور فیاضی محمد بن قاسم بن محمد کے حصے میں تھیں، سترہ ہی سال کی عمر میں فوجوں کا سردار بن گیا، یہ سرداری زمانہ ولادت سے کس قدر قریب تھی (یعنی کس قدر جلد سردار بن گیا)

ایک اور شاعر کہتا ہے:-

ساس الرجال لسبع عشرۃ حجۃ ولداتہ عن ذاک فی اشغال

سترہ ہی برس کی عمر میں یہ سردار بن گیا، اور اس کے ہمسن لڑکے ابھی کھیل ہی میں لگے ہوئے ہیں،

سندھیوں نے بھی محمد بن قاسم کی موت کا بڑا ماتم کیا، چنانچہ کیرج (کورج یا جے پور) کے باشندے جنکو اس نے اپنے آخری عہد میں مفتوح بنایا تھا، اس کی بہادری، فیاضی اور مروت اور احسان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اس کا اسٹیچو (مورتی یا بت) بنا کر اپنے شہر میں نصب کیا، بلاذری میں ہے:-

بکی اھل الھند علی محمد وصوروہ بالکیرج[۲] ہندوستان والے (مراد سندھی) اس پر روئے اور اس کی مورت کیرج میں بنائی

افسوس کہ سلیمان بن عبدالملک نے محض اپنی ذاتی عداوت کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کو کیسا سخت نقصان پہنچایا، کیسے بڑے بڑے اولوالعزم فاتح جو یورپ، ہندوستان، ترکستان اور چین کو فتح کر کے اسلام کا بول بالا کرنے والے تھے، ان کو اس نے خاک میں ملا دیا،

[۱] یعقوبی میں اس شاعر کا نام زیاد عجم لکھا ہے، ص ۴۰۶ [۲] بلاذری ص ۴۴۱ طبع یورپ

سندھ کا والی

یزید بن ابی کبشہ سکسکی جو سندھ کا گورنر (والی) مقرر ہوا تھا، اس نے سندھ پہنچکر صرف یہی ایک کام کرنے پایا تھا کہ محمد بن قاسم کو گرفتار کرکے عراق بھیجدیا وہ سندھ پہنچنے کے اٹھارہویں دن فوت ہو گیا

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور سکسکی کی موت نے سندھ میں بدنظمی پیدا کردی، مسلمان مجاہدین جو جاگیردار تھے، اپنی اپنی جاگیروں میں چلے گئے، سندھی جو محمد بن قاسم کے فیاضانہ سلوک سے متاثر ہوکر ساتھ دے رہے تھے، وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو چل دئے، غرض اس بدامنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جے سنگھ راجہ داہر کا لڑکا جو اسی وقت کا منتظر تھا، واپس آکر برہمن آباد پر اس نے قبضہ کرلیا، اور اکثر جگہ کے لوگ باغی ہوگئے،

حبیب بن مہلب والی سندھ

سلیمان بن عبدالملک خلیفۂ دمشق کو جب اس بدامنی کا حال معلوم ہوا تو یزید بن مہلب اعلی حاکم عراق کے بھائی حبیب بن مہلب کو سندھ کا والی بنایا، وہ سندھ پہنچکر دریا کنارے خیمہ زن ہوا، ارور کے لوگوں نے اطاعت قبول کرلی، اور جن لوگوں نے سرکشی کی سزا کو پہنچے، غالباً سکسکی کی موت اور حبیب کے سندھ پہنچنے کے درمیانی عرصہ میں عامر بن عبداللہ بھی چند دن کے لئے سندھ کے والی (یا قائمقام والی) رہے،

۲۰ صفر ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک نے انتقال کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے انھوں نے یزید بن مہلب کو عراق و خراسان سے اور اس کے بھائی حبیب بن مہلب کو سندھ سے معزول کرکے بجرم خیانت قیدخانہ میں بھیجدیا، اور عجب خدا کی شان کہ جس طرح یزید بن مہلب نے محمد بن قاسم اور آل حجاج کو ستایا تھا، اسی طرح خدا نے اس کو بھی یہ دن دکھایا، حبیب کی جگہ سندھ کا والی عمر بن مسلم باہلی کو (جو قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کا بھائی تھا) بنایا،

عمر بن عبدالعزیز اور دعوت اسلام

۱۰۰ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے تمام راجوں اور ٹھاکروں اور زمینداروں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کئے، چنانچہ اکثروں نے اسلام قبول کیا، اور بعض لوگوں نے

خراج اور جزیہ دینا قبول کیا، اور اپنے مذہب پر قائم رہے، جو لوگ مسلمان ہوگئے ان کی جائداد و دیگر مقبوضات ان کے قبضہ ہی میں رہنے دئے گئے، اور مسلمانوں جیسا سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا، جے سنگھ بن داہر بھی انہی لوگوں میں سے تھا[1]،

عمر بن مسلم باہلی نے سندھ آکر امن وامان قائم کیا، پھر ہندوستان کے ملکوں پر (غالباً دریائے راوی کے آس پاس) حملہ آور ہوا، اور فتوحات حاصل کرکے واپس گیا، اس کے بعد سندھ کے شمالی علاقہ سے متصل (قصبہ یا کش) کچھ پر حملہ کیا جو جالندھر سے ملا تھا، اور جہاں کے راجہ کو بلھرا (دلبھ رائے) کہتے تھے، باہلی نے آخر کش (کچھ ؟) پر فتحیابی حاصل کرلی، اور ممالک مفتوحہ میں اس کو بھی داخل کرلیا[2]،

آل مہلب کی بغاوت

۱۰۱ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی، اور یزید بن عبدالملک تخت خلافت پر بیٹھا، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی علالت کے دنوں میں یزید بن مہلب جو ترکستان کا گورنر تھا، اور بجرم خیانت قید تھا جیل سے بھاگ نکلا، اور تمام رشتہ داروں کو بھی نکال لے گیا، اس نے یزید بن عبدالملک کے ابتدائی عہد میں تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کرلیا، چنانچہ سندھ پر بھی اپنا ایک معتبر آدمی وداع بن حمید ازدی کو بھیجدیا، تاکہ قندابیل کو مستحکم بناکر تیار رکھے، اور بوقت ضرورت پایۂ تخت دمشق سے بعید دراز ملک سندھ میں آکر پناہ لے سکے، لیکن وہ بصرہ کی جنگ میں مارا گیا اور اس کا لڑکا معاویہ بن یزید بن مہلب اپنے خاندان کو لے کر مکران پہنچا، اور وہاں سے قندابیل بصد مشکل آیا، غالباً مصلحۃً وداع نے ان کو شہر میں داخل ہونے نہ دیا، ادھر خلافت کی طرف سے ہلال بن احوز تمیمی ان کا تعاقب کرتا ہوا پہنچا، اور ان کا محاصرہ کرلیا، ناچار جنگ کرنے پر بھی

[1] بلاذری ص ۴۴۴ لیدن

[2] اگرچہ مورخوں نے اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اس پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں داہر کا لڑکا گوپی سنگھ پناہ گزین تھا، اور خفیہ طور پر وہ عربوں کے برخلاف سازش کرتا ہوگا، تاکہ بغاوت کراکے وہ بھی کسی حصہ پر قابض ہوجائے،

آمادہ ہوگئے، یہ دیکھ کر ہلال نے اپنی طرف سے امان کا جھنڈا بلند کیا، وواع جو میمنہ پر تھا، اور عبدالملک بن ہلال جو میسرہ پر تھا، ان لوگون کو یہ بھی غنیمت معلوم ہوا، ہتھیار ڈال کر مطیع ہوگئے، آل مہلب نے دیکھا کہ لوگ ہم سے جدا ہوگئے، تو مروان بن مہلب نے عورتون کو قتل کردینا چاہا، مگر مفضل بن مہلب نے منع کیا، اور کہا کہ یہ لوگ عورتون سے تعارض نہ کرین گے، اس کے بعد اس خاندان کا ایک ایک فرد بہادری سے لڑکر مارا گیا، باقی ۱۳ مرد مع بچوں اور عورتوں کے گرفتار ہوگئے، مقتولون مین معاویہ بن یزید بن مہلب بھی ہے، جس نے محمد بن قاسم کو زنجیروں سے جکڑ کر قید مین رکھا تھا، اور طرح طرح کی تکلیفین دی تھین، باقی قیدیون کو مع بچوں اور عورتوں کے دمشق روانہ کردیا گیا[1]، یہ واقعہ سنہ ۱۰۲ھ کا ہے،

۲۵ر شعبان سنہ ۱۰۵ھ مین یزید بن عبدالملک نے رحلت کی اور ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا، شوال سنہ ۱۰۵ھ مین خلیفہ نے عراق کے حاکم اعلیٰ عمر بن ہبیرہ کو معزول کرکے خالد بن عبداللہ القسری کو اس کی جگہ مقرر کیا،

جنید کی حکومت

سنہ ۱۰۷ھ مین خالد نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی حکومت سے الگ کرکے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو سندھ کا حاکم بنایا، جنید سندھ پہنچکر پہلے دیبل مین ٹھہرا[2]، پھر تمام حالات سے آگاہی حاصل کرکے دریائے سندھ کے کنارے کنارے روانہ ہوا، جب برہمن آباد کے قریب پہنچا جس پر جے سنگھ قابض تھا، تو اس نے اپنی مملکت مین داخل ہونے سے جنید کو روکا، اور جنید سے کہا کہ مجھ کو مرد صالح (حضرت عمر بن عبدالعزیز) نے اس ملک پر حاکم بنایا ہے، اور مسلمان ہوگیا ہون، مین چونکہ خود مختار ہون، اور تم سے مطمئن نہین ہون، اس لئے میں اپنے ملک میں داخل ہونے نہ دونگا،

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۶۱ یورپ لیدن [2] جنید کا نسب نامہ یہ ہے جنید بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن الحارث بن خارجہ بن سنان بن ابی حارثہ المری،

جنید کو یہ جواب ناگوار گذرا، کیونکہ وہ خلیفہ کی طرف سے سندھ کا والی ہوکر آیا تھا، اور سندھ کے تمام راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب اس کے ماتحت تھے، ہان جو راجہ مسلمان ہوگیا تھا، یا جنھون نے خراج و جزیہ قبول کیا تھا، وہ بے شک اندرونی معاملات مین خود مختار تھے، لیکن خارجی تعلقات مین مرکزی حکومت کے تابع، جنید ایک ہوشیار افسر تھا، اس لئے اپنی رنجش ظاہر ظاہر نہ کی، بلکہ معاملہ نازک دیکھکر بظاہر عہد و پیمان کرکے دونون طرف سے ضامن بھیجدیئے گئے،

اب جنید دریائے اٹک کے پاس کچھ دن مقیم رہا، تاکہ دریا کے اس پار کے علاقہ کا مستقل طور پر مضبوط اور معقول بندوبست کرے، اس درمیان مین خود جے سنگھ سے ہر طرح ہوشیار رہا، اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کرتا رہا، جے سنگھ بھی جنید سے غافل نہ تھا، اور بہت ہی محتاط طریقہ سے اس کے ساتھ پیش آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونون کی بدگمانیان بڑھتی گئیں، یہان تک کہ دونون نے اپنے اپنے ضامن واپس بلوا لئے، اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے، جنید فوجی تیاری کے بعد کشتیون کی فراہمی مین مصروف ہوا، تاکہ دریا عبور کر سکے، جب تمام امور حسب دلخواہ ہوگئے، تو کشتیون کے ذریعہ اس نے فوج اتار دی، دریا کے مشرقی سنگستانی کنارے پر لڑائی ہوئی، جے سنگھ شکست کھا کر بھاگا اور اس کی فوج ادھر اُدھر منتشر ہوگئی، خود جے سنگھ بھی آخر گرفتار ہوگیا، جس کو فوراً جنید نے قتل کرڈالا[1]، غالباً جنید کو اس بات کا غصہ تھا کہ محض اس کی نادانی سے جنگ کرنی پڑی، اور وہ طاقت جو دشمنون پر صرف ہوتی جے سنگھ کی باغیانہ روش سے خود اس پر صرف کرنی پڑی؛

بعض مورخون نے لکھا ہے کہ جے سنگھ مرتد ہوگیا تھا، مجھے اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا، بلکہ اس کے زبانی اقرار سے تو اس کا اسلام ہر طرح سے ثابت ہے، غالباً فقط جنید کے حملہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کے ارتداد کا اظہار کیا گیا ہے، تاکہ جنید پر کوئی الزام نہ آئے، میرے خیال میں

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۲ لیدن،

آمادہ ہو گئے، یہ دیکھ کر ہلال نے اپنی طرف سے امان کا جھنڈا بلند کیا، وداع جو میمنہ پر تھا، اور عبدالملک بن ہلال جو میسرہ پر تھا، ان لوگون کو یہ بھی غنیمت معلوم ہوا، ہتھیار ڈال کر مطیع ہو گئے، آل مہلب نے دیکھا کہ لوگ ہم سے جدا ہو گئے، تو مروان بن مہلب نے عورتون کو قتل کر دینا چاہا، مگر مفضل بن مہلب نے منع کیا، اور کہا کہ یہ لوگ عورتون سے تعارض نہ کرین گے، اس کے بعد اس خاندان کا ایک ایک فرد بہادری سے لڑ کر مارا گیا، باقی ۱۳ مرد بچوں اور عورتوں کے گرفتار ہو گئے، مقتولون مین معاویہ بن یزید بن مہلب بھی ہے، جس نے محمد بن قاسم کو زنجیرون سے جکڑ کر قید مین رکھا تھا، اور طرح طرح کی تکلیفین دی تھین، باقی قیدیون کو مع بچوں اور عورتوں کے دمشق روانہ کر دیا گیا[1]، یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے،

۲۵ر شعبان ۱۰۵ھ مین یزید بن عبدالملک نے رحلت کی، اور ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا، شوال ۱۰۵ھ مین خلیفہ نے عراق کے حاکم اعلیٰ عمر بن ہبیرہ کو معزول کر کے خالد بن عبداللہ القسری کو اس کی جگہ مقرر کیا،

جنید کی حکومت

۱۰۷ھ مین خالد نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی حکومت سے الگ کر کے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو سندھ کا حاکم بنایا، جنید سندھ پہنچکر پہلے دیبل مین ٹھہرا[2]، پھر تمام حالات سے آگاہی حاصل کر کے دریاے سندھ کے کنارے کنارے روانہ ہوا، جب برہمن آباد کے قریب پہنچا جس پر جے سنگھ قابض تھا، تو اس نے اپنی مملکت مین داخل ہونے سے جنید کو روکا، اور جنید سے کہا کہ مجھ کو مرد صالح (حضرت عمر بن عبدالعزیز) نے اس ملک پر حاکم بنایا ہے، اور مسلمان ہو گیا ہون، مین چونکہ خود مختار ہون، اور تم سے مطمئن نہین ہون، اس لئے میں اپنے ملک میں داخل ہونے نہ دونگا،

[1] ص ۱۷۱ ابن اثیر جلد ۵ ص ۶۲ یورپ لیدن [2] جنید کا نسب نامہ یہ ہے: جنید بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن الحارث بن خارجہ بن سنان بن ابی حارثہ المری۔

جنید کو یہ جواب ناگوار گذرا، کیونکہ وہ خلیفہ کی طرف سے سندھ کا والی ہو کر آیا تھا، اور سندھ کے تمام راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب اس کے ماتحت تھے، ہان جو راجہ مسلمان ہو گیا تھا، یا جنھون نے خراج و جزیہ قبول کیا تھا، وہ بے شک اندرونی معاملات مین خود مختار تھے، لیکن خارجی تعلقات مین مرکزی حکومت کے تابع، جنید ایک ہوشیار افسر تھا، اس نے اپنی رنجش ظاہر نہ کی، بلکہ معاملہ نازک دیکھکر بظاہر عہد و پیمان کر کے دونون طرف سے ضامن بھیجدیے گئے،

اب جنید دریاے اٹک کے پاس کچھ دن مقیم رہا، تاکہ دریا کے اس پار کے علاقہ کا مستقل طور پر مضبوط اور معقول بندوبست کرے، اس درمیان مین خود جے سنگھ سے ہر طرح ہوشیار رہا، اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کرتا رہا، جے سنگھ بھی جنید سے غافل نہ تھا، اور بہت ہی محتاط طریقہ سے اس کے ساتھ پیش آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونون کی بدگمانیان بڑھتی گئیں یہان تک کہ دونون نے اپنے اپنے ضامن واپس بلوا لئے، اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے، جنید فوجی تیاری کے بعد کشتیون کی فراہمی مین مصروف ہوا، تاکہ دریا عبور کر سکے، جب تمام امور حسب دلخواہ ہو گئے، تو کشتیون کے ذریعہ اس نے فوج اتار دی، دریا کے مشرقی سنگستانی کنارے پر لڑائی ہوئی، جے سنگھ شکست کھا کر بھاگا اور اس کی فوج ادھر ادھر منتشر ہو گئی، خود جے سنگھ بھی آخر گرفتار ہو گیا جس کو فوراً جنید نے قتل کر ڈالا[1]، غالباً جنید کو اس بات کا غصہ تھا کہ محض اس کی نادانی سے جنگ کرنی پڑی، اور وہ طاقت جو دشمنون پر صرف ہوتی جے سنگھ کی باغیانہ روش سے خود اس پر صرف کرنی پڑی،

بعض مورخون نے لکھا ہے کہ جے سنگھ مرتد ہو گیا تھا، مجھے اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا، بلکہ اس کے زبانی اقرار سے تو اس کا اسلام ہر طرح سے ثابت ہے، غالباً فقط جنید کے حملہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کے ارتداد کا اظہار کیا گیا ہے، تاکہ جنید پر کوئی الزام نہ آئے، میرے خیال میں

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۲ لیدن،

اس کو اسلام (مذہب) سے کوئی تعلق نہین، بلکہ یہ ایک سیاسی مسئلہ تھا، جنید کا غالباً یہ خیال تھا کہ مجھے جے سنگھ اپنے ملک سے راستہ دیدے تاکہ سندھ کے باہر ممالک پر حملہ آور ہو سکے، اور بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے ہماری امداد کرے، جے سنگھ کا خیال غالباً دوسری طرف تھا، وہ ایسا سمجھتا تھا کہ اگر جنید یہان آگیا تو ممکن ہے کہ مجھ سے یہ ملک واپس لے لے، اور میرا آبائی وطن مجھ سے پھر چھوٹ جائے، غالباً اسی وہم سے اس نے ایسی روش اختیار کی جس سے نہ صرف جنگ کی نوبت آئی، بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاندان تباہ ہو گیا، پس ایک باغی کی سرزنش جنید کا اولین فرض تھا، جس کے لئے وہ قابل مدح ہے، اور کسی تاویل کا محتاج نہین،

جنگ مین شکست کھانے کے بعد جے سنگھ کا بھائی چچ (داہر کا لڑکا) بھاگ گیا، اور عراق کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ پایۂ تخت پہنچکر خلیفہ سے جنید کی شکایت کرے، جنید کو بھی اس کی خبر ہو گئی، اس نے مختلف حیلون سے اس کو پرچایا، یہان تک کہ وہ خود جنید کے پاس چلا آیا، جنید نے اس کو گرفتار کر کے مار ڈالا، تاکہ اس کے سبب سے ملک مین کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، اور ملک مین ایسی بدامنی نہ پھیل جائے جس کا دور کرنا پھر مشکل ہو،

کیرج (کورج یا جے پور) جو محمد بن قاسم کے عہد مین فتح ہو چکا تھا، اور جس نے انتہائی محبت سے محمد بن قاسم کا بت بنا کر مندرون مین رکھا تھا، غالباً برہمن آباد والون کی دیکھا دیکھی (یا ورغلانے سے) اب باغی ہو گیا تھا، اس لئے مجبوراً جنید کو اس طرف توجہ کرنی پڑی، اس بغاوت کا سرغنہ راجہ راہ تھا، "راہ" ایک قسم کا خطابی نام ہے، جو عموماً "سمہ" خاندان مین رائج تھا[1]،

فتح کیرج

جنید اچانک یلغار کرتا کیرج پر بلائے آسمانی کی طرح جا پڑا، راجہ بھی تیار ہو گیا، اور ایک فوج لے کر شہر سے باہر نکلا، جنید کے ساتھ اس وقت عربی فوج کے علاوہ دیسی فوج بھی تھی جس کا

[1] تاریخ جوناگڑھ، سورٹھ مطبع بمبئی، اور بہت ممکن ہو کہ لفظ مرا سے جو راجہ کے ہم معنی ہے، اس کو عربوں نے مہر کیکا راہ کر دیا ہو،

افسر راجہ "اشندرابید" تھا، (یہ راجہ غالباً خراج گذار لوگون مین سے تھا) راجہ راہ اور اسلامی فوج مین سخت جنگ ہوئی، راجہ نے شکست کھائی، اور بھاگ کر اس نے شہر مین پناہ لی،

شہر کا محاصرہ کر لیا گیا، اور فصیل مضبوط ہونے کے سبب بآسانی فتح ناممکن نظر آئی اور غنیم کے باہر نکل کر جنگ کرنے کا انتظار طول امل تھا، اس لئے جنید نے علاوہ منجنیق استعمال کرنے کے خصوصیت سے دیوار شکن آلہ جسے کبش کہتے تھے، کام مین لایا[1]، کبش کے ذریعہ فوج کے ایک دستہ نے دیوار تک پہنچکر دیوار مین رخنہ کر دیا، اور اس مین راستہ بنا کر لوگ اندر داخل ہو گئے، گو غنیم نے بہت کچھ مدافعت کی، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور مسلمان لڑتے بھڑتے اندر پہنچکر تمام شہر مین پھیل گئے، اور پھر ایک باغی شہر کا انجام جو ہونا چاہیے تھا وہ ہوا، اکثر باغی قتل کئے گئے، کچھ گرفتار ہوئے، شہر لوٹ لیا گیا،

فتح کے بعد جنید نے فوراً یہان امن قائم کر دیا، اور کچھ دنون قیام کر کے انتظام مین مشغول رہا، ان پے در پے لڑائیوں سے سندھ پر ایسا رعب پڑا کہ ملتان بلکہ دریائے راوی تک امن و امان قائم ہو گیا، اور جنید سندھ کی طرف سے مطمئن ہو کر سندھ کے باہر خارجی پالیسی پر متوجہ ہوا، سندھ کی حد گجرات سے ملی ہوئی تھی، اور اکثر تنازعہ پیش آتا رہتا تھا، غالباً جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو جنید نے ایک جرار لشکر تیار کیا، اور بڑے بڑے نامی سردارون کو ماتحت کر کے خود چل کھڑا ہوا، اس کے سردارون مین سے ایک حبیب نامی بڑا بہادر افسر تھا، جو ہر طرح اس کا قوت بازو ثابت ہوا،

جنید کا حملہ مارواڑ اور گجرات پر

جنید جے پور (سندھ) سے براہ ریگستان خرو مد (مارواڑ) مین پہنچا[2]، معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین بھی راستہ بڑا بارونق اور آباد تھا، یہان اس نے اپنی فوج کو آرام دیا، کیونکہ ایسے ریگستانی علاقے کو طے کرنے کے بعد فوج کا آرام لینا نہایت ضروری تھا، غرض

[1] کبش کو جنگل کی نلکی سمجھو جو اس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ [2] یہ بلاذری مصر[illegible] یہ مارواڑ کا قدیمی نام ہے، بھنڈارکر کا خلاصہ مضمون بمبئی یونیورسٹی"

یہان سے عربی فوج چل کر مانڈل پہنچی، یہ مقام آج بھی ویرم گام کے پاس چھوٹا سا گاؤن ہے، ممکن ہے اس عہد مین شہر کی حیثیت رکھتا ہو،

نقشہ دیکھنے سے میرا خیال ہوتا ہے کہ یہان پہلی جنگ ہوئی ہوگی، کیونکہ سرحد پہنچنے کے بعد یقیناً غنیم نے مدافعت کی پہلی کوشش کی ہوگی، اور پھر مانڈل مین دونون عربی فوجون کا تصادم ہوا ہوگا، اور فتح پانے پر ہی آگے بڑھ سکا ہوگا، یہان سے چل کر جنید "دھنج" پہنچا، جو نہروالہ پٹن اور بنجا سر[1] کے پاس ہے،

بنجا سر اس عہد مین شمالی گجرات کا پایہ تخت تھا، اور چاوڑا (چوڑا) خاندان سے چھن کر سولنکی (دکن) کے قبضہ مین آچکا تھا، سولنکی خاندان تمام کاٹھیاوار، کچھ، شمالی اور جنوبی گجرات اور دکن کے بڑے علاقہ پر قابض تھا، اور شہنشاہیت کا درجہ رکھتا تھا، اس خاندان کے حکمران بڑے مغرور تھے، فقط اتنی سی بات پر کہ ایک برہمن شاعر نے اس کے دربار مین چاوڑا راجہ کی بڑی تعریف کی، اور اس کے سوال کرنے پر دزیر نے کہا کہ وہ اپنے ماتحت راجون مین سے نہین ہے، اس ملک پر حملہ آور ہو کر ملک چھین لیا، اس کا پایہ تخت کلیان تھا، (جو آج بھی نظام کے ماتحت بیدر ضلع مین ایک گاؤن کی شکل مین موجود ہے) اس کی سرحد سندھ سے متصل تھی، اور اکثر سرحدی جھگڑے دونون مین ہو جاتے تھے، افسوس ہے کہ مورخون نے صاف طور پر جنید کے حملہ کے متعلق کوئی سبب تحریر نہیں کیا ہے، مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی سرحدی تنازعہ کے

---

[1] بنجا سر چوڑا (چاوڑا) راجہ کا پایۂ تخت تھا، جو گجرات، کاٹھیاوار اور کچھ کے رن کے درمیان: رادھن پور کے پاس تھا، سولنکی (گوجر) کے عہد مین بھی وہی پایۂ تخت رہا، عربون سے شکست کھانے کے بعد یہ شہر بے رونق ہو گیا، لیکن اصل وجہ یہ بانی کا سبب یہ ہوا کہ عربون نے جب سولنکیون کی طاقت توڑ دی، تو چاوڑا خاندان کا شاہزادہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور آخر بن راج نے اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر حاصل کر لی، اور سیاسی مصالح کی بنا پر انہل واڑہ (نہروالہ پٹن) آباد کر کے پایۂ تخت بنایا، جس کے سبب بنجا سر ویران ہو گیا،

متعلق سولنکی راجہ نے سخت رویہ اختیار کر لیا تھا، اور صورت نازک حالت تک پہنچ گئی تھی، اور اسی لئے جنید کو یہان آنے کی ضرورت محسوس ہوئی، غرض اسی دھنج کے مقام پر دونون فوجین جنگ آزما ہوئین، اور گجراتی فوج شکست کھا کر بھاگی، اور جنید نے آگے بڑھ کر پایۂ تخت گجرات بنجا سر پر قبضہ کر لیا، اور ایک ہی جنگ مین سولنکی طاقت کا شیرازہ بکھیر کر پاش پاش کر دیا،

معلوم ہوتا ہے کہ سولنکی فوج یہان سے بھاگ کر برائے امداد جنوبی گجرات پہنچی، اور بھروچ مین جنگی تیاری کرنے لگی، جنید کو جب اس کی خبر ہوئی تو فوراً بھروچ پہنچا اور ایک ہی جنگ مین اس کا بھی خاتمہ ہو گیا، اب اس کو معلوم ہوا کہ اجین (مالوہ) مین حملہ کی تیاریان ہو رہی ہین، تو اس نے اپنے ایک افسر حبیب نامی کو اس طرف بھیجدیا، جس نے اجین اور مالوہ کو گھوڑون کی ٹاپون کے نیچے روند ڈالا، اب فاتح اپنے ملک سے بہت دور نکل آئے تھے، اور دشمنون نے دوسری طرف سے اسی موقع سے فائدہ اٹھایا ہوگا، یعنی بھیلمان مین گوجرون کی ایک بڑی طاقت ان کو روکنے کے لئے جمع ہو گئی، جنید نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنے مین خدشہ ہے، اور بھیلمان مین اگر گوجرون کی طاقت زیادہ جمع ہو گئی تو واپسی مین دشواری ہوگی، اس لئے بھروچ سے خود بھی بھیلمان کی طرف واپس ہوا، ادھر حبیب بھی مالوہ سے بہر میدہ (مارواڑ) آیا، اور شہر پناہ پر حملہ آور ہو کر آگ لگا دی، فتح یابی حاصل کر کے جنید کے پاس بھیلمان مین جا ملا[1]،

اب تمام فوجین مجتمع ہو کر بھیلمان پہنچین، اور بزور حملون سے غنیم کو شکست دی، بھیلمان آسانی سے فتح ہو گیا، اس کے بعد گوجرون نے جہان کہیں مقابلہ کیا، شکست کھائی، جنید ان فتوحات کے بعد سندھ واپس آگیا،

ان فتوحات کی تائید ان کتبون سے بھی ہوتی ہے، جو اثری تحقیقات کے ماتحت برآمد

---

[1] بلاذری صہ۴۴۲ لیدن،

ہوئے ہیں، یہ چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے، چنانچہ پول کیشی جنا شری کے
عہد کا ایک کتبہ ہے جس میں تحریر ہے کہ

عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراشٹر، چاوڑا، موریا (مارواڑ یا مالوہ) اور بھیلمال کی
سلطنت کو ویران کیا۔

یہ کتبہ بعہد پول کیشی ۴۹۰/۷۳۹ء کا ہے، گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے[1]،
ان فتوحات میں جنید کو اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ ملنے والوں اور دوستوں کو دے کر چار کروڑ درہم
(ایک کروڑ روپے) اس کے پاس بچ رہے، اور اسی قدر اس نے پایہ تخت کے خزانہ میں داخل کیا،
اس حساب سے جنید نے بیس کروڑ درہم (پانچ کروڑ روپے) حاصل کئے، اس میں سے پانچواں حصہ
خلیفہ کو بھیجا، ایک حصہ بچ رہا، باقی تین حصہ یعنی بارہ کروڑ روپیہ فوج اور احباب میں تقسیم کیا، چنانچہ
مشہور شاعر جریر کہتا ہے:۔

اصبح زوار الجنید و صحبه — یحیون صلت الوجه جما مواهبه

جنید کے ملنے والے اور ساتھی مبارکباد دیتے جاتے، اس حال میں کہ وہ خوش خرم اور بڑی بڑی بخششوں والے تھے؛

ابو الجویریہ شاعر کہتا ہے:۔

لو کان یقعد فوق الشمس من کرم — قوم باحسانهم او مجدهم قعدوا
محسدون علی ماکان من کرم — لا ینزع الله منهم ماله حسدوا[2]

اگر کوئی قوم اپنی بخشش کے ذریعہ آفتاب کے اوپر بیٹھ سکے، تو بیشک یہ لوگ اپنے احسان اور بزرگیوں کی
بدولت اس مرتبہ پر پہنچتے، بزرگی کے سبب زمانہ ان سے حسد کرتا ہے، خدا کرے کہ ان لوگوں سے وہ چیز نہ چھینی
جائے جس کے سبب ان سے حسد کیا جاتا ہے؛

[1] پراچین اتہاس گجراتی باب دسواں، راشٹرکوٹ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۳ مطبع لیدن،

چمبہ، پایہ پائیتھو پر حملہ

اب جنید نے شمال مشرق کی طرف توجہ کی، اور سرحدی علاقہ سے نکل کر
قوموں کو باجگذار بناتا ہوا، دریائے بیاس سے مغرب جانب کو جا پہنچا، یہاں ایک چھوٹی سی ریاست تھی
اپنے پایہ تخت چیناپٹ (چینیا پٹیھ) نام سے مشہور تھی جس کے ماتحت متعدد قلعے تھے؛ عرب اس ریاست کے
راجہ کو شاہ چین[1] کہتے تھے، جنید نے راجہ کو اسلام کی دعوت دی، انکار کی صورت میں اس نے ملک
تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، راجہ بھی سامان جنگ مہیا کر کے میدان میں آیا، اور متعدد مقامات پر
جنگ کر کے ہزیمت اٹھائی، پھر بھی استقلال سے جنید کا مقابلہ کرتا گیا، یہاں تک میدان طے کر کے
جنید قلعہ کے پاس آ پہنچا، ان لوگوں نے دروازہ بند کر لیا، عربوں نے اس کا محاصرہ کر کے روغن نفت
اور آگ برسانا شروع کیا، لیکن یہ دیکھ کر جنید کو بےحد حیرت ہوئی کہ قلعہ میں جو آگ برسائی جاتی ہے
وہ گل کر دی جاتی ہے، اس نے قیاس کیا کہ ضرور کوئی عرب قلعہ میں موجود ہے، کیونکہ یہاں عربوں
کے سوا کسی کو اس کا بجھانا معلوم نہیں ہے، جنید نے محاصرہ میں بڑی سختی برتنی شروع کر دی، یہاں
تک کہ اہل قلعہ عاجز آ گئے، اور صلح کی درخواست کی، جنید نے اس کو منظور کر لیا، اور وہاں پہنچکر
اس کی تفتیش شروع کی، چنانچہ اس کا خیال صحیح نکلا، اور وہ عرب اس جرم میں اس کے سامنے
پیش کئے گئے جن کو قومی غداری کے جرم میں قتل کر دیا گیا،

محمد بن قاسم کے بعد عرب خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے، اس لئے جنید سے پہلے جو لوگ آئے ان کو
گھر سے باہر نکلنے کی فرصت نہ ملی، جنید نے اپنی خداداد قابلیت سے ان تمام گتھیوں کو سلجھا دیا جس میں

[1] یہ وہ مقام ہے کہ جہاں بدھ مذہب کا مشہور فرمانروا راجہ "کنشک" کا نے اپنے چینی کفیلوں کو رکھا تھا، اس
شہر میں ہونگ تسانگ سیاح چودہ ماہ رہ چکا ہے، چین و تبت سے قربت کے باعث وسط ایشیا کے تجار کثرت
یہاں رہتے، جس کے باعث یہ چینیوں کا شہر معلوم ہوتا، اور اسی لئے یہاں کے راجہ کو عرب شاہ چین کہتے، ممکن ہے
کہ یہ مقام وہ ہو جس کو آج چمبہ کہتے ہیں، جو ڈلہوزی اور دھرم سالہ کے اوپر واقع ہے، اور ایک ریاست کا
پایہ تخت ہے، جو راوی کے منبع کے پاس ہے،

سندھ میں الجھے ہوئے تھے، اور یہی سبب ہے کہ اس کی شجاعت کا شہرہ ہندوؤں اور غیر ملکیوں چینیوں
کی داستان بادیم میں آج بھی موجود ہے[1]، خود عرب بھی اس کے بڑے مداح ہیں، تاریخ میں ہے۔

وکان من الاجواد الممدحین — وہ ایسے سخی لوگوں میں سے تھا جس کی لوگ تعریف
غیر محمود فی حربہ[2] — کرتے، حالانکہ وہ جنگ میں اس قدر محبوب نہ تھا،

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی زمانہ میں خلیفہ نے لکھا کہ جنگ روم میں بکثرت مویشی اور قیدی
گرفتار ہوئے ہیں، اس کے جواب میں جنید نے لکھا کہ میں نے اپنے دیوان کا حساب دیکھا تو معلوم ہوا
کہ اس وقت تک ساڑھے چھ لاکھ قیدی گرفتار کر چکا ہوں، اور آٹھ کرور درہم (دو کرور روپیہ) خزانہ
خلافت میں داخل کئے[3]، اور اسی مقدار میں وہ مال اور قیدی خیال کئے جائیں، جو سپاہیوں کو تقسیم کئے گئے
اس مختصر فہرست سے جنید کی مالی کامیابی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو اس نے یہاں کی،
اس وقت جنید کے ماتحت شمال میں کشمیر کی حد، مشرق میں بیاس اور دریائے راوی، مغرب
میں بحر عرب، جنوب میں مالوہ تک کی سرزمین باج گذار تھی، جنید بڑے لائق افسروں میں تھا
اور جہاں جہاں رہا، اس نے تدبر اور بہادری سے قوم و ملک کو بڑا فائدہ پہنچایا، اس نے تقریباً
چار برس سندھ میں حکومت کی، اس نے سرحدی انتظامات بھی خوب کئے، جنوب میں گجراتی (سولنکی
راجہ) قوت کو پارہ پارہ کر کے اپنی طاقت کو مستحکم بنایا، مشرق میں دریائے راوی اور ریگستان کے
سبب قدرتی طور پر حفاظت ہوتی تھی، مغرب میں اسلامی حکومت تھی، اور شمال مغرب میں کشمیر
کی حد درختوں کے ذریعہ مستحکم تھی البتہ فوجی نقطۂ نگاہ سے بیاس کا ابتدائی اوپر کا حصہ ایسا تھا جہاں سے
غنیم کے حملہ کا خطرہ تھا، اسی لئے فارورڈ (پیش قدمی) پالیسی اس کو اختیار کرنی پڑی، اور تمام ملک کی

[1] ایلیٹ صاحب کی تاریخ حالات سندھ [2] الکامل لابن اثیر ص۱۳۵ جلد پنجم مطبوعہ لیدن [3] یعقوبی جلد ۲
صفحہ ۳۸۰ اس حساب سے کم از کم چالیس کرور درہم (دس کرور روپیہ) جنید نے سندھ اور ہندوستان سے حاصل کئے۔

حفاظت کے لئے ضرور ہوا کہ چیناپٹ کی ریاست پر قبضہ کر لے یا باجگذار بنائے، جس سے پہلے
صلح ہو چکی تھی، چنانچہ اسی سبب سے اس نے متعدد قلعوں پر قبضہ حاصل کیا، کسی تاریخ سے یہ معلوم
ہو سکا کہ جنید نے پوری ریاست پر قبضہ کر لیا یا صرف چند قلعوں پر قبضہ حاصل ہو جانے کے بعد
صلح کر لی، تاہم اس کی یہ پیش قدمی اس کی فوجی بصیرت کو ظاہر کرتی ہے،

جنید ۱۱۱ھ میں سندھ کی نظامت سے علیحدہ ہوا، اور کچھ دنوں کے بعد ترقی پا کر خراسان
کا ناظم ہو گیا، جہاں ۱۱۶ھ تک رہا، یزید بن مہلب کی لڑکی فاضلہ سے شادی کرنے کے باعث
خلیفہ ناراض ہو گیا، اور اسی سبب سے اس کی معزولی عمل میں آئی، اس کے بعد وہ مرض استسقا میں
مبتلا ہو کر مقام مرو میں انتقال کر گیا،

اسی زمانہ میں خالد قسری کا بھائی اسد قسری نے افغانستان کے مشہور مقام غور کو فتح کیا،
غوری بہادری سے ہر جگہ لڑے، مگر اس شیر کے مقابلہ میں کہیں بھی نہ جم سکے، اور آخر وہاں کا حاکم
نمرون مسلمان ہو گیا، اس وقت دونوں میں صلح ہو گئی، اور غور کی حکومت نمرون ہی کے قبضہ میں رہی،
یہ سن کر ترکستان کے خاقان کو یہ خدشہ ہوا کہ اسد اس راستہ سے ترکستان میں نہ داخل ہو جائے،
اس لئے اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے وہ خود ہی فوجیں لئے ہوئے بڑھا، اور غور میں آ دھمکا،
اسد مدافعت کے لئے فوراً تیار ہو گیا، دونوں صفیں مقابل ہوئیں اور سخت مقابلہ کے بعد
خاقان کو شکست ہوئی، اسد نے تمام ترکوں کو غور سے نکال باہر کیا،

تمیم بن زید — ۱۱۱ھ میں جب جنید کا تبادلہ خراسان میں ہوا تو سندھ کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے
سپرد ہوئی، تمیم ان لوگوں میں سے تھا جو محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے، وہ اس وقت
تک سندھ ہی میں مقیم تھا، جس طرح اس وقت فوجی اور ملکی عہدے الگ الگ افسروں کے
سپرد ہیں، سیاسی مصالح کی بنا پر سندھ میں ایسا انتظام نہ تھا، سندھیوں کی بدقسمتی سے تمیم میں

حکمرانی کے اوصاف نہ تھے، وہ نہایت سست اور کاہل آدمی تھا، اور اسی سبب سے سندھ میں وہ کار نمایاں نہ کرسکا، بلکہ خود سندھ میں بھی امن قائم نہ رکھ سکا، اور اسی بدامنی کا خود شکار ہوا، افسوس کہ یہی پہلا شخص ہے، جس کی بدنظمی سے سندھ کا شیرازۂ حکومت بکھرا، جہاں تک تاریخ کا تتبع کیا ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمیم کے انتخاب کے وقت اس جیسے دوسرے اشخاص بھی اسی قابلیت کے موجود تھے جو حکومت سندھ کا بار اٹھا سکتے تھے، اور غالباً ملک میں اس قدر محبوب ہوچکے تھے کہ ان کی آواز پر ملک اٹھ کھڑا ہو، غالباً وہ خود بھی اس عہدہ کے امیدوار تھے، لیکن جب معاملہ برعکس ہوا تو وہ اس کے مخالف ہوگئے،

تمیم سے ایک دوسری غلطی یہ ہوئی کہ وہ عطیات میں اپنی فوج کا تو بڑا خیال رکھتا مگر دوسرے بڑے سرداروں کی پروا نہ کرتا، حالانکہ ملکی عہدہ دار اور سرداران قوم کو خوش رکھنے کے لئے سابق ناظم برابر کوشش کرتے رہتے، آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرداروں میں ناچاقی شروع ہوگئی، غالباً تمیم نے قوت کا اندازہ کئے بغیر ان کو دبانا چاہا، وہ اس سے بھڑ پڑے، اور خانہ جنگی کے لئے تیار ہوگئے، اگر تمیم جلد پایۂ تخت سے نہ بھاگتا تو آپس میں ایک خونریز جنگ ہوتی مگر تمیم نے دیکھا کہ ان کے مقابلہ کا حوصلہ اس میں نہیں ہے، اس لئے وہاں سے بھاگ کر عراق کی طرف روانہ ہوا لیکن جب وہ دریائے سندھ پار ہوکر ایک تالاب کے پاس پہنچا جس کو ماء الجوامیس[1] کہتے تھے، تو تمیم کا انتقال ہوگیا،

اس کی یہ اچانک موت یا تو کثرت غم کے سبب سے ہوئی، یا ممکن ہے کہ مخالفوں نے کسی دوسری صورت سے عراق تک نہ پہنچنے کی کوشش میں فنا کے گھاٹ اتار دیا ہو،

۱؎ اس کے معنی ہوئے "بھینسوں کا پانی" اس مقام پر بکثرت ذرد ریچھ رہتے تھے، جو آدمیوں پر حملہ آور ہوتے ان سے بچنے کے بھینسوں کی طرح اس تالاب میں آدمی کو دبکنا پڑتا تھا، اسی لئے اس کا نام ماء الجوامیس رکھا گیا، عربی میں بھینس کو جاموس کہتے ہیں،

تمیم کی اس اچانک موت سے سندھ کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا، دشمنوں کا ہر طرف سے غلبہ شروع ہوگیا اور اب مسلمان ہر طرف سے اپنے اپنے مرکز کو خالی کرکے سندھ سے ہجرت کرنے لگے، اور اس طرح اکثر مسلمانوں کے مرکز خالی ہوگئے، بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کہتا ہے کہ وہ پھر کبھی آباد نہ ہوئے اور ابھی تک خالی ہیں[1]، اس سے بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ جس قدر نومسلم تھے، ان میں سے اکثر مرتد ہوگئے، اور باجگذار مختار، صرف کچھ کے نومسلم باغی نہیں ہوئے، سندھ میں حد درجہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، یہاں تک کہ عراق کے حاکم ابن خالد قسری نے سندھ میں دوسرا ناظم بھیجا، تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت سے ملتان کی ریاست سندھ سے الگ ہوگئی،

تمیم میں جہاں اس قدر عیوب تھے، اوصاف بھی تھے، وہ حد درجہ سخی اور کریم تھا، نہ فوج میں اپنی سخاوت کی بدولت محبوب تھا، جب سندھ کا چارج اس نے لیا ہے تو ایک کرور اسی لاکھ طاطری درہم[2] خزانہ میں موجود تھے، جس کو اس نے فوراً عراق روانہ کردیا، جو خلیفہ کے خزانہ میں داخل کیا گیا،

فرزدق کا خط والی سندھ کے نام

اس کے عہد کا ایک واقعہ مشہور شاعر فرزدق کی بدولت یادگار رہ گیا، فرزدق ابن غالب کے پاس ایک دن ایک بڑھیا بنی طے کی آئی، اور بڑی لجاجت سے استدعا کی کہ ناظم سندھ سے میری سفارش کردو، کہ میرا لڑکا خنیس یربوعی جو فوج میں ہے، اس کو وطن واپس کردے، اور اس کے لئے اس کے باپ غالب کی قبر کا واسطہ دیا، مجبوراً فرزدق نے تمیم کو مندرجہ ذیل اشعار تحریر کئے۔

اتتنی فحاذت یا تمیم لغالب ‖ وبالحفرۃ السافی علیھا ترابھا

۱؎ بلاذری فتح سندھ لیدن ص۴۴۴، ۲؎ یہ ایک قسم کا جاوا کا سکہ تھا، جو گجرات اور سندھ میں رائج تھا، اور …جل کے آٹھ آنہ کے برابر تھا، اس حساب سے ایک کرور اسی لاکھ طاطری کے نوے لاکھ روپے ہوئے،

نعب لی خنیساً و تخذ فیہ منۃً   لحی تبہ ام مایسوغ شرابہا

تمیم بن زید لا تکون ن حاجتی   نظہرٍ ولا یخفی علیک جوابہا

اے تمیم! خنیس کی بڑھیا ماں میرے پاس آئی، اس نے (میرے باپ) غالب کا واسطہ دیا اور اس قبر کا جس پر ہوا کے جھونکوں سے خاک آ آ کے پڑی ہے، لہذا خنیس مجھے بخش دو، اور اس بارے میں میری شکر گذاری قبول کرو، اس ضعیفہ ماں کے لئے جس کے گلے سے پانی نہیں اتر سکتا،

اے تمیم بن زید: میری یہ گذارش پس پشت نہ ڈال دی جائے اور اس کا جواب تم پر گراں نہ ہو،

فلا تکثر الترداد فیہا فاننی   ملول لحاجات بطئ طلوبہا

پھر بار بار یاددہانی کی ضرورت نہ پیش آئے، کیونکہ ایسی حاجتوں سے میں تنگ آگیا ہوں جن کا نتیجہ دیر سے نکلے،

تمیم ان اشعار سے اصل مدعا سمجھ گیا، مگر مشکل یہ آپڑی کہ خنیس کا لفظ کچھ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ اس کا صحیح تلفظ نہ معلوم ہوسکا، وہ جنیس (ح) بھی پڑھا جاسکتا تھا، اس لئے تمیم نے یہ اعلان کردیا کہ جن جن لوگوں کے نام اس طرح لکھے جاتے ہیں ان کو وطن جانے کی اجازت ہے،

حکم بن عوانہ والی سندھ

عراق کے حاکم اعلیٰ خالد قسری کو جب یہ حال معلوم ہوا تو خلیفہ سے حکم بن عوانہ کلبی کی سفارش کرکے سندھ کا ناظم مقرر کرایا، وہ ایک سست اور کاہل آدمی تھا، وہ خراسان کی حکومت سے اس لئے معزول کردیا گیا کہ حکومت کی فارورڈ پالیسی (پیش قدمی) سے وہ متفق نہ تھا، حکم جب سندھ پہنچا تو دیکھا کہ یہاں کے حالات بھی اسی پالیسی کے مقتضی ہیں، جس کے لئے وہ قطعاً تیار نہ تھا، اس نے اس کو بھی محسوس کیا کہ خراسان سے معزولی اسی سبب سے ہوئی، جو بدنامی کا باعث ہوا، اور محض خالد قسری کے ہمدردانہ رویہ اور غایت محبت نے سندھ کا ناظم بنادیا، اس خیال سے عمر بن محمد بن قاسم ثقفی (فاتح سندھ کا بیٹا) کو ساتھ لیتا آیا تھا، جو الولد سر لابیہ کا مکمل مصداق تھا، حکم نے باوجود نوعمری کے عمر بن محمد بن قاسم ثقفی کو تمام اہم امور

سپرد کردئے،

محفوظہ کی آبادی

جیسا کہ اوپر تحریر ہوا، اس وقت سندھ میں بڑی بدامنی تھی، اور مسلمانوں کے تمام مرکز خالی ہوگئے تھے، اور دشمنوں نے ہر جگہ قبضہ کرلیا تھا، اس لئے اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کوئی مخصوص مقام آباد کیا جائے، جو اس قدر مضبوط ہو کہ غنیم کے مقابلہ کے وقت پناہ کا کام دے سکے، چنانچہ حکم نے سندھ پہنچکر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ دریائے سندھ کے دہانہ پر مشرقی جانب ایک شہر آباد کیا، اور ہر طرح سے اس کو مضبوط بنایا،

حکم نے بنی کلب کے شامی بڈھوں سے اس کے نام کے متعلق رائے لی، کسی نے دمشق، کسی نے حمص بتادیا، ایک شخص نے "تدمر"[1] کی طرف اشارہ کیا، حکم نے جھلا کر کہا کہ "دمرک اللہ" اللہ تجھے غارت کرے، مجھے کوئی نام پسند نہ آیا، میں اس کا نام "محفوظہ" رکھتا ہوں،

منصورہ کی آبادی

جب محفوظہ کے قلعہ میں مسلمان پہنچ گئے تو حکم نے عمر بن محمد ثقفی کو فوج لے کر اطراف ملک میں روانہ کیا جس نے ہر جگہ پہنچکر امن وامان قائم کردیا، اور باغیوں کو زیر کرکے مطیع بنایا، جب تمام [illegible] کو زیر تصرف لے آیا، اور پایۂ تخت کو واپس آنے لگا، تو نہایت مسرت میں اس نے ان فتوحات کی یادگار کے طور پر دریائے سندھ کے دہانہ کے قریب جزیرہ نما میں ایک شہر آباد کیا، جو آخر میں پایۂ تخت ہوگیا، اس کا نام منصورہ رکھا،

حکم کا انتظام خارجی و داخلی اس قدر بہتر تھا، کہ ہر شخص خوش تھا، اور ہر طرح سے قابل تعریف تھا، خارجی معاملات کی درستی تو فوجی طاقت سے ہوگئی، اور انتظامی حالت جو سندھ کی خراب ہوگئی تھی وہ صرف اس خانہ جنگی کے سبب جو حجازی اور یمنی لوگوں نے برپا کر رکھی تھی، چونکہ عمر ثقفی جو نائب حکم کا

[1] تدمر علاقہ شام میں ایک مشہور شہر تھا، چونکہ تدمر کا مادہ دمر ہے، جس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں، اس لئے بدشگونی سمجھ کر اسکو ناپسند کیا، مگر غور کرو تو ہوا وہی، یعنی محفوظہ جلد برباد ہوگیا، اور آج اس کا نشان بھی نہیں ملتا ہے،

درجہ رکھتا تھا، اور تقریباً کل اختیارات نظامت کے اس کے سپرد تھے، وہ حجازی تھا، پس حجازی طاقت زبردست ہو جانے کے باعث تمام اندرونی خلفشار جاتا رہا۔

خالد قسری (مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم) اکثر تعجب سے کہا کرتا کہ اہلِ سندھ عجب طرح کے لوگ ہیں، ان پر تمیم جیسا شریف اور فیاض کو حاکم بنایا تو ناراض ہو گئے، اور حکم جیسا بخیل جب ان پر حاکم ہوا تو اس کے مداح ہیں[1]: بات یہ ہے کہ تمیم نے حجازی لوگوں کا پاس نہ کیا، جو طاقتور تھے، اور قحطانی (یمنی) کمزوروں کا طرفدار ہو گیا تھا، کاش خالد نے اس مسئلہ کو سمجھا ہوتا تو سندھ کا ایک بار فتح ہو کر پھر ہاتھ سے نکلنا ہی کیا؟ یہی حکم بن عوانہ کلبی ہے جس کے ساتھ منذر بن زبیر ہباری آیا تھا جس کا پوتا آگے چل کر حجازی لوگوں کا سردار بن کر سندھ پر قابض ہو گیا، اس کا نام عمر بن عبدالعزیز ہباری تھا، اور اسی سے ریاست منصورہ کی ابتدا ہوئی[2]، جو چوتھی صدی کے آخر تک رہی۔

جمادی الاخریٰ ۱۲۰ھ میں عراق کی حکومت سے خالد قسری معزول ہو گیا، اور اس کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی مقرر ہوا، یوسف اس عہدہ پر پہنچتے ہی خالد کے مقرر کردہ تمام عمال کے ساتھ بڑی بدسلوکی کرنے لگا، حکم بن عوانہ کلبی بھی خالد ہی کے مقرر کردہ عمال میں سے تھا، دل میں بہت خوفزدہ ہوا، آخر اس نے ٹھان لیا کہ یا تو کوئی ایسی مہم سرانجام دینی چاہئے جس سے میری شہرت خوب ہو، اور یوسف خوش ہو جائے، ورنہ اس ہونے والی ذلت سے موت بہرحال بہتر ہے، چنانچہ سنہ ۱۲۱ھ میں سندھیوں نے موقع پا کر حملہ کیا۔ دونوں طرف سے جنگ خوب ہوئی، آخر اسی جنگ میں حکم شہید ہو گیا۔

عمر بن محمد بن قاسم والیِ سندھ

حکم کے مرنے پر سندھ کی حکومت کے لئے حکم کے دو ماتحت عہدہ دار کھڑے ہو گئے، ایک عمر بن محمد بن قاسم ثقفی جو تمام سواروں کا افسر تھا، اور دوسرا یزید بن عرار، اس کی اطلاع عراق میں یوسف ثقفی کو ہوئی، اس نے خلیفہ ہشام کو دمشق لکھ بھیجا، خلیفہ نے جواب دیا کہ عمر ثقفی اگر جوان ہو گیا ہو تو اس کو ناظمِ سندھ بنا سکتے ہو، یوسف نے ابن عرار پر ترجیح دے کر عمر کو سندھ کا حاکم بنا دیا، عمر نے اپنے حریف ابن عرار کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں بھیج دیا[1]،

عمر بن محمد بن قاسم سندھ کا والی تو ہو گیا، مگر اس خانہ جنگی سے دشمنوں نے خوب فائدہ اٹھایا، ملک کا بڑا حصہ دباتے ہوئے خاص پایۂ تخت منصورہ تک پہنچ گئے، عمر بن محمد کے پاس اس وقت اس قدر قوت نہ تھی، کہ کھلے میدان دشمنوں کا مقابلہ کرتا، وہ منصورہ چلا آیا، دشمن بھی تعاقب کرتے ہوئے منصورہ پہنچے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، چونکہ یہ خانہ جنگی سے کمزور ہو گیا تھا، اس کے پاس اس قدر فوج نہ تھی کہ دشمنوں سے محاصرہ اٹھا سکتا، اس لئے اس نے اس کی اطلاع عراق یوسف ثقفی کے پاس روانہ کی، اس نے فوراً چار ہزار فوج منصورہ بھیجدی جس کے پہنچتے ہی دشمنوں نے محاصرہ اٹھا لیا، عمر بن محمد نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی فوجی قوت کو ترقی دینا شروع کیا جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو دشمنوں کو ان تمام مقبوضات سے نکال دینے کے لئے آگے بڑھا جن پر وہ قابض ہو گئے تھے، فوج کے مقدمہ پر معن بن زائدہ شیبانی جیسے مشہور بہادر کو سردار بنایا، یہ فوج جب دشمن کے قریب پہنچ گئی تو اچانک اس نے رات کو غنیم پر شبخون مارا جس میں دشمنوں کی فوج کا بڑا حصہ قتل ہوا، یہ دیکھ کر راجہ بذاتِ خود جنگ کے لئے نکلا، اور مسلمان سپاہیوں کے سامنے آگیا، عربوں نے تو اس کو نہ پہچانا، مگر دیسیوں (سندھیوں) نے اس کو دیکھتے ہی چلانا شروع کر دیا کہ "راے، راے" مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ یہی راجہ ہے، تو اس پر ٹوٹ پڑے، راجہ یہ دیکھ کر بھاگ گیا، اس کا لشکر بھی شکست کھا کر ادھر ادھر منتشر ہو گیا، اس فتح سے عمر کی دھاک

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۶ لیدن [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۸۹ لیدن

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۹۰ [2] ایضاً ص ۳۹۰ کسی تاریخ سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ راجہ کس ملک کا تھا، اور کیا نام تھا، مگر قرینہ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سندھ کے قریب کچھ، جے پور، الور وغیرہ کا ہوگا۔

بیٹھ گئی، اور تمام شہر مطیع ہوگیا،

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین نفاق، کینہ، حسد جڑ پکڑ گیا تھا، اور خود غرضی اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ ذاتی فوائد کے لئے قومی فوائد کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا تھا، چنانچہ اس وقت جبکہ عمر بن محمد دشمنون سے لڑکر ملک کو نجات دلا رہا تھا، مروان بن یزید بن مہلب جو اس کی فوج مین تھا، اس نے موقع پاکر اس کے تمام مال واسباب اور سواری کے جانورون کو لوٹ لیا، جب عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو اس کا تعاقب کیا، اس وقت اس کے ساتھ معن بن زائدہ شیبانی اور عطیہ ابن عبدالرحمن تھے، ان سب لوگون نے اس کی جماعت پر حملہ کر کے منتشر کردیا، سب لوگ دھر ادھر ہوگئے، مروان بھی کہین روپوش ہوگیا، عمر نے فوراً اعلان کرادیا کہ مروان کے تمام ساتھیون کو پناہ دی گئی سوائے مروان کے، اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کسی نے اس کو بھی پکڑوا دیا، جو اسی وقت قتل کردیا گیا، [1]

۶ ربیع الاول سنہ ۱۲۵ھ مین ہشام وفات پاگیا، اور اس کی جگہ ولید بن یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا، عمر بن محمد ثقفی تقریباً پانچ سال سندھ کا حاکم رہا، لیکن ولید جب برسرِ حکومت ہوا تو ہشام کے تمام عمال اس نے معزول کردئے، اسی مین عمر بن محمد بھی تھا،

یزید بن عرار والی سندھ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یزید بن عرار نے قیدخانہ ہی سے عمر کے خلاف سازش شروع کی، اور ہشام کے مرنے پر اس کی سفارش کامیاب ہوگئی، چنانچہ اسی سال سنہ ۱۲۵ھ مین عمر کے بجائے یزید بن عراری سندھ کا حاکم بنایا گیا،

عمر کی طرح یزید بھی حکومت کی اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا، اس نے بھی زمام حکومت ہاتھ مین لیتے ہی ملک کا بہترین انتظام کیا، اندرونی بدنظمیون کو دور کر کے آس پاس کے راجون پر پے در پے حملے شروع کئے، یہان تک کہ اس نے اٹھارہ حملے ان پر کر کے سلطنت کو مضبوط بنایا، اور از سرِ نو

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۹ طبع لیدن

عربون کی سطوت اور رعب قائم کیا،

اب اس ۲۵ - ۳۰ برس کے عرصہ مین سندھ پر عربون کا بہت کافی اثر پڑا، اور سندھ کے لوگ پایۂ تخت تک پہنچکر سیاست مین بھی حصہ لینے لگ گئے تھے، اور فوجی خدمت کے لئے تو سندھ کے بعض علاقے بہت موزون تھے، چنانچہ قیقان کے جاٹ فوج مین بہت بھرتی ہوئے، سنہ ۱۲۲ھ مین جب زید بن علی بن حسینؓ کا واقعہ پیش آیا، تو سرکاری فوج مین تین سو جوان قیقانی (سندھی) بھی تھے جنھون نے جناب موصوف کا محاصرہ کیا تھا، اور پھر جناب موصوف کا وہ غلام بھی سندھی ہی تھا جس نے آنجناب کی قبر کا پتہ بتلایا، اسی طرح سنہ ۱۲۶ھ مین جب ولید ابن یزید قتل کیا گیا ہے، تو قاتلون مین ایک شخص سندھی ابن زیاد بن ابی کبشہ بھی تھا، [1] سیاسی امور کے علاوہ علمی میدان مین بھی سندھیون نے کافی ترقی کی تھی، ابو عطا سندھی کا نام تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گا جنھون نے عجمی (سندھی) ہونے کے باوجود اپنی فصیح و بلیغ شاعری کا خراج عرب کے اہلِ زبان سے حاصل کیا، ابن اثیر نے اپنی تاریخ مین متعدد جگہ ان کے اشعار نقل کئے ہین، جس سے ان کی عام مقبولیت اور شہرت کا اندازہ ہوسکتا ہے، [2]

ان سندھیون مین دونون قسم کے مسلمان تھے، وہ بھی جو خالص سندھی نسل کے مسلمان تھے، اور وہ بھی جو مخلوط النسل (عرب سندھ) کے تھے، اور بڑی تعداد ایسے خاندانون کی بھی تھی جو خالص عرب تھے مگر سندھ ہی کو وطن بنا لیا تھا،

---

[1] الکامل لابن اثیر جلد ۵ ص ۲۱۱ لیدن و ص ۲۴۳

[2] چند شعر نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل ہین :-

الا ان عینا لم تجد یوم واسط — علیك بجاری دمعها لجمود

عشیة قام النائحات وشققت — اکف بایدی ماتم وخدود

فان تمس مهجور الفناء فربما — اقام به بعد الوفود وفود

فانك لم تبعد علی متعهد — بلی کل من تحت التراب بعید

ہشام بنی امیہ میں آخری خلیفہ تھا، جو با اختیار تھا، اس کے بعد تمام ممالک میں سخت بدامنی پھیل گئی، ۱۲۶ھ میں جب ولید مارا گیا، تو یزید الناقص بن ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا اچھا بعد یزید ناقص مر گیا، اور اسی سنہ ۱۲۶ھ سال ابراہیم بن ولید خلیفہ بنایا گیا، لیکن مروان الحمار بن محمد نے اس سے سلطنت چھین لی، یہ باغیوں سے لڑتا رہا، اور خلفائے عباسی کے داعی اس عرصہ میں اپنا کام کرتے رہے، یہاں تک کہ سنہ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی جگہ بنی عباس نے خلافت پر قبضہ کر لیا،

منصور باغی کا سندھ پر قبضہ

ان مفسد باغیوں میں سے ایک شخص منصور بن جمہور کلبی بھی تھا، جس نے ولید کے وقت ہی سے ہر فتنہ میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ ولید کے قاتلوں میں یہ خود بھی شریک تھا[1]، پھر عباس بن ہشام کی بغاوت میں بھی یہ شامل رہا، شکست کے بعد عباس تو سندھ چلا آیا، اور یہ عراق کے پہاڑی ملک میں موقع کا منتظر رہا، سنہ ۱۲۹ھ میں عبد اللہ بن معاویہ نے جب فارس میں شورش بپا کی تو پھر اس کے ساتھ ہو گیا، لیکن جب اس کی فوج تباہ کر دی گئی تو یہ خوفزدہ ہو کر بھاگا، اور سندھ آ کر اس نے دم لیا، معن بن زائدہ نے اس کا تعاقب کیا مگر ہاتھ نہ آیا، منصور بن جمہور کلبی سندھ اس خیال سے آیا تھا کہ یزید بن عرار جو سندھ کا حاکم تھا، وہ اس کے رشتہ داروں میں سے تھا، اس کے زیر سایہ وہ اپنے حسب خواہش امور انجام دے گا، لیکن جب ابن عرار کو منصور نے اپنے آنے کی اطلاع دی، تو وہ اس کی فتنہ پردازی سے ڈرا، اس لئے خلاف توقع اس نے منصور کو لکھ بھیجا کہ آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہرے رہئے، اس طرف آنے کا قصد نہ کیجئے گا، منصور اس جواب سے برافروختہ ہو گیا، اس کے جواب میں اس نے کہلا بھیجا کہ میں تو تمہارے پاس مطمئن ہو کر قیام کی نیت سے آ رہا تھا، مگر اب خدا تمہاری مہربانی اور فراست سے بچائے، اور اس بے حمیتی کا حال تم کو عنقریب معلوم ہوگا،

[1] الکامل جلد ۵ ص ۲۱۶ لیدن،

ابھی تک منصور دریائے سندھ کے کنارے مقیم تھا، اب اس نے شہر سدوسان پر قبضہ کر کے وہاں ٹھہر گیا، اور کشتیاں بنوانے کا حکم دیا، چند دن کے بعد جب تیاری ہو گئی تو اونٹوں پر لدوا کر دریائے سندھ پر پہنچا اور کشتیوں پر سوار ہو کر ابن عرار کے مقابلہ کو روانہ ہوا، ابن عرار اس کے مقابلہ کے لئے بالکل تیار نہ تھا، اس نے غلطی سے اس کو کوئی اہمیت نہ دی، اور غالباً معمولی فوج لے کر اس کی طرف روانہ ہوا، منصورہ سے چل کر وہ آگے بڑھا، اور راستہ میں دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی، منصور سمجھتا تھا کہ اگر شکست ہوئی تو موت یقینی ہے اس لئے اس نے مایوسانہ جنگ شروع کر دی، اور اس جرأت اور بہادری سے حملہ آور ہوا کہ ابن عرار اس کا مقابلہ نہ کر سکا، اور فرار ہو کر منصورہ میں پناہ لی، ابن جمہور کلبی تعاقب کرتا ہوا منصورہ پہنچا، اور اس کا محاصرہ کر لیا، چند ہی دن میں محاصرہ سے ایسا تنگ آ گیا کہ منصور کلبی سے پناہ مانگنے پر مجبور ہوا، منصور نے صاف جواب دے دیا کہ تمہارے جیسے کے لئے پناہ ناممکن ہے، بس میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ قلعہ حوالہ کر دو، پھر میں جیسا مناسب سمجھوں گا تمہارے ساتھ سلوک کروں گا، ناچار قلعہ حوالہ کر دیا اور خود اس سے معافی کا خواستگار ہوا، مگر منصور نے اس پر ذرا رحم نہ کیا، اور کھڑا ستون دیوار میں زندہ چنوا دیا[1]، اور پھر تمام سندھ پر منصور ابن جمہور مطلق العنان حاکم ہو گیا،

افسوس کہ محض سیاسی غلطی کی بنا پر ایک اچھا سپہ سالار دنیا سے چل بسا، بات یہ ہے کہ یزید بن عرار ایک اچھا سپہ سالار تھا، مگر سیاست دان نہ تھا، اس نے پہلی غلطی یہ کی کہ منصور کے سندھ پہنچتے ہی فوراً اس کو ایک باغی سمجھ کر گرفتار نہ کر لیا، پھر جب اس نے پناہ مانگی تو فوراً اس کو اپنے پاس بلا کر نظر بند یا قتل کرنا تھا، اور یہ بھی نہ سوجھی تو کم از کم اپنی ذاتی [illegible]

[1] تاریخ یعقوبی جلد دوم لیدن ص۴۰۸،

فوج کے علاوہ اور تمام ضلعوں کے حاکموں سے مدد لینی تھی، مگر نہ معلوم کیا افتاد پڑی کہ اس سے کچھ نہ ہو سکا، اور بے بسی کی موت کا شکار ہوا، تاریخی کتابوں سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، اس لئے قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے منصور سے جنگ کرنے میں سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس جنگ کی اہمیت کا اس نے مطلق احساس نہ کیا، غالباً یہ واقعہ ۱۲۹ / ۱۳۰ھ کا ہے، اس لئے کل مدتِ حکومت ۴ - ۵ برس رہی،

اب منصور نے اپنے بھائی منظور کو قندابیل اور دیبل (یعنی مغربی سندھ) کا حاکم بنا کر روانہ کیا، اور خود سندھ کے انتظام میں مشغول ہو گیا،

سنہ ۱۳۲ھ میں ابو مسلم خراسانی نے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح کی طرف سے صرف خراسان بلکہ تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کر لیا، اور ہر جگہ اپنا معتمد آدمی بھیجکر اپنی حکومت مضبوط کر لی، اسی سلسلہ میں اس نے سندھ بھی ایک فوج روانہ کی جس کا افسر مغلس عبدی سجستانی تھا، یہ شخص سندھ پہنچا تو سب سے پہلے اس کا مقابلہ دیبل کے حاکم منظور سے ہوا، جو منصور کا قوتِ بازو اور اس کا حقیقی بھائی تھا، یہاں دونوں سے بڑی سخت جنگ ہوئی، جس میں منظور مارا گیا، اور مغلس عبدی فتح یاب ہو کر آگے بڑھا۔

مغلس کی موت

جب شکست کی خبر منصور کو ہوئی تو اپنے بھائی کے مرنے پر اس کو بیحد صدمہ ہوا اور انتقام کے لئے وہ بیتاب ہو گیا، مغلس بھی بڑھتا ہوا منصورہ کے پاس آ پہنچا، ابن جمہور بھی فوجی تیاری کے ساتھ باہر نکلا، دونوں میں ایک خونریز جنگ ہوئی، جس میں سرکاری فوجوں کو شکست ہوئی، مغلس عبدی مع اپنے ساتھیوں کے گرفتار ہو کر منصور کے سامنے لایا گیا، منصور نے جوشِ انتقام میں، اسی وقت ان کو قتل کروا ڈالا،

موسیٰ بن کعب [illegible]

اس واقعہ کی خبر جب ابو مسلم خراسانی مشرقی ممالک کے ناظم اعلیٰ (گورنر جنرل)

کو ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا، اور اس نے خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح سے اجازت لے کر ایک مشہور مدبر موسیٰ بن کعب تمیمی کو افسر لشکر بنایا، جو اس وقت انسپکٹر جنرل پولیس کے عہدہ پر مامور تھا، اور یہ عہدہ اس وقت ایک آئی، جی، گورنر کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

موسیٰ بن کعب بیس ہزار فوج (اور بقول ابن اثیر بارہ ہزار) لے کر سندھ آ پہنچا، مگر ایک ہوشیار مدبر کی طرح حالات کا اندازہ لگانے کے لئے وہ پہلے قندابیل میں ٹھہرا، جب مفصل حال اس کو معلوم ہو گیا تو تدبیر اور تقدیر دونوں سے اس نے کام لیا، یعنی ایک طرف تو وہ فوجی تیاری کی تکمیل کرتا رہا، اور دوسری طرف منصورہ کے شہریوں کو پرچاتا رہا، دیگر فوجی لوگوں نے بھی منصور کے فوجی لوگوں سے جو ہم قبیلہ یا قرابت دار اور احباب تھے، ان سے خط و کتابت اور پیام و سلام کے ذریعہ منصور کے برخلاف اپنی طرف مائل کرنے میں، انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اور بہت کامیاب رہے، موسیٰ نے جب اپنی تدبیروں کو تیر بہدف دیکھ لیا تو کوچ کرتا ہوا منصورہ کی طرف بڑھا، جب دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو منصور کلبی بھی اپنی فوج لئے ہوئے آ موجود ہوا، اب موسیٰ نے اپنی تمام فوج دریا کے اس پار اتاری اور غنیم سے جنگ آزمائی کرنے لگ گیا، ایک سخت حملہ کے بعد منصور کی فوج نے شکست کھائی، موسیٰ آگے بڑھا، منصور چاہتا تھا کہ پایۂ تخت میں جا کر محصور ہو جائے لیکن اہلِ شہر اور فوج کی سازش کا حال اس کو معلوم ہو گیا، جس کے باعث وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ شہر واپس جانا اس نے کسی طرح مناسب نہیں سمجھا، وہ بھاگ کر ہندوستان کی طرف چلا، لیکن راستہ بھول کر ریگستان میں جا پڑا، موسیٰ کے لوگ بھی تعاقب میں تھے، گرفتار کر کے قتل کر دیا[1]۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ ۴۲۹ لیڈن، لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ ریگستان میں بھٹکتا ہوا پیاسا مر گیا، اور بلاذری میں بھی یہی ہے،

منصورہ میں جب اس کی خبر پہنچی تو اس شخص نے جس کو منصورہ سپرد کیا تھا اس جگہ رہنا خطرہ سے خالی نہ سمجھا، اس لئے اس کے تمام اہل و عیال اور خاندان کو بلاد خزر (کوہ قاف) کی طرف لے گیا[1]، غالباً یہ شخص اسی کے خاندان کا ہوگا، جس نے اس قدر ہمدردی کی اور موت کے منہ سے بچایا، یہ واقعہ سنہ ۱۳۲ھ کا ہے۔

موسیٰ منصورہ میں داخل ہو کر مقیم ہو گیا، اور اس کی مرمت کرائی، اور آبادی میں کوشاں ہوا، مسجد میں اضافہ کیا جس کے باعث تنگی جاتی رہی، پھر سندھ کے تمام علاقوں پر اس نے خود حکومت کی[2]،

سندھی وفد سفاح کے دربار میں

سنہ ۱۳۶ھ میں جب کہ ابو العباس عبداللہ السفاح بستر موت پر تھا، سندھ سے ایک وفد روانہ کیا گیا جس نے غالباً یہاں کے تمام حالات بیان کئے ہوں گے، لیکن تین ہی دن کے بعد خلیفہ مر گیا، اس لئے اس وفد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا[3]،

غالباً سنہ ۱۴۱ھ تک موسیٰ بن کعب تمیمی مصروفِ انتظام رہا، اور کسی قسم کی کوئی شکایت اس کے متعلق کسی کو نہیں ہوئی، پھر رخصت پر وطن گیا، اور بغداد میں مقیم تھا کہ پیام اجل آگیا اور سنہ ۱۴۱ھ میں وہیں پیوند زمین ہوا[4]۔

عیینہ بن موسیٰ کی ولایت اور بغاوت

سندھ سے جاتے وقت اس نے اپنے لڑکے عیینہ بن موسیٰ تمیمی کو قائم مقام بنا گیا تھا، اور اس کی وفات پر مستقل حاکم کر دیا گیا، مگر افسوس ہے کہ لائق باپ کا لائق لڑکا نہ نکلا، اور اس سے حکومت نہ سنبھل سکی، اس کی بد انتظامی سے خود آپس میں مسلمان لڑ پڑے، اہل یمن (قحطانی) اور قبیلہ ربیعہ (نزاری اہل حجاز) کے لوگ جو اس کے ساتھ تھے، اس کی بدعنوانی پر معترض ہوئے، اس سے وہ اس قدر برافروختہ ہوا کہ ان سب کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا، اس واقعہ سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہوا، اور ہر شخص برسرِ پیکار

[1] تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۳۴۶ لیدن [2] بلاذری لیدن [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۴۲ [4] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۴۵،

ہو گیا، اور اس کی مخالفت پر لوگ آمادہ ہو گئے۔

اسی اثنا میں ایک بات یہ ہو گئی کہ موسیٰ بن کعب سندھ آنے سے پہلے خلیفہ کی طرف سے صاحب شرطہ (انسپکٹر جنرل پولیس) کے عہدہ پر تھا، سندھ آتے وقت اس نے اپنی جگہ مسیب بن زہیر نامی کو چھوڑ آیا تھا، اس کے کانوں میں جب عیینہ بن موسیٰ کی بد انتظامی کی خبریں پہنچیں تو وہ دل میں خوفزدہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ سندھ سے مستعفی ہو کر اپنے باپ کی قدیم جگہ لینا چاہے، اور پھر میں اپنی جگہ سے نکال دیا جاؤں، اس لئے اس نے ایک گمنام خط اس کے پاس روانہ کر دیا جس میں اس نے لکھا کہ

فارضك ارضك ان تاتنا　　تنم نومة ليس فيها حلم

یعنی یہیں پر تم ہو وہیں رہو، اگر تم ہماری طرف نکل آؤ گے تو ایسی نیند سوؤ گے کہ پھر بیدار نہ ہو گے۔

اس کو پڑھ کر وہ مرعوب ہو گیا، اور سندھ میں رہ کر مستقل حکومت کا ارادہ کیا، لیکن اس نے سب سے زیادہ حماقت یہ کی کہ باوجود آپس میں نفاق اور فوجی طاقت کمزور ہونے کے مرکزی حکومت سے بغاوت اختیار کی، اور وہاں کے احکام کی تعمیل بند کر دی، خلیفہ منصور کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس آتش کو فرو کرنے پر فوراً مستعد ہو گیا، وہ اس وقت بصرہ کے پل پر تھا،

عمر بن حفص

ابو جعفر منصور خلیفہ عباسی نے وہیں سے عمر بن حفص بن عثمان بن ابی صفرہ عتکی کو سندھ روانہ کیا، یہ ایک بہادر سردار تھا، اس کی شجاعت اس قدر مشہور تھی کہ لوگ اس کو ہزار مرد کہتے تھے، اور اسی کے ساتھ عقبہ بن مسلم کو بھی کر دیا، تاکہ عمر کو بوقت ضرورت ہر قسم کا مشورہ دے سکے، تاریخ میں اس شخص کا بالخصوص طور پر نام لینے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ کوئی بڑا مدبر شخص تھا جس کی شرکت عمر ہزار مرد جیسے افسر کے ساتھ ضروری سمجھی گئی۔

سنہ ۱۴۲ھ میں یہ دونوں مع افواج قاہرہ سندھ پہنچے، عیینہ نے یہ معلوم کر کے فوج تیار

شروع کردی، اور مدافعت کے سامان مین مشغول ہوگیا، عمر جب منصورہ پہنچا تو اس نے اندر داخل ہونے نہ دیا، اور نہ اطاعت کی طرف مائل ہوا، ناچار عمر بن حفص نے دیبل مین قیام کیا، اور وہین سے جنگی انتظامات کرنے لگا،

لوگ والیِ منصورہ کے مظالم سے تنگ آگئے تھے، جیسے ہی ابن حفص ہزار مردن کے دیبل مین قیام کی خبر ملی، منصورہ اور اطرافِ ملک سے دیبل پہنچنے لگے، ایک دو جنگ کے بعد ہی والیِ منصورہ کو معلوم ہوگیا کہ فتح ناممکن ہے، کیونکہ خود اس کی فوج کے لوگ اور جس کو وہ اپنا طرفدار سمجھتا تھا اس سے ٹوٹ کر ابن حفص سے آملے، اس طرح وہ بالکل بے یار و مددگار ہوگیا،[1] آخر صلح کا طالب ہوا، عمر بن حفص نے اس کو امان کا وعدہ دے کر منصورہ پر قبضہ کر لیا، اور عیینہ بن موسیٰ کو قید کر کے پایۂ تخت خلیفہ کے پاس روانہ کردیا، لیکن قیدی یہ جانتا تھا کہ خلیفہ اس کو ضرور قتل کردے گا، اس لئے محافظون کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلا، اور سجستان کی طرف روانہ ہوا، وہ مقام "رخج" تک پہنچا تھا کہ کچھ یمنی لوگون نے باغی معلوم کر کے اس کو گرفتار کر لیا، اور سر کاٹ کر پایۂ تخت لے پہنچے۔[2]

سندھ میں شیعیت کی ابتداء

عمر بن حفص منصورہ پہنچکر سلطنت کے انتظام مین مشغول ہوگیا، اسی اثنا مین عبداللہ الاشتر علوی نے چند جان نثارون کے ساتھ بصرہ پہنچکر چند اچھے اور عمدہ گھوڑے خریدے اور جہاز پر بیٹھکر سندھ پہنچے، اور لوگون کو یہ بتایا کہ ہم لوگ گھوڑون کے تاجر ہین، حالانکہ ان کا مقصد بنی عباس کے خلاف سادات کے لئے خلافت حاصل کرنا تھا، والیِ منصورہ عمر بن حفص کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تو اس نے ان کی بڑی آؤبھگت کی، ان کو تاجر سمجھکر گھوڑے پسند کئے، اور حکم دیدیا کہ تمام شہر مین جتنے اچھے گھوڑے فروخت کے لئے ہون وہ ان کے پاس حاضر کئے جائیں۔

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۴۴ ، [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۴۶۴ لیڈن ،

خود عبداللہ نے تو اس معاملہ کو ابھی تک راز مین رکھنا چاہا، مگر ان کے ایک ساتھی نے والیِ منصورہ سے اس کا ذکر کر ہی دیا، اس نے کہا کہ گھوڑون کے متعلق جو حکم آپ نے دیا ہے اس کا مین مشکور ہون، مگر اس سے زیادہ بہتر چیز آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، جو دنیا اور آخرت دونون مین آپ کے لئے باعثِ نجات ہے، اس کے بعد حالات سے آگاہ کیا، والی خود ان لوگون مین سے تھا جو سادات کے طرفدار تھے، اس لئے ان کی دعوت کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا، اور خود ان کو ایک مخفی جگہ مین رکھا، اور شہر کے بڑے بڑے صاحبِ اثر لوگون کو بلا کر ان سب سے مشورہ لیا، اور آخر یہ طے پایا کہ ایک دن جمعرات کو بیعت لی جائے، اور اس کے لئے ایک سفید علم (جھنڈا) تیار کیا گیا، اور سفید کپڑے عبداللہ کے لئے بنائے گئے، جس کو پہن کر وہ خطبہ دیتے۔

یہ تمام انتظام ٹھیک ہو چکے تھے کہ اتفاقاً اسی دن ایک جہاز بغداد سے پہنچا جس میں ایک تاجر بھی تھا، وہ عراق سے ایک خط عمر بن حفص کی بیوی کا لایا، جس مین لکھا تھا کہ محمد اور ابراہیم دونون خلافت کی فوجون سے شکست کھا کر مارے گئے، عمر یہ خط لے کر عبداللہ کے پاس گیا، اور ان کے باپ اور چچا کے مرنے پر تعزیت دی، یہ سن کر عبداللہ اشتر بہت گھبرائے اور مایوسی کے لہجہ مین کہا، کہ میرا راز ظاہر ہوگیا اور اب میری جان تمہارے ہاتھ مین ہے۔[1]

عمر نے ان کو بڑی تسلی دی، اور کہا کہ ہمارے جوار مین ایک بارعب اور بڑا بہادر راجہ رہتا ہے، اس سے خط و کتابت کر کے تمہارے لئے امن کی جگہ بنا دون گا، چنانچہ اس نے اس سے اس معاملہ مین خط و کتابت کی، چونکہ وہ ایک بڑی سلطنت کا مالک اور خود مختار تھا، اس لئے خلیفہ کے حکم پر وہ مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا، اور اپنے قول و قرار کا بڑا پکا تھا، اس بنا پر بھروسہ کے قابل سمجھ کر عمر نے عبداللہ کو اس کے پاس روانہ کیا، جہان وہ آرام کی زندگی بسر کرنے لگے، کیونکہ

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۵۵۴ لیڈن ،

راجہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا، اور ہر طرح کی آزادی ان کو دے رکھی تھی[1]،

جب اس کی خبر ان کے ہوا خواہوں کو معلوم ہوئی تو لوگ ادھر اُدھر سے ان کے پاس جمع ہونے لگ گئے، یہاں تک کہ چار سو آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے، وہ اپنا تمام وقت عیش و آرام اور شکار میں گذارتے تھے، اور زیدیہ فرقے کے عقائد کی اشاعت کرتے تھے، کہتے ہیں کہ سندھ میں شیعیت اسی وقت سے داخل ہوئی،

خارجیوں کی تبلیغ ان شیعوں کے مقابلہ میں خارجی بھی اپنے فرائض سے غافل نہ تھے، اور ہر جگہ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے تھے، عمان کے خارجی اکثر سندھ آتے اور لوگوں کو عباسیوں کے برخلاف ابھارتے

سنہ ۱۴۲ھ میں حسان بن مجاہد ہمدانی خارجی رقہ سے بذریعہ جہاز سندھ پہنچا، اور تمام اطراف کا دورہ کر کے بڑی کوشش کی کہ اس کے ہم خیال پیدا ہوں، تو ایک زبردست فوج تیار کر کے عباسیوں کا مقابلہ کرے، مگر والی سندھ عمر بن حفص نے جو سادات کا طرفدار تھا، اس کی دال نہ گلنے دی اور مجبوراً وہ موصل واپس گیا،

حضرت عبداللہ الاشتر تقریباً نو دس سال بہت آرام اور بے فکری سے زندگی گذارتے رہے، ابن حفص نے بھی اس عرصہ میں سندھ کی حکومت بہت اچھی طرح کی، کسی قسم کی شکایت نہ ہونے پائی، اور ہر جگہ امن و امان رہا، قرب و جوار کے ہندو راجاؤں سے بھی تعلقات اس کے اچھے رہے، لیکن اس کے عہد میں کوئی نیا علاقہ داخل نہیں ہوا، اور عمر بن حفص جیسے مدبر اور بہادر

[1] تاریخوں سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون راجہ تھا؟ سندھ یا ہندوستان کے کس حصہ پر قابض تھا، لیکن آگے جو بیان آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کی کسی شاخ کے پاس جو ریگستان سے متصل ہے، اس کا ملک تھا، غالباً یہ "کچھ" سندھ اور ریگستان کے درمیان واقع ہوگا،

سے توقع کے خلاف یہ بات ہوئی،

سنہ ۱۵۱ھ میں منصور خلیفہ عباسی کو عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے، تو عمر بن حفص کے پاس فرمان بھیجکر جواب طلب کیا، عمر بہت گھبرایا، اس سے کوئی جواب بن نہ پڑتا تھا، آخر چند خاص معتمد لوگوں کو جمع کر کے خلیفہ کے خط سے آگاہ کیا، اور کہا کہ اگر اقرار کرتا ہوں تو حکومت سے نکال دیا جاتا ہوں، اور خلیفہ کے پاس چلا جاؤں تو قتل کر دیا جاؤں گا، اور انکار کر جاؤں تو لڑائی کرنی پڑے گی،

مجلس کے ایک شخص نے کہا کہ میرا نام لکھ کر بھیج دیجئے، غالباً مجھ کو طلب کرے گا، اس وقت مجھے وہاں روانہ فرما دیں، یقین ہے کہ خلیفہ آپ کے سبب سے مجھے معاف کر دے،

عمر نے کہا کہ ایسا نہ ہوگا، بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم قتل کر ڈالے جاؤ گے، اس نے کہا کہ اگر ایسا بھی ہوا تو کچھ پرواہ نہیں، میں آپ پر تصدق ہو جاؤں گا، چنانچہ اس شخص کی تجویز کے مطابق وہ گرفتار کر کے قید کر دیا گیا، اور منصور کو اس کی خبر دی گئی، منصور نے اس کو طلب کیا، عمر نے بھیجدیا، جہاں وہ بے گناہ قتل کر دیا گیا اور اپنے افسر کی جان اور عزت پر قربان ہو گیا[1]۔

اگرچہ عمر بن حفص کی جان اس کے وفادار ساتھی نے بچا دی، اور منصور اقراری مجرم کے قتل کے بعد عمر سے قانوناً کچھ نہ کہہ سکا، مگر دل اس کا صاف نہ ہوا، اور سیاسی مصالح کی بنا پر یہاں اس کی تبدیلی ضروری سمجھی گئی، وہ عمر کی قابلیت سے بھی واقف تھا، اور جانتا تھا کہ وہ بہترین حکمران ہے، اس لئے اس کو ترقی دے کر سنہ ۱۵۱ھ میں افریقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

ہشام کی حکومت اس اثنا میں کہ وہ اس کی تبدیلی پر غور کر رہا تھا، اور سندھ کے لئے اس کے قائم مقام کی تلاش تھی، ایک دن وہ تفریحاً جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شخص پر نظر پڑی اس نے

[1] الکامل جلد ۵ صفحہ ۲۰۱،

بغور اس کو دیکھا، اور قصر خلافت میں واپس آگیا، یہ شخص بڑا ہوشیار تھا، اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ وہ منصور کے پاس پہنچا، اور ملاقات کی خواہش کی، منصور اس سے بالکل واقف تھا، تاہم اس کو اندر بلالیا اور آنے کا سبب دریافت کیا، اس نے کہا یا امیر المومنین! جب آپ کی سواری چلی گئی، تو میں گھر پہنچا، وہاں میں نے اپنی دوشیزہ بہن کو دیکھا جو نہایت حسین اور عقل و دینداری میں کامل ہے، میں نے خیال کیا کہ امیر المومنین کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں ہے، اس لئے درخواست ہے کہ اس کو اپنے عقد میں لے لیں۔

منصور نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ سوچ کر کہا کہ اچھا تم جاؤ، میں اس کا جواب پھر دوں گا، اس کے چلے جانے کے بعد منصور نے اپنے سکریٹری (کاتب السر) ربیع سے کہا کہ میں اس کی درخواست ضرور قبول کرلیتا، اگر جریر شاعر کا یہ شعر نہ سنا ہوتا۔

لا تطلبن خولة من تغلب   فالزنج اکرم منهم اخوالا

قبیلہ تغلب والوں کو خولہ کا پیام نہ دو اس لئے کہ ماموں بنانے کے لئے زنگی بھی ان سے بہتر ہیں،

یہ شخص قبیلہ تغلب کا تھا اور اس کا نام ہشام بن عمر تغلبی تھا، اس لئے منصور نے اس کی قرابت پسند نہ کی،

پھر اس نے کہا کہ اس کو کہہ دو کہ تمہاری اس پیش کش کا شکریہ، مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، البتہ تمہارے ساتھ یہ احسان کرنا چاہتا ہوں کہ تم کو سندھ کی ولایت سپرد کرتا ہوں اب تم فوراً وہاں روانہ ہو جاؤ، ادھر عمر بن حفص کو لکھا کہ ہشام جب پہنچے تو فوراً اس کو اپنا عہدہ سپرد کرکے تم افریقہ روانہ ہو جاؤ،

جب ہشام دربار خلافت میں رخصت کے لئے حاضر ہوا، تو خلیفہ منصور نے خصوصیت سے ہشام کو اس کی تاکید کی کہ عبد اللہ الاشتر کو جس طرح ہو سکے قید کر لو، اور بآسانی ناممکن ہو

[1] کامل جلد پنجم ص ۴۶۰ لیڈن۔

تو راجا کے ملک پر حملہ کرکے اس میں کامیابی حاصل کرو،

ہشام سندھ پہنچا[1]، اور عمر بن حفص کی جگہ سندھ کا والی (گورنر) ہوا، مگر چونکہ یہ خود بھی عمر بن حفص کی طرح سادات کا طرفدار تھا، اس لئے متحیر تھا کہ کس طرح خلیفہ کی خواہش پوری کی جائے، اس کے لئے اس نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ لوگوں میں یہ مشہور کردیا، کہ میں عبد اللہ اشتر کے لئے راجا سے خط وکتابت کر رہا ہوں، اور اس طرح سے باوجودیکہ خلیفہ کی جانب سے تاکیدی احکام اس معاملہ میں عجلت کے لئے آتے رہے، وقت ٹالتا رہا، اور خود خلیفہ کو بھی اسی قسم کی اطلاع دے کر مغالطہ میں رکھا،

انہی دنوں میں ایک مقام پر بدامنی ہوگئی، اس نے اپنے بھائی سفیح کو ایک دستہ فوج دے کر اس طرف روانہ کیا، راستہ اس طرف جانے کا ایسی جگہ سے تھا جو اس راجہ کی سرحد سے ملی تھی، سفیح جب وہاں پہنچا تو دور سے غبار نظر آیا، سمجھا کہ غنیم کی فوج آگئی، اس لئے لوگوں کو مستعد ہونے کا حکم دیدیا، لیکن جب غبار سے صرف دس سوار نکلے تو اس کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبد اللہ الاشتر شکار کے لئے نکلے ہیں، اور تفریح کے لئے دریا کنارے جا رہے ہیں، اس نے حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے، مگر چند لوگوں نے اس کو منع کیا اور کہا کہ یہ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں ان کا خون بہانا درست نہیں، اور اسی سبب سے تمہارے بھائی ہشام نے خلیفہ کے احکام کی تعمیل نہیں کی، مگر سفیح نے جھلا کر جواب دیا کہ میں ان کو ضرور گرفتار کروں گا، اور جو اس میں مزاحم ہوگا اس کو بھی گرفتار کروں گا،

[1] بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ہشام پہلے آیا، پھر عمر بن حفص اس کے بعد داؤد سندھ کا والی ہوا، اور اسی کی پیروی بعض مصنفوں نے کی ہے، چنانچہ الیٹ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کامل ابن اثیر میں ہے کہ عمر کا تقرر افریقہ ۱۵۱ھ میں ہوا، اور ہشام اس کی جگہ سندھ کا والی مقرر کیا گیا، اور واقعات کی ترتیب بھی اسی کی مؤید ہے، یعقوبی ترتیب تقرر میں ابن اثیر کا مؤید ہے مگر عمر بن حفص دو ہی سال کے بعد سندھ سے چلا گیا یعنی ۱۴۲ھ میں اس کا معزول ہونا لکھا ہے۔

عبداللہ کی شہادت

عبداللہ نے جب دیکھا کہ اب جان بچتی نظر نہیں آتی ہے، تو جنگ کے لئے تیار ہو گئے؛ اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے ان کے ساتھی سب مارے گئے، اور خود بھی دو ساتھیوں کے بیچ میں گر کر آخرت کی راہ لی، ان کی لاش مقتولوں میں کچھ اس طرح مشتبہ ہو گئی کہ معلوم نہ کی جا سکی، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ دریائے سندھ میں ان کے طرفداروں نے ان کی لاش کو اس لئے ڈال دیا کہ ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس لوگ نہ بھیج سکیں،

سیلیح نے اس کی خبر ہشام کو دی جس کو سن کر یقیناً اس کو بہت افسوس ہوا ہوگا مگر چونکہ خلیفہ کے حکم کی اس کے بھائی نے تعمیل کی تھی، اس لئے بظاہر اس سے کوئی مواخذہ نہ کیا، ہشام نے اس کی خبر خلیفہ کو دی جس سے منصور بہت خوش ہوا، اور راجہ پر حملہ کرنے کی تاکید کی،

منصور کا اصل منشا تو حاصل ہو چکا تھا، اس لئے راجہ پر حملہ کرنا غیر ضروری نظر آتا ہے، مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ الاشتر کے چار سو جاں نثار راجہ کے پاس پناہ گزیں تھے، اور ان کا لڑکا محمد مع اپنی والدہ کے ان کے ساتھ تھا، اس لئے منصور کو یہ خدشہ تھا کہ سیاسی اغراض کے لئے محمد کو ان کا جانشین بنا کر لوگ فساد نہ برپا کریں، اور راجہ ان چار سو سیاسی مجرموں کو جو اس کی پناہ میں تھے خلیفہ کے حوالہ کرنا اپنی ذلت سمجھتا، اس لئے دونوں کے لئے سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہ تھا،

ہشام نے آخر ۱۵۱ھ میں راجہ پر حملہ کر ہی دیا، دونوں کی خوب جنگ ہوئی، آخر راجہ مارا گیا، اور اس کا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، عبداللہ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا ملک میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے، عبداللہ کے لڑکے محمد اور ان کی ماں جو لونڈیوں میں سے تھیں،

ان سب کو خلیفہ کے پاس بھیجدیا گیا، اور وہاں سے منصور نے اہل بیت کے پاس مدینہ بھیجا کر دیا، اور حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ مشتہر کر دو کہ یہ لڑکا صحیح النسب سید ہے[1]،

بھروچ پر بحری حملہ

جب ہشام ان جھگڑوں سے فارغ ہوا تو اس کو توسیع مملکت کا خیال ہوا، اس نے عمر بن جمل جیسے بہادر کو افسر بنا کر ایک بیڑہ کشتیوں کا دیا، جو بھروچ کے قریب بھاڑ بھوت بندرگاہ میں جا پہنچا، یہ غالباً حالات دریافت کرنے آیا تھا[2]،

ہشام تغلبی منصورہ میں تھا، کہ اس کے کسی مصاحب نے مشورہ دیا کہ منصورہ تمہارے جیسے اولوالعزم افسروں کے لئے کافی نہیں ہے، تم کو تو ملتان جانا چاہئے جہاں سے ہر طرف ہندوستان پر حملہ آور ہو سکتے ہو، یہ بات ہشام کے دل میں اتر گئی، اور فوجی تیاری کر کے ملتان کی طرف چل پڑا اور منصورہ پر اپنے بھائی بسطام کو نائب بنایا، یہ ہندوستان کی حد میں شمال کی طرف بڑھا، یہاں تک کہ کشمیر کی حد میں جا پہنچا، (اس زمانہ میں پنجاب کا بالائی حصہ کشمیر میں داخل تھا) اس نے اس پر حملہ کر کے اپنے مقبوضات میں شامل کیا، اور بڑی تعداد میں قیدی گرفتار ہوئے، اور لوٹ کا مال بیشمار ملا،

ہشام وہاں سے واپس آتا ہوا ملتان پہنچا، یہاں کے لوگ باغی ہو گئے تھے[3] اور خود مختار حاکم بن بیٹھے تھے، جب ہشام وہاں کے قریب پہنچا تو وہاں کا حاکم بھی فوج لے کر نکلا، تاکہ ان کو کسی صورت سے واپس کرے، مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اور آخر دونوں میں سخت جنگ ہوئی

---

[1] الکامل جلد پنجم ص ۲۵۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۳۲ الیدن [3] میرے خیال میں ملتان کے لوگ محمد بن قاسم کے بعد ۱۱۱ھ میں ہی خود مختار ہو گئے تھے، اور چونکہ برہمن آباد پر جے سنگھ دوبارہ قابض ہو گیا تھا، اس لئے ملتان پر فوجکشی نہ ہو سکی، اور اسی لئے تاریخ میں ہشام سے پہلے اس کا کوئی ذکر نہیں آتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہشام سے شکست کھانے کے بعد ان لوگوں نے صلح کر لی، کیونکہ اس کے بعد پھر کسی مورخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خود ایک ریاست تھی جس کا سندھ کے والی سے کوئی تعلق نہ تھا،

جو ملتان والون کی شکست پر جا کر ختم ہوئی، ہشام شہر مین داخل ہوا، اور بہت قیدی پکڑے گئے،

قندابیل (گندھاوی) ہمیشہ سندھ کے تابع رہا، مگر جب خانہ جنگی کے باعث سندھ کی مرکزی طاقت کمزور ہوگئی تھی، تو قندابیل کا حاکم خود مختار بن بیٹھا تھا، اس لئے اب اس کی تنبیہ ضروری سمجھی گئی، چنانچہ ہشام بن عمر تغلبی ملتان سے دریا پار ہو کر قندابیل آیا، اور حاکم کو جبراً وہان سے نکال دیا، اور حسب خواہش پختہ انتظام کر کے واپس ہوا۔

گندھار پر بحری حملہ

غالباً عمر بن جمل اس عرصہ مین واپس آگیا تھا، اور اس سے تمام حالات معلوم کر کے اس لئے ہشام نے جہازون کے بندوبست کا حکم دیا جب مکمل اہتمام ہوگیا تو ان کو دریائے سندھ کے دہانے پر ڈال دیا، جو وہان سے چل کر بحر عرب مین آئے، اور پھر یہ عرب ضلع بھروچ کے بندرگاہ "گندھار" پر حملہ آور ہوئے[1]،

اس حملہ کا سبب کیا ہوا؟ میری نظر سے اب تک کسی تاریخ مین نہیں گذرا، لیکن عرب سیاحون کے سفرنامون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین سومناتھ، کچھ، کنبھائت، بھروچ، چیمور سوپارہ وغیرہ بڑے بندرگاہ تھے، اور بکثرت عرب تاجر آتے جاتے تھے، جب کبھی یہ تاجر لٹ جاتے یا ان کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تو دربار خلافت مین اس کی فریاد کی جاتی، اس وقت کبھی براہ راست مرکزی حکومت ایک بیڑا جہازون کا ان کی حمایت کے لئے بھیجتی، اور کبھی سندھ کے حاکم کو اس طرف توجہ دلائی جاتی جس کو وہ خود انجام دیتا، میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی یہی معاملہ پیش آیا، کیونکہ گجراتی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ بھروچ گوجر راجہ کی سلطنت ختم ہو چکی تھی، اور خاندان راشٹ کوٹ نے ان کو مار کر راج پیپلہ مین پناہ لینے پر مجبور کر دیا، اس انقلاب سلطنت کے وقت بھروچ مین جب فاتح قوم داخل ہوئی ہوگی، اور لوٹ مچی ہوگی

[1] فتوح البلدان ص۴۴۶ لیدن ۔

تو بہت ممکن ہے کہ اس بدامنی کے وقت عرب تاجر بھی لٹ گئے ہون، اور انہی کی مدد اور حمایت کے لئے یہ فوجی مہم روانہ کی گئی ہو، جیسا کہ ابھی چند سال ہوئے تمام یورپین حکومتون نے چین کے انقلاب سلطنت کے وقت جنگی بیڑے اپنے تاجرون کی حفاظت کے لئے روانہ کئے تھے، اور چونکہ فاتح قوم کو عربون سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، اس لئے فاتحانہ غرور مین انھون نے عربون کے شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا ہوگا، اور اسی پر جنگ ہو گئی ہوگی۔

جب ہشام نے ان کو شکست دے کر گندھار بندر پر قبضہ کر لیا، اس وقت عربون کا فوجی تفوق اور بحری قوت کا اندازہ لگا کر راشٹ کوٹ والون نے صلح کر لی ہوگی، کیونکہ اس کے بعد عرصہ تک ہم دیکھتے ہین کہ عربون نے پھر ادھر کا رخ نہین کیا۔

ہشام نے گندھار پر قبضہ کر کے وہان اس وقت تک قیام کیا جب تک معاملات باصلاح نہ ہوگئے، اس درمیان مین وہان ایک خانقاہ (دہار) بودھون کا تھا جس پر قبضہ کر لیا، اور اسے توڑ کر وہان ایک مسجد تعمیر کی، اور غالباً یہ پہلی مسجد ہے جو گجرات مین تعمیر ہوئی،

ہشام تغلبی بڑی کامیابی کے ساتھ واپس آیا، اور عرصہ تک منصورہ مین مقیم رہ کر انتظام سلطنت مین مصروف رہا، اس کے عہد مین بڑا امن وامان اور خوشحالی رہی، یہان تک کہ لوگ اس کے نام کو بابرکت خیال کرنے لگے، اور اس کا نام سن کر لوگ دور دور سے اس کے پاس آتے اور فیضیاب ہوتے، چنانچہ عرب کا مشہور شاعر مطیع بن ایاس بھی اس کے پاس آیا تھا[1]، اس کی انتظامی قابلیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ منصور نے جب اس کا انتظام دیکھا تو اس قدر خوش ہوا کہ صوبہ کرمان بھی اس کے سپرد کر دیا[2]، اور سنہ ۱۵۶ھ مین اس نے دونون صوبون کو اس خوبی سے منظم کر دیا کہ جب تک یہ سندھ مین مقیم رہا، نہ تو کبھی کوئی بدامنی ہوئی، اور نہ کوئی

[1] اغانی جلد ۱۲ صہ ۸۶ مصر [2] الکامل جلد ۶ صہ ۷ ،

شکایت کسی کو پیدا ہوئی،

سندھی وفد اسی سال خلیفہ منصور عباسی کے پاس سندھ سے ایک وفد گیا جس میں بعض اہلِ علم بھی شامل تھے، جس سے بغداد کے حکیموں اور منجموں نے کافی فائدہ اٹھایا، لیکن افسوس ہے کہ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کی اصلی غرض کیا تھی؟ لیکن قیاس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً سندھ کے انتظامی حالات معلوم کرنے کے لئے منصور نے خود طلب کیا تھا، اور حسنِ انتظام کی شہادت ملنے پر کرمان کا صوبہ اس کے حوالہ کیا گیا[1]، وفد میں جو اہل علم تھے، ان میں سے ایک سنسکرت کا بہت بڑا پنڈت بھی تھا، جس نے سدھانت کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا، پھر خلیفہ کے حکم سے ابراہیم فزاری ریاضی دان کی مدد سے اس کا عربی میں ترجمہ کیا[2]،

اب پانچ چھ برس کے بعد ہشام کو وطن کی یاد ستانے لگی، اس لئے ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر وہ وطن روانہ ہوا، اس نے خلیفہ کے سامنے ایسے نادر اور بیش بہا تحفے پیش کئے کہ آج تک کسی سندھی والی کو میسر نہ ہوئے تھے، خلیفہ بھی اس سے بہت خوش ہوا۔ عراق (اور ممکن ہے کہ خاص بغداد ہی) میں ابھی کچھ زیادہ دن نہ رہنے پایا تھا، کہ وہ اس دنیا سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا[3]،

معبد بن خلیل ۱۵۷ھ میں خلیفہ منصور نے اس کی جگہ معبد بن خلیل تمیمی کو سندھ کا والی مقرر کیا، اس نے بھی ملک کا بڑا معقول انتظام کیا، اور اسی لئے ملک میں بڑا مقبول رہا،

ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں خلیفہ منصور نے وفات پائی، اور اس کا لڑکا المہدی جو ولی عہد تھا، تختِ خلافت پر بیٹھا، اس نے فوراً ہی سندھ کے عمال میں تو کسی قسم کا تغیر نہیں کیا،

روح بن حاتم کی حکومت مگر جب ۱۵۹ھ میں سندھ کا والی معبد بن خلیل وفات پا گیا، تو اس کی جگہ

[1] کتاب الہند بیرونی ص۲۰۸ لیڈن [2] اخبار الحکماء قفطی ص۲۷۰ مصر [3] یعقوبی جلد۲ ص۴۴۹ لیڈن

روح بن حاتم مقرر ہوئے،

تبلیغِ اسلام: مہدی نے تخت نشینی کے بعد ہی اکثر بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے اور مسلمان ہو جانے کی درخواست کی، یہ تقریباً کل حکومتِ اسلامیہ کے ماتحت تھے، ان میں سے پندرہ راجوں اور بادشاہوں نے اسلام قبول کیا، ہی میں ایک راجہ سندھ کا تھا جس کو رائے کہتے تھے[1]، اور دوسرا ہندوستان کا جس کو نہرج کہتے تھے، اور یہ پورس کے خاندان سے تھا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ سرحدی علاقہ (پشاور) کا طاقتور راجہ تھا،

ایک تابعی کی جہاد میں شرکت ۱۵۹ھ میں غالباً پھر عرب تاجروں کو گجراتیوں سے شکایت پیدا ہوئی[2]، اس لئے خلیفہ مہدی نے جہازوں کا ایک بیڑا عبد الملک بن شہاب مسمعی کے زیر کمان بھیجا، تاکہ ان کی شکایات دور کی جائیں، یہ بیڑا ۱۶۰ھ میں بھاڑبھوت پہنچا، یہ بھڑوچ سے سات میل مغرب کی جانب ایک کچی بندرگاہ تھی، جہاں جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے، زمین پر قدم رکھتے ہی فوجوں نے حملہ کر دیا، ان فوجوں میں والنٹیر (رضاکار) بھی بہت تھے، اور غالباً ان کے افسر ابوبکر (ابو حفص بھی کنیت تھی) ربیع بن صبیح السعدی بصری تھے، جن کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا، انھوں نے ایک دوسرے کو جہاد کے لئے بڑا جوش دلایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے پرجوش حملوں کو وہ نہ روک سکے،

گجراتی شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر دیا، اسلامی فوج نے اس کا محاصرہ کر لیا، اور اس سختی سے محاصرہ کیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے، آخر ایک دن عرب فوج بزور شہر میں گھس گئی اور شہر فتح ہو گیا، لوگ بھاگ کر ایک خانقاہ میں جمع ہو گئے، غالباً عربوں کو شبہہ ہوا کہ یہ بھی کوئی قلعہ ہے، کیونکہ اس عہد میں بودھوں (بدھوں) کے بڑے بڑے دہار (خانقاہ، اعلیٰ

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۹ [2] گجراتی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں (بقیہ صفحہ ۱۷۲ پر)

پیمانہ پر شل قلعہ مع فصیل و بروج تیار کئے جاتے تھے، جس کے نمونے آج بھی بربہا میں موجود ہیں عربوں نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا، اور جلد فتح ہونے کے خیال سے غالباً آتشگیر مادے پھینکے، جس سے اس میں آگ لگ گئی کچھ لوگ جل مرے، باقی گھبرا کر باہر نکلے، جو تہ تیغ ہوئے، اس جنگ میں کل ۲۹ عرب شہید ہوئے، اب غالباً معاملات طے پا گئے، اور شہر میں امن وامان ہو گیا، مگر سمندر جوش پر تھا، اس لئے فوری واپسی ناممکن تھی، مجبوراً کچھ دنوں انتظار کرنا پڑا، جب دو بجادوں جمع ہوتے ہیں جو تقریباً اٹھارہ سال پر ہوتا ہے تو ایک میلہ یہاں لگتا ہے، موسم کے اثر اور لوگوں کی کثرت سے یہاں کی آب و ہوا خراب ہو جاتی ہے، اور وبائی امراض پیدا ہو جاتے ہیں (عام طور پر آج تک ایسا ہی مشہور ہے) اتفاق سے اس وقت جب کہ عربی فوج مقیم تھی یہی وقت اور موسم تھا جس کے باعث فوج میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوا، یہ مرض منہ میں ہوتا تھا اور اس قدر زہریلا کہ جلد خاتمہ کر دیتا، چنانچہ اس فوج کے ایک ہزار سپاہی شہید ہو گئے، انہی شہیدوں میں ابوبکر ربیع تھے،[1]

ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری مولی بنی سعد بن زید مناۃ بن تمیم جلیل القدر تابعی تھے اور خواجہ حسن کے شاگرد، آپ کی روایت ابن ماجہ میں متعلق جہاد موجود ہے،[2] طبقات ابن سعد میں ہے کہ جہاد کے لئے سمندر کے راستہ ہند میں گئے، وفات پا جانے پر جزائر ہند کے ایک جزیرہ میں دفن کئے گئے،[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) جنوبی گجرات میں خاندان راشٹر کوٹ کے کرشن یا گوبند کی حکمرانی تھی، کرشن کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگوں نے بغاوت کر دی تھی، اور خانگی نزاع جو تخت حاصل کرنے کے لئے شہزادوں نے شروع کی تھی، اس سے بدامنی پیدا ہو گئی، اور اس لئے کرشن کو بغاوت فرو کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی پڑی، غالباً اسی بدامنی اور بغاوت میں عرب تاجروں کو شکایت پیدا ہوئی جس کے لئے جہازوں کا بیڑا آیا (پراچین راشٹر کوٹ گجراتی) [1] الکامل جلد ۶ ص ۳۱ ایضاً [2] ابن ماجہ ص ۲۰۴ دہلی نظامی [3] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۳۶ قسم اول لیدن

اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ رامہرمزی نے فاصل میں لکھا ہے کہ بصرہ میں یہ پہلے مصنف ہیں[1]، اس بیان سے معلوم ہوا کہ ابوبکر ربیع کی وفات خاص بحار ہوت میں نہیں ہوئی بلکہ کسی جزیرہ میں وفات کے بعد مدفون ہوئے،

واقعہ یوں ہوا ہوگا کہ جب وبائی امراض کی شدت ہوئی ہو گی تو لوگ بندگاہ اور شہر چھوڑ کر جہاز پر واپس آ گئے ہوں گے، اور اس جگہ کے متعدد جزیروں میں سے کسی جزیرہ میں مقیم ہوئے جہاں انتقال کے بعد یہ دفن کئے گئے، افسوس ہے کہ آج ان تابعی کی قبر کا کچھ پتہ نہیں، راقم الحروف جب بھروچ میں تھا تو اس کے متعلق بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی،

لوگ اس بیماری اور موت سے اس قدر گھبرا گئے کہ سمندر کے سکون کا انتظار کئے بغیر روانہ ہو گئے، خلیج فارس تک تو پہنچ گئے، مگر جب ساحل حمران کے قریب آئے تو ایسی سخت ہوا چلی کہ کشتیاں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں، اور اکثر لوگ غرق ہو گئے، جو لوگ بچے وہ بڑی مصیبت سے عراق پہنچے، انہی میں سے عبدالملک بن شہاب مسمعی تھا جو آگے چل کر سندھ کا والی ہوا،

سندھ کے حکام مہدی نے اپنے وزیر ابو عبداللہ کے مشورہ سے روح بن حاتم کو ۱۵۹ھ میں سندھ کا والی بنایا، مگر اس سے انتظام نہ ہو سکا، جاٹوں نے جو سندھ کے مغربی حصہ میں آباد تھے کچھ ایسا سر اٹھایا کہ والی عاجز آ گیا،[2] آخر مہدی نے اس کے بجائے اسی سال بسطام بن عمرو کو بھیجا جو اس سے قبل اپنے بھائی ہشام کے عہد میں کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا، ۱۶۱ھ کی ابتدا ہی میں مہدی نے اس کو معزول کر کے پھر روح بن حاتم کو سندھ بھیجا، اس دوسری دفعہ بھی

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۴۸ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن [2] اس کی معزولی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ اس کا بھائی افریقہ کا والی تھا جو مر گیا، خلیفہ نے اس کی جگہ اس کے بھائی کو مقرر کرنا زیادہ بہتر سمجھا، اس لئے یہاں سے تبدیل کر کے افریقہ بھیج دیا، اور وہیں ۱۷۴ھ میں اس کا انتقال ہوا (کامل ج ۶ ص ۱۶)

یہ ناکام رہا، اس لئے اس کی جگہ اسی سال نصر بن محمد بن اشعث خزاعی مقرر کیا گیا، لیکن اسی سال وہ بھی معزول ہوا اور محمد بن سلیمان بن علی ہاشمی کے ہاتھ میں سندھ کی حکومت دی گئی،

وہ خود تو سندھ نہ آئے البتہ عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بنا کر روانہ کیا، ان کو سندھ آئے ابھی صرف ۱۸ دن (یعقوبی نے لکھا ہے کہ بیس روز سے کم) ہوئے تھے کہ معزول کر دیئے گئے، اور دوبارہ نصر بن محمد بن اشعث خزاعی راستہ ہی سے واپس بلا کر حاکم مقرر ہوئے، یہ سندھ روانہ ہوئے اور کچھ ہی دن کے بعد معزول ہوئے، اب زبیر بن عباس جو قثم بن عباس کی نسل سے تھے، سندھ کے والی ہوئے، یہ گھر ہی سے بیٹھے بیٹھے حکومت کرنا چاہتے تھے اسلئے سندھ میں بدامنی بڑھ گئی، ناچار سطیح بن عمر تغلبی کو سندھ بھیجا جس نے سندھ کی حالت سدھارنے میں بڑی کوشش کی

یہ ہشام بن عمر تغلبی سابق والیِ سندھ کا تیسرا بھائی تھا، اس کے عہد میں گو خارجی معاملات اچھے رہے، لیکن داخلی حالات بڑے پریشان کن رہے، حجازی اور یمنی لوگوں کا فساد اس قدر بڑھ گیا کہ اس کا کوئی تدارک یہ نہ کر سکا، اور اس آپس کی نزاع نے ایسی بدامنی پیدا کر دی کہ اندرونی اصلاحات ناممکن ہو گئے، بس اس کی جگہ پھر نصر بن محمد بن اشعث روانہ کئے گئے جو ۱۶۳ھ تک والی رہے۔

لیث بن طریف

۱۶۴ھ میں غالباً مہدی کو یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کی جگہ اپنے ایک غلام لیث بن طریف کو بھیجا، یہ جب سندھ آیا تو اس نے حالات معلوم کر کے داخلی انتظامات شروع کئے جس کے بغیر وہ بدامنی جو پھیلی ہوئی تھی، دور ہو کر امن ہونا ناممکن تھا، ابھی ایک ہی ماہ ہوا تھا کہ جاٹوں کی سرکشی نے پھر ملک میں بدامنی پیدا کر دی، اس نے بہت کوشش کی کہ یہ معاملہ

---

[1] الکامل جلد ۶ صفحہ ۱۳ ۔ اغانی جلد ۱۸ طبع مصر میں ابو نضیر مشہور شاعر کے حالات میں ہے کہ عبداللہ بن عمر بن ہشام بھی اسی زمانہ میں سندھ کا والی تھا، جو بڑا فیاض اور مشہور شخص تھا، شاعر کے مدحیہ اشعار جو اس کی نسبت تھے بہت مشہور ہوئے مگر تاریخ اس کی موید نہیں ہے، اس لئے جیسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے چچا کے ساتھ آیا ہوگا اور بحیثیت نائب کچھ دنوں رہا ہو،

بآسانی طے ہو جائے، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور مقامی فوج بھی ان کو زیر نہ کر سکی، ۱۶۵ھ میں مہدی حج کے لئے روانہ ہوا، بصرہ پہنچا تھا کہ اس کو پانی کی کمی معلوم ہوئی اس لئے وہ بصرہ میں ٹھہر گیا، اسی جگہ سندھی جاٹوں کی سرکشی کا حال اس کو معلوم ہوا (غالباً لیث نے اطلاع دے کر فوجی مدد طلب کی ہوگی) مہدی نے بصرہ ہی میں ایک فوج تیار کی، اور جب اس کو اطمینان ہو گیا تو اس کو سندھ روانہ کر دیا، جس وقت یہ فوج سندھ پہنچ گئی تو لیث نے فوراً فوجی قانون (مارشل لا) جاری کر دیا، اور پھر جس نے سرکشی کی فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاٹوں کی سرکشی موقوف ہو گئی، باغی یا تو مارے گئے یا ملک بدر ہو کر بھاگ نکلے اور دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہوئے،

۱۶۹ھ میں مہدی نے وفات پائی اور اس کا لڑکا موسیٰ ہادی تخت نشین ہوا، موسیٰ ۱۴ ماہ زندہ رہ کر ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں وفات پا گیا، اور اس کا بھائی ہارون الرشید اس کی جگہ خلیفہ ہوا،

سالم یونسی

ہارون الرشید نے جب انتظام سلطنت کی طرف توجہ شروع کی تو سالم یونسی کو والیِ سندھ بنایا[1]، لیث کے طریقہ حکمرانی سے امن وامان ہو چکا تھا، اس لئے سالم کو کسی طرح کی پیچیدگی سے واسطہ نہ پڑا، اس نے چار سال تک بڑے اطمینان سے حکومت کی، ۱۷۴ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی والی مکران وسندھ ہو کر آئے، لیکن وہ اسی سال وفات پا گئے[2] یعقوبی

---

[1] .... تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۶ بمبئی میں ہے کہ بعہد ہارون الرشید ۱۷۱ھ شیخ ابو تراب تبع تابعی مغربی سندھ میں ضلع ساکورہ (ٹھٹھہ سے ۲۰ میل پر) دشاکرہ پر مع قلعہ کے قابض تھے، ان کا مقبرہ آج تک زیارت گاہ عام وخاص ہے اور اس پر ۱۷۱ھ تاریخ کندہ ہے، غالباً وہ والیِ سندھ کی طرف سے قلعہ دار ہوں گے، (بطور ایک کمشنر) اسی طرح والیوں کی فہرست میں ابوالعباس کا نام تحریر کیا ہے جس کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوتی

[2] ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۰،

ان کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ بڑے پاکباز اور نیک آدمی تھے، افسوس کہ اس نیک سیرت انسان سے سندھ کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملا، اسحاق کی وفات پر اس کا لڑکا قائم مقام ہوا جس کا نام یوسف تھا،

طیفور کی حکومت خلیفہ ہارون کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے طیفور بن عبد اللہ بن منصور حمیری کو سندھ کا والی بنا کر روانہ کیا، یہ جب سندھ پہنچا تو دبی ہوئی چنگاری پھر روشن ہوگئی یعنی نزاری (حجازی) اور قحطانی (یمنی) لوگون نے جنگ شروع کردی، اور غالباً اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خود والی چونکہ حمیری (یمنی) تھا، اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنی قوم کی طرف داری کرتا ہوگا جو نزاری (حجازی) لوگون کو سخت ناگوار ہوتا ہوگا، اور ان کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اور ہر طرح سے طاقتور تھے، اس لئے والی سے بھی نہیں دبتے تھے، جب یہ فتنہ بڑھ گیا اور اس کی خبر خلیفہ کو ہوئی تو اس نے طیفور کی جگہ جابر بن اشعث طائی کو مقرر کیا، اور سندھ کے ساتھ مکران بھی ان کے زیر حکومت دیا گیا،

جابر کی ولایت ہم دیکھتے ہین کہ ادھر چند والیون کو سندھ کے ساتھ مکران کی بھی حکومت دی جا رہی ہے، میرے خیال مین اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ برہمن آباد، اروڑ وغیرہ پر سندھی راجاؤن کی حکومت تھی، اور یہ ممالک دریاے سندھ کے مشرقی جانب ہین، اور اس کے بعد ملتان ہے جہان اسلامی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا، اور دریا کے مغربی جانب کا علاقہ تقریباً موجودہ اٹک تک مسلمانون کے قبضہ مین تھا پس انتظامی حیثیت سے ملتان کی آمد و رفت خصوصاً سیاسی انتظامات سب مغربی جانب سے ہوتے ہون گے، اور اسی کے متصل مکران کا علاقہ ہے، پس مکران اور سندھ کو ایک حاکم کے ماتحت رکھنے مین دو فائدے تھے، اول تو ایک حاکم کی تخفیف سے خرچ کی بچت ہوتی تھی، اور دوسرے بوقت ضرورت ایک دوسرے

فوجی امداد بآسانی میسر آسکتی تھی،

سعید کی حکومت جابر سے بھی سندھ کا مسئلہ حل نہ ہوسکا، تو ان کی جگہ سعید بن سلیم بن قتیبہ کو والی بنایا، انھون نے اپنے بھائی کثیر بن سلم کو اپنا نائب بنا کر سندھ بھیجدیا، یہ ایک نالائق شخص تھا، اس نے حکومت ہاتھ مین لیتے ہی ہاتھ پاؤن پھیلائے، اور بد اخلاقیون مین مبتلا ہوگیا، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کو معزول کرکے عیسیٰ بن جعفر بن منصور عباسی کو سندھ سپرد کیا، یہ حضرت بھی وہین بیٹھے رہے، اور محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا قائم مقام کرکے سندھ بھیجدیا،[1] سندھ کے لئے یہ شخص بھی سبز قدم ثابت ہوا، اس نے جتنی حرکتیں کین سب کی وجہ سے خانہ جنگی مین اضافہ ہی ہوتا گیا،

اس کے عہد مین قبائل دل کھول کر لڑے اور سرکاری طور پر اس کا کچھ تدارک نہ ہوسکا ابن عدی نے جب دیکھا کہ اب یہان رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے تو ملتان کی طرف روانہ ہوا، ملتان والون کو علم ہونے پر یہ خدشہ ہوا کہ اس کے آنے پر کہیں یہ آگ یہان بھی نہ بھڑک اٹھے، اس لئے فوجی تیاری کے بعد وہ لوگ اس کے مقابلہ کے لئے باہر نکلے،

محمد بن عدی جب ملتان کے قریب پہنچا تو خلاف توقع اس کو مقابلہ کے لئے فوج نظر آئی، اس نے حملہ کردیا، ملتان والون نے بھی اس کا بڑا جم کر مقابلہ کیا، اور آخر سخت حملے کے بعد ابن عدی نے شکست کھائی، ملتان والون نے اس کا تمام سامان لوٹ لیا، اور اسلحۂ جنگ تک ان سے چھین لئے، ناچار منصورہ واپس ہوا، جب خلیفہ ہارون الرشید کو یہ حال معلوم ہوا تو عبد الرحمن نامی ایک شخص کو سندھ بھیجا، جو والی ہوکر آیا، مگر ابن عدی کی لگائی ہوئی آگ کو یہ فرو نہ کرسکا، اس لئے ایوب بن جعفر بن سلیمان کو سندھ کا حاکم بنایا افسوس

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ لیدن،

کہ یہ بھی ناکام رہا،

داؤد مہلبی آخر خلیفہ نے غور و خوض کے بعد حکمران طبقے مین سے ایک قدیم خاندان آل مہلب کا انتخاب کیا، اور سنہ ۱۸۴ھ مین داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کے سپرد سندھ کی حکومت کی، اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجدیا،

ادھر حجازیون (نزاری) نے اس قدر قوت حاصل کر لی تھی، کہ حکام ان سے عاجز آگئے تھے، اور کسی طرح ان کو نہ دبا سکے، جب انھون نے دیکھا کہ ہر طرح سے ہمارا غلبہ ہو گیا ہے، تو یہ تجویز کی کہ تمام ملک سے یمنیوں (قحطانی) کو نکال دیا جائے، اور ملک کو آپس مین اس طرح تقسیم کر لین کہ ایک حصہ قریش کے لئے مخصوص ہو، اور دوسرا قیس کے واسطے، اور تیسرے پر ربیعہ قابض ہو جائیں،

مغیرہ جب منصورہ پہنچا تو نزاریون نے دروازہ بند کر لیا، اور مجبور کرنا چاہا کہ جو فیصلہ ہم لوگون نے کیا ہے اسے وہ منظور کر کے عمل درآمد کرے، مگر مغیرہ نے منظور نہ کیا، اور منصورہ کا محاصرہ کر لیا، مغیرہ نے چاہا کہ منصورہ والون کو پرچا کر سیدھا کر لے، مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے، آخر انھون نے یہ شرط پیش کی کہ ہم لوگون کے ساتھ تعصب نہ برتا جائے، ورنہ اجازت دی جائے کہ ایک دروازہ سے ہم لوگ باہر نکل جائین، اور دوسرے دروازے سے آپ اس مین داخل ہون، مغیرہ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، آخر دونون مین سخت جنگ ہوئی، جس مین مغیرہ کو شکست ہو گئی، اور مغیرہ منصورہ چھوڑ کر سندھ کے دوسرے حصہ مین چلا گیا اور اپنے بھائی داؤد کو اس کی رپورٹ کی،[1]

داؤد کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہو کر فوجی سامان کے ساتھ چل پڑا، اس نے

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۴۹ لیدن،

سندھ پہنچتے ہی نزاریون سے سمجھنا شروع کیا، چونکہ ایک عرصہ سے یہ فساد کر رہے تھے، اور والی کو دباتے رہتے، اور وہ بھی ان کے طاقتور جتھے کو دیکھتے ہوئے چشم پوشی کرتا تھا، اس لئے یہ بڑے مفسد اور خودسر ہو گئے تھے، اب ایسے سخت والی کی ضرورت تھی کہ "آہن بآہن تواں ساختن" کا مصداق ہو کر ان کا زور توڑ دے،

داؤد اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا، چنانچہ شروع سے اس نے یہی رویہ اختیار کیا، جہاں کہیں راستہ میں نزاری ملے اور سرکشی دکھائی سخت ترین سزائیں دین، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سندھ مین نزاریون نے اس کو اپنا دشمن سمجھا اور اس نے بھی ان کے مقابلہ مین ایسا ہی برتاؤ کیا، جب یہ منصورہ پہنچا تو باغیون نے دروازہ بند کر لیا، اور جنگ شروع کر دی یہ بھی اس کے لئے تیار تھا، اس نے بڑی تعداد نزاریوں کی کاٹ کے رکھ دی، لیکن نزاری بھی اطاعت کی طرف مائل نہ ہوئے، بیس روز تک اسی طرح روزانہ جنگ ہوتی رہی۔ اب گو باغی پست ہو گئے اور ان کی طاقت کمزور ہو گئی، مگر پھر بھی منصورہ کا دروازہ نہ کھولا، آخر داؤد نے کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد شہر کو فتح کر لیا لیکن نزاری اپنی فتنہ پردازی سے باز نہ آئے، اور برابر کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا کرتے رہتے، جس سے تنگ آ کر داؤد نے ان کی طاقت بالکل فنا کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا، چنانچہ منصورہ میں جہاں جہاں ان کے محلے اور مکانات تھے ان کو اس نے ویران کر کے ملک بدر، قتل اور قید کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ منصورہ مین بالکل امن ہو گیا۔[1]

منصورہ کے بعد سندھ کے اور اطراف کے جانب اس نے اپنی توجہ مبذول کی، اور ہر جگہ نزاریون سے یہی سلوک کیا، اس مین کوئی شک نہیں کہ اس طرز عمل سے ملک کی ایک بڑی آبادی جو عربون پر مشتمل تھی، برباد ہو گئی، اور اکثر مقامات ویران ہو گئے، لیکن

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ لیدن،

کیا جائے، اگر انسانی بدن کا کوئی حصہ سڑ جائے تو جراح اس کو کاٹ ہی ڈالے گا تاکہ جسم کے بقیہ حصے تندرست رہیں، سندھ کا بھی یہی حال ہوا، داؤد نے جب ہر جگہ زمینداروں کا زور توڑ دیا تو تمام سندھ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن و امان ہو گیا، داؤد نے اب اطمینان سے حکومت شروع کی اور ملک کو آباد اور ترقی دینے میں سارا وقت صرف کرنے لگا، یہاں تک کہ چند سال میں یہ ملک پھر سرسبز و شاداب ہو گیا۔

اس کے اعلیٰ انتظام سے ملک میں اس کا سکہ خوب بیٹھ گیا، اس کا عہد اس قدر شاندار رہا کہ شاید جنید کے بعد کوئی اس پایہ کا نہیں گذرا جس طرح اندرون ملک میں باغی اور مفسد اس سے کانپتے تھے، بیرون ملک کے راجے اور زمیندار بھی لرزتے رہتے، خصوصاً تبت کا راجہ ہر وقت خوفزدہ رہتا، کیونکہ ایک طرف سے ترکستان میں مسلمان ہر مقام پر قابض ہوتے چلے جاتے تھے، جن کا علاقہ روزانہ تبت سے قریب تر ہوتا جاتا تھا، اور دوسری طرف سندھ کے شمالی علاقے تھے، جس میں روز بروز وسعت ہونے کا اندیشہ لگا رہتا، علی الخصوص اس وقت جب کہ سندھ میں کوئی اولوالعزم مدبر اور باجبروت حاکم آ جاتا،

اس عہد میں دار الخلافہ بغداد سے سندھ میں آمد و رفت زیادہ ہو گئی تھی، اور اطراف کے راجاؤں سے بھی تعلقات بہت اچھے تھے، چنانچہ سنہ ۱۹۳ھ میں جب ہارون الرشید علیل ہو گیا تو اس نے ایک راجہ کے پاس براہ دریا تحفہ و ہدایا کے ساتھ ایک سفارت بھیجکر یہ درخواست کی کہ آپ اپنے یہاں کے طبیب (وید) گنگا کو بھیجدیجئے تاکہ میرا وہ علاج کرے اور جب ہم خراسان جائیں گے تو اس کو ساتھ لے جائیں گے جہاں سے وہ اپنے وطن کو بہ آسانی واپس جا سکتا ہے، یہ طبیب حسب فرمایش بغداد روانہ کر دیا گیا، جہاں پہنچکر اس نے علاج شروع کر دیا، ہارون الرشید جب سفر خراسان پر روانہ ہوا تو یہ طبیب اس کے ساتھ تھا،

حلوان پہنچکر ہارون بالکل تندرست ہو گیا، اور کوئی شکایت اس کو باقی نہیں رہی لیکن طوس پہنچکر مرض عود کر آیا، اور جلد ہی وفات پا گیا، اور گنگا کو بلخ سے اس کے وطن واپس کر دیا گیا،[1]

ایک طبیب منکہ نامی تھا جس نے بغداد پہنچکر رشید کا علاج کیا اور اس کو صحت ہو گئی تو رشید نے بڑے مشاہرہ پر بغداد ہی میں مقیم ہونے پر رضامند کر لیا،

اس نے علاوہ اپنے مطب کے دوسرے علمی مشاغل بھی جاری رکھے، چنانچہ بیت الحکمۃ میں بھی کام کرتا تھا، اور کتابوں کے ترجمہ میں مدد دیتا تھا، مشہور طبیب شاناق کی کتاب "السموم" کے ترجمہ میں ابو حاتم بلخی کی بڑی مدد اس نے کی، آخر عمر میں اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کے درباریوں میں شامل ہو گیا تھا،[2]

ایک دوسرا ہندی طبیب صالح بن بہلہ تھا، یہ تو مسلم طبیب اپنے فن کا بڑا ماہر تھا، اس کا درجہ طب میں اس قدر بلند تھا کہ دربار خلافت کا مشہور و معروف طبیب ابن بختیشوع کا مد مقابل سمجھا جاتا تھا، اسی نے ہارون الرشید کی بہن عباسہ بنت مہدی کے شوہر ابراہیم بن صالح کا وہ معرکۃ الآرا علاج کیا کہ اس کی قابلیت اور علمیت کا سکہ تمام بغداد میں بیٹھ گیا،[3]

سنہ ۱۹۳ھ میں ہارون الرشید کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا امین الرشید تخت نشین ہوا، یہ اپنی خانہ جنگی میں اس طرح مصروف رہا کہ دور دراز صوبوں کی طرف توجہ کرنے کی مطلق فرصت نہ ملی، سنہ ۱۹۵ھ میں امین الرشید مارا گیا اور اس کا بھائی مامون الرشید وارث تخت خلافت ہوا، اس کے ابتدائی عہد میں بھی کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں ہوا، کیونکہ داؤد مہلبی کا انتظام اس قدر اچھا اور اطمینان بخش تھا کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملا، حالانکہ پایۂ تخت اور دیگر صوبوں

[1] ابن ابی اصیبعہ ص۲ ۵ [2] طبقات الاطبا، جلد ۲ صفحہ ۳ مصر [3] ایضاً صفحہ ۳۴ مصر، اسی سے معلوم ہو گیا کہ جعفر عباسہ کا قصہ قطعی فرضی ہے، اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے،

(مثلاً خراسان) میں بہت کچھ بدامنی پیدا ہوگئی تھی، اسی کے عہد میں ابو العصمہ سندھ آیا تھا، جو کچھ دنوں کے بعد سندھ دبا بیٹھا[1]،

۲۰۵ھ میں بیس برس حکومت کرکے بڑی نیکنامی کے ساتھ داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی دنیا سے رخصت ہوگیا[2]، اس قدر طویل مدت تک کوئی حاکم اب تک سندھ میں مقیم نہیں رہا تھا، یہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے تدبر، شجاعت، اولو العزمی اور سیاست دانی کا عملی ثبوت دیا،

یہ بات بیحد افسوسناک ہے کہ اس کے ابتدائی حالات کے علاوہ اس کے بیست سالہ کارناموں میں سے کوئی بھی معلوم نہیں ہے، تمام مارخین اس معاملہ میں خاموش ہیں، صرف قیاس ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حکومت بہترین حکومت تھی،

بشر بن داؤد مہلبی کی حکومت

مامون الرشید کو جب داؤد کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے اس کے لڑکے کو اس وعدہ پر باپ کی جگہ حکومت دے دی کہ دس لاکھ درہم (۲½ لاکھ روپیہ) سالانہ خراج بھیجا کرے، (یعقوبی نے اس کا نام بشر لکھا ہے)

بشر چند سال تو اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا لیکن آخر اس نے اپنا رنگ بدلا اور ایسا بے پروا ہوگیا کہ دربار خلافت میں نہ صرف سالانہ خراج بھیجنا بند کردیا بلکہ بغاوت پر بھی آمادہ ہوگیا،

۲۱۲ھ میں جب مامون کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حاجب بن صالح کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ سندھ روانہ کیا، کہ بقیہ خراج وصول کرکے سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے،

حاجب جب مکران پہنچا جہاں سے بشر بن داؤد مہلبی کی حکومت شروع ہوتی ہے تو اس کے بھائی سے ملاقات ہوئی جو بشر کی طرف سے مکران کا حاکم تھا،

بشر کی بغاوت

بشر کے بھائی کو حاجب نے پروانہ دکھایا اور مکران اس کے حوالہ کردینے پر زور دیا

---

[1] بلاذری صفحہ ۴۴۶ لیدن [2] الکامل صفحہ ۲۵۶ جلد ۶ لیدن،

لیکن والی مکران نے اس سے صاف انکار کردیا، اور کہا کہ پروانہ صوبہ سندھ کے حاکم بشر کے نام ہے اور وہ یہاں سے دو دن کے فاصلہ پر منصورہ میں رہتا ہے، آپ وہاں جائیں اور ان سے فیصلہ کرلیں میں تو والی منصورہ کے تابع ہوں، وہ جیسا فرمان دے گا میں اس کی تعمیل کروں گا، اس کے حکم کے بغیر کوئی ملک آپکے حوالہ نہیں کرسکتا،

جب کسی صورت سے حاجب کی بات والی مکران نے نہ مانی تو مامون کو اطلاع دی کہ بشر بغاوت پر آمادہ ہے اور فرمان کی تعمیل سے انکار کرتا ہے[1]،

میرے خیال میں والی مکران کا جواب صحیح تھا، اور حاجب غالباً کم ہمتی کے سبب سے یہ سوچ کر ڈرا کہ اگر میں منصورہ گیا اور بشر نے انکار پر جنگ کی تو سندھ اور مکران دونوں طرف سے دونوں بھائی میرا محاصرہ کرلیں گے اور پھر ان دونوں سے نجات پانا مشکل ہوگا، اس لئے مکران پر پہلے قبضہ کرلینا چاہا تاکہ شکست کے وقت واپسی کی راہ کھلی رہے، اور فتح کے وقت ان دونوں بھائیوں سے اپنی ذلت کا دل کھول کر معاوضہ لے،

مامون ان حالات سے آگاہ ہوکر اصل تہ تک پہنچ گیا، اور کسی دوسرے جری شخص کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنے پر غور کرنے لگا، اس نے غایت دانشمندی سے اسی قبیلہ کے ایک سردار کا انتخاب کیا، جس کا نام غسان بن عباد مہلبی تھا، گو بڑا دلیر اور بہادر تھا؛

---

[1] یہ بیان یعقوبی کا ہے، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حاجب منصورہ میں بشر سے شکست کھا کر مکران آیا، اور مامون کو اس کے متعلق اطلاع دی، لیکن جب کہ بشر باغی تھا تو حاجب منصورہ بحری راستہ سے پہنچا یا خشکی سے، خشکی کا راستہ مکران ہو کر تھا، اس کے بھائی نے منصورہ جانے کا راستہ کیوں دیا ہوگا؟ اس لئے جنگ مکران ہی میں ہونی چاہئے تھی، کہ منصورہ میں، اور بحری راستہ سے منصورہ آیا تو بھی مکران میں باغیوں نے کیونکر پناہ لینے دی، کیا بشر نے شکست دینے کے بعد تعاقب نہیں کیا، اور اپنے بھائی والی مکران کو حکم نہیں بھیجا کہ حاجب کو مار کر نکال دو؟ اور مکران میں ٹھہرنے نہ دو، اس بنا پر میرے خیال میں یعقوبی کا بیان صحیح نظر آتا ہے،

لیکن خود رائے بھی تھا، چنانچہ مامون نے جب دربار کے اہل الرائے سے مشورہ لیا تو مامون کا رجحان دیکھتے ہوئے سب نے اس کی تائید کی، مگر احمد بن یوسف خاموش رہا، مامون کے سوال پر اس نے کہا کہ

"امیر المومنین! غسان بیشک ایسا آدمی ہے کہ اس کی برائیوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہیں اور آپ اسے جس کسی کام پر بھیجیں گے اس سے وہی عمل میں آئے گا جو ٹھیک ہوگا، اور جب آپ اسے دھمکی دیں گے تو پھر کوئی کام وہ ایسا نہ کرے گا جس میں اس کو معذرت کی ضرورت پڑے۔"

مامون نے کہا کہ تم نے سوء ظنی کے ساتھ اس کی مدح کی، اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شاعر کے مطابق عرض کیا۔

كفى شكراً لما اسديت انى　　　صدقتك فى الصديق وفى عداتى

آپ کی مہربانیوں کے شکریہ میں میرے لئے اسقدر بس ہے کہ اپنے دوست اور دشمن دونوں کی نسبت آپ کے سامنے سچ سچ ظاہر کروں

مامون کو اس کی راست بیانی اور طریقۂ ادا بہت پسند آیا، اور غالباً اسی سے متاثر ہو کر اس نے اپنی رائے بدل دی، اور ایک دوسری تدبیر نکالی جس سے دونوں مقصد حاصل ہو جائیں

چنانچہ اس نے غسان کے بھائی محمد بن عباد کو دربار میں بلایا جو اس وقت بصرہ میں ایک ذی عزت سردار کی حیثیت رکھتا تھا، اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ بشر بن داؤد مہلبی نے سندھ میں بغاوت کر دی ہے، اس نے کہا کہ امیر المومنین! بھلا اس کی کیا مجال کہ وہ ایسی جرأت کرے،

مامون نے کہا کہ اچھا تو تم غسان کے ساتھ سندھ جاؤ، اور تمام مراحل طے کر کے بشر کو ساتھ واپس لیتے آؤ اور واپسی کے وقت موسیٰ ابن یحییٰ ابن خالد برمکی کو سندھ سپرد کر دو،

موسیٰ ابن یحییٰ برمکی

سنہ ۲۱۳ھ میں غسان منصورہ کے قریب پہنچا تو بشر نے بغیر کسی عذر کے اطاعت قبول کر لی، غسان نے اس کو نظربند کر دیا، اور ملک سندھ کا چارج اس سے حاصل کر لیا،

غسان کچھ دنوں وہاں انتظام میں مشغول رہا، اور جب تمام معاملات یکسو ہو گئے تو اس نے موسیٰ برمکی کو سندھ سپرد کر دیا،

غسان منصورہ ہی میں تھا کہ سندھ کے راجوں میں سے ایک راجہ جس کا نام بالا دبالا چندر لکھا ہے،[1] اس نے غسان کو اپنے دربار میں طلب کیا، مگر غسان نے جانے میں اپنی توہین سمجھ کر انکار کر دیا، چونکہ اس کو جلد دربار خلافت میں بشر کے ساتھ پہنچنا تھا اس لئے وہ فوراً بغداد روانہ ہو گیا، اور راجہ کی گوشمالی نہ کر سکا،

سنہ ۲۱۶ھ میں غسان بغداد پہنچا اور بشر کو خلیفہ مامون کے سامنے پیش کیا، اور ہر طرح سے اس کی سفارش کی، اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے تمام خاندان کو بھی رہا کر دیا گیا جو ضمانت کے طور پر ماخوذ کر لئے گئے تھے،[2] خلیفہ نے سندھ کا بقیہ خراج معاف کر دیا، اور ان سب لوگوں کو انعام و اکرام سے بھی سرفراز فرمایا، غسان بن عباد کے ساتھ مشہور طبیب ابراہیم بن فزارون بھی سندھ گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ سندھ میں جب غسان مقیم تھا تو اس نے ایک دفعہ مور کا گوشت کھایا جو اس کو بہت بھایا، پھر تو جب تک وہ سندھ میں رہا برابر وہ مور ہی کا گوشت کھاتا رہا، وہ کہا کرتا تھا کہ واللہ میں نے عمر بھر میں ایسا لذیذ گوشت کبھی نہیں کھایا[3]۔

غالباً اسی زمانہ کا یہ واقعہ ہے کہ آل مہلب کے سرداروں میں سے کسی نے ایک غلام کی پرورش کی، جب وہ جوان ہو گیا تو ایک دن اس کے آقا نے دیکھا کہ اس کی بیوی کے

---

[1] بالا چند، یا بالا سنگھ یا بالا ناتھ اصل نام ہوگا [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۶ لیڈن [3] اخبار الحکما، صفحہ ۵۳ مصر،

ساتھ سویا ہے، آقا کو بے انتہا غصہ آیا اس لئے اس کو خصی کر ڈالا،

غلام جب علاج سے صحت یاب ہو گیا تو ایک دن آقا کے دو لڑکوں کو لے کر کوٹھے پر چڑھ گیا، اور وہاں سے آقا کو کہا کہ تم اپنے آپ کو اگر خصی نہ بناؤ گے تو میں ان لڑکوں کو کوٹھے پر سے نیچے گرا دوں گا، اگرچہ ہر طرح سے اس کو سمجھایا گیا اور نرم و گرم راستہ اختیار کیا گیا مگر سب بے سود ثابت ہوا، غلام نے کہا کہ میرے نزدیک پانی پینے سے بھی زیادہ آسان ان لڑکوں کو نیچے گرا دینا ہے، آخر مجبور ہو کر آقا نے چاقو سے اپنے کو خصی کر لیا،

جب اس نے اپنا انتقام لے لیا تو پھر اس نے لڑکوں کو نیچے گرا دیا، اور کہا کہ وہ تو انتقام تھا، اور اس پر یہ مزید ہے، آخر لوگوں نے بھی اس کو سخت عذاب سے مار ڈالا اس کے بعد جن جن لوگوں کے پاس غلام تھے سب کو شہر سے باہر نکال دیا گیا، اور حکم جاری ہو گیا کہ کوئی شخص ان کو معمولی دام پر بھی نہ خریدنے، اور اسی دن سے عام طور پر یہ مثل ہو گئی کہ "ممالیک سندھ ہرگز مملوک را مالک نہ گردند":

غسان کے واپس چلے جانے پر موسیٰ برکی نے سندھ کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور انتظام میں مشغول ہو گیا، اس نے سب سے پہلے راجہ بالا کی طرف توجہ کی، جس نے غسان کی توہین کی تھی،

راجہ بالا کا واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں غسان بن عباد مہلبی منصورہ کے انتظام میں مشغول تھا، اس وقت دریائے سندھ کے مشرقی اضلاع میں ایک راجہ کی حکومت تھی اس نے ایک جشن منایا اور ایک دربار بڑے شان و شوکت سے منعقد کیا، اطراف کے تمام چھوٹے بڑے زمینداروں (ٹھاکر) اور راجاؤں کو شرکت کی دعوت دی، چونکہ سندھ کا

۱؎ سیر البلاد اقلیم دوم قلمی کتب خانہ سلیم پور (لکھنؤ)

حکمران غسان بھی تھا، اس لئے اس ضمن میں اس نے غسان کو بھی بلا بھیجا، اور غالباً اس سے مقصد فقط فضیلت اور برتری ظاہر کرنا تھا، جو راجہ کے راجپوتی د گوجری غرور سے دماغ میں پیدا ہو گیا تھا،

موسیٰ برکی نے راجہ کے دماغ سے اس غرور کو نکالنے کے لئے ایک فوج بھیجدی، جو غالباً اچانک اور بلا توقع راجہ تک پہنچ گئی، بہت ممکن ہے راجہ نے بھی مدافعت کی کوشش کی ہو، اور دونوں میں کچھ دنوں تک جنگ بھی رہی ہو، غرض نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ گرفتار ہو کر موسیٰ برکی کے سامنے لایا گیا، راجہ نے بہت کوشش کی کہ پانچ لاکھ درہم (سوا لاکھ روپیہ) فدیہ لے کر اس کو رہا کر دے، مگر موسیٰ کچھ اس قدر برہم تھا کہ اس نے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کی، اور اس کو قتل ہی کر ڈالا،[۱] موسیٰ کے عہد میں سندھ کا خراج تمام اخراجات منہا کرنے کے بعد الف الف درہم (دس لاکھ) بغداد بھیجا جاتا تھا،[۲] اور اس عہد میں سندھ سے نط (کٹ) نیزہ اور بید کی برآمد خوب ہوتی تھی،[۳]

عمران بن موسیٰ کی حکومت

۲۲۱ھ میں موسیٰ برکی وفات پا گیا، اس نے تقریباً چھ سات برس حکومت کی، اس دوران میں اس کا رویہ اس قدر اچھا رہا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا، خارجی پالیسی تو اس قدر کامیاب رہی کہ پھر کسی راجہ کو اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی، داخلی امور میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہر قبیلہ اعتدال کے ساتھ اپنے اپنے کام میں مصروف تھا، یمنی اور حجازی بھی سلطنت کی سطوت سے مرعوب ہو کر خاموش بیٹھے تھے، گو اندر اندر اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف تھے، خصوصاً حجازی جو قطعاً منتشر کر دیئے گئے تھے، اب اپنا شیرازہ پھر مجتمع کر رہے تھے، اور ایک طاقتور سردار کے ماتحت مرکزی

۱؎ بلاذری ص۴۴۵ لیدن ۲؎ المسالک والممالک لابن خردادبہ ص۵۵ لیدن ۳؎ ایضاً ص ۶۲ تا ۶۴

قوت پیدا کرنے کی کوشش مین مشغول تھے،

موسیٰ کے رحلت کر جانے پر اس کا لڑکا عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک (پرمکھ)[1] سندھ کا نائب والی ہوا، ۲۱۶ھ مین مامون الرشید وفات پا چکا تھا، اور اب اس کا بھائی المعتصم باللہ خلیفہ تھا، جب موسیٰ کے مرنے کی خبر معتصم کو ہوئی تو چونکہ والی سندھ سے کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی، اس لئے موسیٰ کے لڑکے عمران کی قائم مقامی کے عہدہ کو خاص اپنے فرمان کے ذریعہ سے تبدیل کر کے مستقل حکومت سپرد کی،

سندان پر عربون کا قبضہ

مامون الرشید کے عہد مین جب کہ موسیٰ برمکی سندھ کا حاکم تھا، یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان شہر پر قبضہ کر لیا، اور خود مختارانہ آزادی سے حکومت کرنے لگ گیا، اور ساتھ ہی یہ ہوشیاری کی کہ خلیفہ مامون الرشید کی خدمت مین ایک ہاتھی بطور نذر کے روانہ کیا، اور عریضہ مین اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا،

اس نے سندان مین عالیشان جامع مسجد تیار کرائی، اور مامون عباسی کا خطبہ پڑھا، اس وفاداری کو دیکھتے ہوئے مامون نے بھی اس کی خود مختاری تسلیم کر لی، اس کامیابی کے بعد فضل چین کی نیند سوتا رہا، لیکن جلد اس کی وفات ہو گئی، اور اس کے تخت کا وارث محمد بن فضل ہوا، محمد بن فضل اولوالعزم حاکمون مین سے تھا، اس نے ستر کشتیان مہیا کین

[1] برمکی خاندان کشمیری النسل ہے، ہجرت کر کے بلخ پہنچا، اور نوبہار (بدھون کی ملی خانقاہ) کا اعلیٰ عہدیدار ہو گیا، ہندوستانی زبان مین سردار کو پرمکھ کہتے تھے اور آج بھی مستعمل ہے، عربون یا ایرانیون نے [illegible] یا معرب کر کے اس کو برمک کر دیا، اسی برمک سے عباسی خاندان کے مشہور بادشاہ ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ اور جعفر برمکی تھے (عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۱۱۱ الہ آباد)

اور ایک فوج لے کر مید قوم پر حملہ آور ہوا، فتح حاصل کر کے ایک شہر قالی (کالڑی) کو جا گھیرا، آخر اس کو بھی فتح کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ سندان سے یہ خبر آگئی کہ اس کے بھائی ماہان بن فضل نے شہر پر قبضہ کر لیا، یہ سنتے ہی وہ آگے بڑھنے سے رک گیا، اور فوج کو سندان کی طرف واپسی کا حکم دیا، جب سندان کے پاس آیا تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی، اور اپنے بھائی سے ایسی بے وفائی دیکھ کر بڑا غمزدہ ہوا، اس لئے خلیفہ معتصم کے یہاں اپیل کی، اور عریضہ کے ساتھ ساکھو (ساگوان) کا ایک ایسا بڑا لمبا اور موٹا ٹکڑا بطور تحفہ کے بھیجا کہ آج تک عراق والون نے نہیں دیکھا تھا،

ماہان اپنے بھائی محمد سے زیادہ ہوشیار تھا، خلیفہ کی مدد آنے سے قبل اس نے تمام دیسیول (سندھیون) کو اپنا طرفدار بنا لیا، محمد کے فوجی سردارون کو بھی آہستہ آہستہ توڑ کر اپنے ساتھ ملاتا رہا، جب محمد کے پاس تھوڑی فوج رہ گئی، اور ماہان کو یقین ہو گیا کہ اب فتح ہماری ہو گی تو اس نے شہر سے باہر نکل کر حملہ شروع کر دیا، خلیفہ کے یہان سے ابھی کوئی حکم نہیں آنے پایا تھا کہ ماہان نے پے در پے حملے کر کے اس کو شکست دی، اور محمد گرفتار ہو کر قتل کیا گیا، اور پھر سولی دی گئی،

چونکہ سندھ اور خلافت دونون سے والی سندان بے تعلق ہو گیا تھا، اس لئے جب کچھ دنون کے بعد ہندو راجون نے اس پر حملہ کیا تو کسی نے اس کی مدد نہ کی، اور شہر پر ہندوؤن کا قبضہ ہو گیا، انھون نے مسجدین مسلمانون کی بجنسہ رہنے دین، جس مین مسلمان نماز ادا کرتے رہے اور جمعہ کے خطبوں مین خلیفہ بغداد کے لئے دعا کرتے تھے،[1]

سندان کے متعلق مصنفون کو غلط فہمی ہو گئی ہے، انھون نے سندان اور صنداپور جو اصل مین چنداپور ہے ان دونون کو ایک سمجھا ہے، صنداپور (چنداپور) مالابار سے متصل صوبہ مدراس مین مغربی گھاٹ پر واقع ہے، آج کل اس کو "گوا" کہتے ہین، تقریباً دو سو برس سے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶ لیدن،

اس پر پرتگال والوں کا قبضہ ہے، اور ہندوستان میں پرتگالی مقبوضات کا یہی پایہ تخت ہے،

سندان (بکسر سین) صوبہ سندھ سے متصل منصورہ سے پندرہ فرسخ (۱۵ م میل) پر واقع تھا، عربی فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس حساب سے وہ منصورہ سے ۴۵ میل کا فاصلہ رکھتا تھا، لیکن اگر سندھی فرسخ لیا جائے جو آٹھ میل کا ہوتا ہے تو ۱۲۰ میل ہوا، یہ سندان ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے مختلف ممالک کو راستے جاتے تھے، ایک طرف کچھ، دوسری طرف کاٹھیاواڑ اور گجرات، تیسری طرف راجپوتانہ اور مارواڑ، چوتھی طرف سندھ اور ہندوستان، وہ سمندر کے کنارے ایک بڑا بندرگاہ تھا،

معجم البلدان میں ہے کہ سندان سندھ سے متصل، دیبل اور منصورہ سے دس مرحلہ پر واقع ہے، مرحلہ غالباً ۱۲ میل کا ہوتا ہے، سندان سے دیبل اور دیبل سے منصورہ ۱۲۰ میل پر ہوا، پھر لکھتا ہے کہ سمندر اور اس کے درمیان نصف فرسخ (۱½ میل) کا فاصلہ ہے، اور یہاں سے چیمور پندرہ مرحلہ ہے،

اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ فضل بن ماہان نے ستر کشتیاں تیار کرائیں اور پھر اسی کے ذریعہ میدوں پر حملہ آور ہوا، اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ذکر کیا گیا ہے، کہ جاٹ قوم زیادہ تر مغربی سندھ میں آباد ہوئی، اور مید لوگ مشرقی سندھ میں مسکن گزین ہوئے، اس لحاظ سے اس کا بحری حملہ دریائے سندھ کی کسی شاخ سے ہو کر مشرقی رخ ہونا چاہئے،

پھر آگے چل کر وہ ایک شہر کالری کو فتح کرتا ہے، اصطخری اور ابن حوقل وغیرہ کے سفرناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ منصورہ جس شاخ سے گھرا ہوا ہے اس کے سرے پر بلری

۱؎ مراصد الاطلاع جلد دوم ص۵۹، لیکن معجم البلدان میں بفتح سین لکھا ہے ۲؎ تقویم البلدان ص۳۵۹ مطبوعہ پیرس ۳؎ معجم البلدان ص۱۵۱ باب س مطبوعہ مصر جلد پنجم،

شہر آباد تھا، اور بلری سے ذرا فاصلہ پر کالری شہر تھا، پس ان تمام حالات کو مدنظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سندان دریا کے کنارے سندھ کی سرحد پر تھا، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرقی سندھ کے تین حصے تھے،

(۱) دریا سے لے کر منصورہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا،

(۲) منصورہ سے ملتان تک سندھی غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھا،

(۳) ملتان کا علاقہ ایک ریاست کے طور پر مسلمانوں کے زیر نگیں تھا،

کیونکہ اگر منصورہ سے ملتان تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا تو اس پر مسلمانوں کو حملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی،

۲۲۱ھ میں جب عمران برمکی اپنے باپ کا جانشین ہوا تو اضلاع سندھ میں جہاں جہاں بدنظمی اور فساد پیدا ہو گئے تھے، ان کے تدارک پر مستعد ہوا، مغربی علاقہ کے جاٹ ہمیشہ سے سرکش چلے آرہے تھے، جہاں ذرا والی کمزور ہوا یا ان کے ساتھ مراعات سے پیش آیا کہ فوراً سرکشی پر آمادہ ہو جاتے، اس وقت بھی قیقان کے جاٹ برسر فساد تھے، عمران بھی ان کو خوب سمجھتا تھا، معلوم ہوتے ہی لشکر لے کر چل پڑا، اور قیقان پہنچ کر ان کو سخت سزائیں دیں، اور ہر طرح سے ان کو مغلوب کر کے قیقان پر قبضہ کر لیا، اور چونکہ یہ بڑی سرکش قوم تھی، اور اکثر بغاوت اور فساد پر یہ جاٹ آمادہ رہتے، اس لئے عمران نے یہ ضروری سمجھا کہ اس جگہ ایک مستقل چھاؤنی قائم کر دے،

چنانچہ بوقان ۱؎ (توقان) علاقہ بدھ میں ایک مناسب مقام تجویز کر کے ایک شہر کی بنیاد رکھی، اور اس کا نام بیضاء رکھا، اس شہر میں مستقل طور پر فوجیں مقیم کر دی گئیں، تاکہ

۱؎ بوقان والے بعد کو مسلمان ہو گئے اور ۳۰۹ھ تک یہ شہر آباد تھا، اور یہاں کے باشندے مسلم تھے بلاذری ص۴۲۵،

جاٹون کی نگرانی کرتی رہین، اور مقامی امن بھی قائم رکھیں، ان امور کو انجام دے کر وہ پایۂ تخت منصورہ مین واپس آیا،

غالباً منصورہ پہنچکر یہ اس کو معلوم ہوا کہ قندابیل (گنداوی) کے لوگ باغی ہوگئے ہین، اور اس پر محمد بن خلیل نامی ایک شخص قابض ہوگیا ہے، قندابیل (گنداوی) ایک مضبوط مقام تھا، جو بلند پہاڑون کے باعث بہت ہی محفوظ جگہ سمجھی جاتی تھی، عمران لشکر لے کر فوراً قندابیل کی (گنداوی) پہنچ گیا، اور بزور اس کو فتح کر ڈالا، اور جس قدر وہان بڑے بڑے مفسد تھے جن کی سرداری مین وہان فتنہ اور بدامنی ہوتی تھی ان سب کو شہر بدر کرکے قصدار مین لا بسایا، اور بہت ممکن ہے کہ ان کو یہان اس لئے نظر بند کر رکھا ہو،

اس سے فارغ ہی ہوا تھا کہ "مید" لوگون کی بغاوت کی خبر ملی، اسی وقت وہان پہنچکر ان سے جنگ شروع کردی، اور سخت لڑائی ہوئی، تین ہزار مید قتل ہوئے، پھر عمران برمکی نے ایک پل تیار کرایا جس کا نام "سکر المید" (مید کا پل) رکھا[1]، اور اپنا لشکر دریاے الرور (الور یا ارور) کے پاس ٹھہرایا، اور تمام جاٹ جو اس کے لشکر مین موجود تھے ان کو طلب کر کے ان کے ہاتھون پر مہرین لگوائیں، اور جزیہ مقرر کیا، اور قدیم رسم جو راجہ چچ کے عہد سے جاٹون کے متعلق چلی آتی تھی اس کے اجرا کا پھر حکم صادر کیا کہ ہر جاٹ اپنے ساتھ ایک ایک کتا ضرور رکھے، اس کا یہ اثر ہوا کہ کتا بڑا گران ہوگیا، اور آخر ایک ایک کتے کی قیمت پچاس درہم (۱۲ روپیے) ہوگئی،[2]

اب عمران برمکی نے ان جاٹوں کو ساتھ لے کر پھر مید لوگون پر حملہ کیا، جو غالباً کسی

[1] بہت ممکن ہے کہ آج جس مقام کو سکھر کہتے ہین یہ وہی مقام ہو جس کو سکر المید کہتے تھے، پل وغیرہ تو برباد ہوگئے اور نام تخفیف ہو کر سکر اور پھر سکر سے سکھر ہوگیا ہو [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶ لیڈن،

قلعہ مین شکست کے بعد محصور ہوگئے تھے، ان لوگون کے لئے ایک تالاب تھا، جہان سے آب شیرین حاصل کرتے اور تمام لوگون کے پانی کا انحصار اسی پر تھا، جب عمران کو یہ معلوم ہوا تو اس نے انجینیروں کے مشورہ کے مطابق سمندر سے ایک نہر کھدا کر اس تالاب مین ملا دیا، جس سے تالاب کا پانی بالکل کھارا ہوگیا، اور مید لوگون کو پانی کی سخت تکلیف ہونے لگی پھر اس نے پر زور حملے شروع کردیئے اور یقیناً کامیاب ہو جاتا، اور جاٹ لوگون کی طرح مید قوم کی سرکشی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتا، کہ یکایک پھر حجازی اور یمنیوں کا جھگڑا شروع ہوگیا، عمران برمکی یمن کی مظلوم قوم قحطانیون کی پاسداری کرنے لگا، نزاریوں کو بہت سخت ناگوار ہوا اور یہ لوگ عمران کے خلاف سازش کرنے مین کامیاب ہوگئے، ان نزاریون نے اپنا ایک سردار مقرر کیا، جس کا نام عمر بن عبد العزیز ہباری تھا، اس نے سازشی لوگوں کا ایک دستہ لیا، اور خاموشی کے ساتھ اچانک عمران برمکی پر آپڑا، اس خانہ جنگی مین بڑا نقصان یہ ہوا کہ عمران مارا گیا،[1] مید لوگون کی مہم یون ہی رہ گئی، ملک مین خلفشار ہونے سے متعدد امرا شہر اور قلعے دبا بیٹھے، یہ واقعہ ۲۲۶ھ کے کچھ ہی آگے پیچھے کا ہے،[2]

۲۲۳ھ مین خراسان کا بڑا باغی بابک خرمی گرفتار ہوگیا، اس کی فوج کو تباہ کرنے اور گرفتار کرنے کا سہرا معتصم کے ایک ترکی جنرل (سپہ سالار) افشین کے سر رہا، معتصم کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی اور اس صلہ مین جہان لاکھوں روپیے اور جواہرات انعام میں دیے وہاں سندھ مین بھی اس کو جاگیر عنایت کی،[3]

عہد معتصم کا ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ بلاذری نے تحریر کیا ہے کہ ایک ہندو (یا بدھ) راجہ تھا، جس کے پایۂ تخت کا نام عسیفان (یا عسیقان) تھا، اس کے شمال مین کشمیر اور مغرب

[1] بلاذری صفحہ ۴۴۶ لیڈن [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ لیڈن [3] الکامل جلد ۶ صفحہ ۴۳۹ لیڈن،

مین کابل، اور جنوب مین ملتان واقع تھا، یہ غالباً کوئی چھوٹا راجہ (یا زمیندار) تھا، اس نے
ایک مندر بنوایا تھا، اور اس مین جو مورتی تھی تمام مخلوق اس کی پرستش کرتی تھی، راجہ بھی
اس کا بڑا معتقد تھا، ایک دفعہ اس کا لڑکا بیمار ہوا، اور ہر طرح علاج کرا کر تھک چکا تھا
کہ اس نے پجاریون کو بلا کر دعا کی استدعا کی کہ دیوتاؤن سے لڑکے کی صحت کے لئے
درخواست کرین، پجاری مندر گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے، اور کہا کہ ہم نے دیوتاؤن سے
دعا کی، انھون نے قبول کر لیا، اب آپ کا لڑکا جلد اچھا ہو جائے گا، آپ مطمئن رہین، لیکن
واقعہ اس کے برعکس ہوا، یعنی جلد ہی اس کا لڑکا موت کا شکار ہو گیا،

راجہ کو اس صریح کذب بیانی سے اس قدر غصہ آیا کہ اس نے تمام پجاریوں کو ایک قلم
قتل کر ڈالا، اور مندر کو بھی گرا کر زمین کے ہموار کر ڈالا، لڑکے کے غم مین گویا وہ مجنون جیسا ہو گیا
تھا، ورنہ پجاری (برہمن) کا قتل اور مندر کا گرانا دو ایسے بڑے پاپ (جرم) تھے کہ رعایا (عام
ہندو آبادی) اس کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی تھی،

انسان ظاہری اعتبار سے جس قدر بھی آرام اور شان و شوکت سے رہتا ہو، مگر جب تک
دل انسان کا مطمئن نہ ہو، حقیقی راحت مفقود ہے، یہی حال راجہ کا تھا، اس نے اپنے دل کو
تسلی دینے کے لئے ظاہری خواہش ہر طرح سے پوری کی، مگر دل مطمئن نہ ہوا۔

اتفاق سے چند مسلمان تاجر وہان موجود تھے، راجہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ان
کو بلا کر مذہب کے متعلق حقیقت دریافت کی، انھون نے کہا کہ ہمارا مذہب بت پرستی سے سخت
بیزار ہے، اور ہم لوگ صرف ایک خدا کو مانتے ہین جو قادر مطلق ہے، اور کوئی اس کا شریک نہیں
اور ہمارا مذہب اخلاق حمیدہ کی بہترین تعلیم دیتا ہے،

راجہ اس سے بڑا متاثر ہوا اور تبدیل مذہب کر کے مسلمان ہو گیا[1]، غالباً اس کا اسلام

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۶ لیڈن،

پوشیدہ طور پر رہا، اور پڑوس کی اسلامی سلطنتون نے نہ تو اس کی کوئی مدد کی، اور نہ
ہمدردی سے پیش آئے، ورنہ کیا تعجب تھا کہ محمود غزنوی تک یہ ریاست موجود رہتی،

عنبسہ والی سندھ

تقریباً ۲۲۶ھ مین عمران کے مرنے پر عنبسہ بن اسحاق ضبی سندھ کا والی ہوا[1]
سندھ پہنچ کر اس نے اس ملک کے حالات کا بغور مطالعہ کیا، اور پھر ایک ایسی پالیسی اختیار
کی جس سے عام طور پر لوگ مطمئن ہو گئے،

۲۲۷ھ مین المعتصم باللہ وفات پا گیا، اور الواثق باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا،
اس کے عہد مین کسی قسم کا سندھ مین تغیر نہ ہوا، اور ہر قسم کا امن رہا،

عنبسہ ضبی نے سندھ پہنچ کر سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ کی ہو گی، وہ خانہ جنگی کا
فیصلہ ہو گا، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ عمر ہباری جو عمران کا قاتل تھا، وہ ہر طرح سے محفوظ ہو اور
بقیام حکومت عنبسہ وہ بالکل خاموش رہا، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس خانہ جنگی کا
فیصلہ عمر ہباری کے موافق ہوا، قرائن اور دلائل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا طاقتور ہو گیا
تھا، اسی سبب سے خود اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی،

عنبسہ نے اس کے بعد ان باغیوں (امرا) کی طرف توجہ کی، جو اپنی اپنی جگہ قلعے دبا
بیٹھے تھے، والی نے ان سب کو ایک ایک کر کے اطاعت کی دعوت دی، امرا نے بھی بجز اطاعت
دوسرا راستہ نہ دیکھا، اس لئے سب مطیع ہو گئے، اور ہر ایک نے دربار مین آکر حاضری دی، لیکن
ایک شخص عثمان نامی نے کسی طرح اطاعت قبول نہ کی، اور بغاوت پر اڑا رہا، مجبور ہو کر

[1] بلاذری نے یہ واقعہ معتصم کے عہد کا لکھا ہے، اور یعقوبی نے الواثق کے متعلق اس کو منسوب کیا ہے، اس لئے میرا
خیال ہے کہ معتصم کے آخری زمانہ کا یہ واقعہ ہو گا، جب کہ وہ عنبسہ کا تقرر کر چکا تھا اور اسی کو واثق کے ترکی افسر
ایتاخ نے بھی برقرار رکھا ہو گا جو اسی کی سفارش سے بعہد معتصم مقرر کیا گیا تھا،

عنبسہ نے فوجکشی کی، اور متواتر نو برس تک اس سے لڑتا رہا، یہاں تک کہ اس نے کامل فتح حاصل کر لی[1]، اب سندھ میں ہر طرف امن و امان تھا، اس لئے اس نے اصلاحات کی طرف توجہ کی،

سنٹرل جیل غالباً اس وقت تک کوئی سنٹرل جیل اس ملک میں نہیں تھا[2]، یہ ضرورت محسوس کر کے اس طرف اس نے توجہ کی، اس کے لئے اس نے ایسی جگہ تجویز کرنی چاہی جہاں عربوں کا کامل قبضہ ہو، اور بوقت ضرورت فوری مدد حاصل ہو سکے، اور عمارت بھی مضبوط ہو، اور جدید عمارت تیار کرانے میں وقت کے علاوہ روپیہ کی بھی ضرورت پڑتی، ان باتوں کا خیال کر کے عنبسہ نے یہ تجویز کی کہ بندرگاہ دیبل (دیول) کا وہ مندر جو محمد بن قاسم فاتح سندھ کی منجنیق سے برباد ہو گیا تھا اور اس وقت تک ویران پڑا تھا اسی کام میں لایا جائے،

۲۳۲ھ میں عنبسہ نے اس کے طولانی منارہ کو توڑ کر گرا دیا، اور مکانوں کی طرح اس کی چھت قائم کر دی، اور اس طرح کم خرچ میں ایک وسیع اور مضبوط مکان سنٹرل جیل کے لئے مہیا ہو گیا، اس کے پتھر اور گچ جو بچ گئے، ان سے شہر کے شکستہ مکانوں اور دیواروں کی مرمت شروع کرا دی[3]،

۲۳۲ھ میں خلیفہ الواثق باللہ کا انتقال ہو گیا، اور متوکل نے تخت خلافت کو رونق بخشا، اس نے الواثق کے اکثر عمال کو معزول کر کے دوسرے عمال مقرر کئے،

ایتاخ ترکی سے بھی وہ ناراض تھا جس کی طرف سے عنبسہ سندھ کا والی تھا، ۲۳۴ھ میں خلیفہ کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر وہ حج کیلئے مکہ چلا گیا، خلیفہ نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجدیا کہ اس کو گرفتار کر کے بغداد بھیجدے، چنانچہ وہ بھیجدیا گیا، اور غالباً ۲۳۵ھ میں اس نے جیل خانہ میں وفات پائی،

---

[1] یعقوبی جلد دوم ص۵۰۵ لیدن [2] سنٹرل جیل میں نے اس لئے تحریر کیا کہ ہر شہر میں مقامی جیل تو موجود تھے، چنانچہ محمد بن قاسم ثقفی نے اپنے حریف یزید بن عرار کو اسی مقامی جیل میں مقید کیا تھا [3] بلاذری ص۴۴۲ لیڈن،

جب یہ خبر عنبسہ کو ملی تو وہ گھبرایا، اور سمجھا کہ مربی (ایتاخ) کے مرنے پر میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ ہوگا، اس لئے قبل اس کے کہ دیبل شہر کی مرمت کا کام تکمیل کو پہنچے وہ عراق (بغداد) کی طرف بلا طلب خلیفہ روانہ ہو گیا، یہ خبر جب خلیفہ کو ملی تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ ہارون بن ابی خالد کو والی سندھ بنایا، اور پھر عنبسہ سے کوئی پرسش نہ کی،

ہارون بن خالد ۲۳۵ھ میں جب ہارون بن ابی خالد مروزی سندھ پہنچا[1]، تو اس نے سندھ کا حال اچھا نہ دیکھا، حجازی بہت طاقتور ہو چکے تھے اور عمر بن عبدالعزیز ہباری ان کا سردار تھا، جو بیحد ہوشیار اور مدبر شخص تھا، اور اس کی شخصیت اس قدر بلند ہو گئی تھی کہ والی سندھ اس سے دبنے لگے تھے، چنانچہ سابق گورنر عنبسہ نے اسی وجہ سے یہ پالیسی اختیار کی کہ جب تک وہ سندھ میں رہا حجازیوں سے اس نے کوئی تعرض نہ کیا، اور غالباً عمر ہباری کو ہمیشہ ملائے رہا، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے اس پالیسی پر عمل نہیں کیا، اور اس کے سبب سے اختلافات بڑھتے گئے، اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۲۴۰ھ میں ہارون قتل کر دیا گیا[2]،

عمر ہباری جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عمر ہباری نے بڑی طاقت پیدا کر لی تھی، اس وقت موقع کو غنیمت جان کر شہر پر اس نے قبضہ کر لیا، اور خلیفہ متوکل کو ایک عرضداشت روانہ کی جس میں اس نے والی سندھ کے متعلق بدانتظامی کا اتہام لگا کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور

---

[1] یہ تمام حالات بلاذری اور یعقوبی جلد دوم سے ماخوذ ہیں، لیکن ۲۳۵ھ کا تعین میں نے اس طرح کیا کہ ایتاخ ترکی جنرل نے ۲۳۴ھ میں حج کا ارادہ کیا اور مکہ پہنچ بھی گیا، لیکن حج سے قبل واپس عراق ہو گیا، جیسا کہ یعقوبی نے لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ حج کا وقت سال کے اختتام پر ہوتا ہے، اس لئے ایتاخ شوال یا ذوالقعدہ ۲۳۴ھ میں مکہ پہنچکر واپس گیا، اور چونکہ وہ قتل نہیں کیا گیا بلکہ جیل خانہ میں تکالیف برداشت کر کے مرا ہے، اس لئے یقین ہے کہ چند ماہ زندہ رہا ہوگا، اور اس صورت میں ۲۳۵ھ ہو جاتا ہے [2] فتوح البلدان ص۴۴۶ لیڈن لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ وہ مارا نہیں گیا، بلکہ خود مر گیا، ص۵۹۹ جلد ۲ لیڈن،

درخواست کی کہ اگر سندھ کی ولایت و حکومت اس کے سپرد کردی جائے، تو اس کا بہترین انتظام کرے گا، کیونکہ وہ اسی جگہ کا باشندہ ہے اور یہاں کے حالات سے وہ بخوبی واقف ہے،

اس وقت متوکل بیحد پریشان تھا، ہر طرف سے بغاوت کی خبرین آرہی تھیں، ایک کو دباتا تو دوسرے کھڑے ہو جاتے عمر ہباری کی اس عاجزانہ درخواست کو اس نے غنیمت جانا اور ولایت سندھ کا پروانہ اس کے پاس بھیجدیا[1]، اس وقت سے برائے نام خلیفہ کا مطیع رہ کر عمر نے خود مختارانہ حکومت شروع کردی، اور یہی شخص سلطنت منصورہ کا بانی ہے جس کے خاندان مین حکومت عرصہ تک رہی،

---

[1] یعقوبی جلد ثانی صہ ۵۹۹ لیڈن،

(۲)
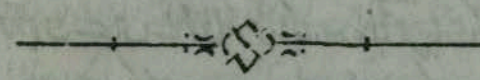
سلطنت خاندان ہباری

قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو اسد مین ایک شخص ہبار بن اسود تھا، جو ۸ھ مین مسلمان ہوا، اسی کی اولاد مین سے ایک شخص منذر بن زبیر سندھ کے والی حکم بن عوانہ متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا، اور اسی جگہ رہ پڑا، اسی کا پوتا عمر بن عبدالعزیز تھا، جو اب اس وقت سندھ کا حاکم ہوا، اس کا نسب نامہ یہ ہے:-

"عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود"

یہ خاندان بنی امیہ اور عباسیہ دونون عہد مین سلطنت کے کامون مین شریک رہا[1]، اور آہستہ آہستہ حجازی قبیلہ کا سردار ہو گیا، ۲۴۰ھ مین جب یہ سندھ کا والی ہوا، تو اس نے سندھ کے زیرین حصہ پر فوراً قبضہ کر لیا، گو اس نے منصورہ پایہ تخت پر بھی قبضہ کیا، مگر وہ خود اپنے وطن مقام "بانیہ" ہی مین رہا، جو منصورہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب جانب تھا[2]، جب اس کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو پھر اس نے تمام سندھ کو اپنا باجگذار بنایا، اور ہمیشہ خلیفہ بغداد کا مطیع اور باجگذار اپنے کو ثابت کرتا رہا، چنانچہ خلیفہ عباسی ہی کا خطبہ تمام عمر پڑھوایا،

جب تک یہ زندہ رہا، اس کے تعلقات خلافت بغداد سے قائم رہے، اور خلافت بھی سندھ کو اپنے مقبوضات میں شمار کرتی رہی، چنانچہ یعقوب بن لیث صفاری کو ۲۵۷ھ مین خلیفہ معتمد نے جہاں ترکستان، سجستان اور کرمان کی سند امارت دی ہے وہاں سندھ کا نام بھی اس میں

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ صہ ۳۲۷ معر [2] ابن حوقل ذکر سندھ،

شامل ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ۲۵۷ھ میں عمر بن عبد العزیز ہباری والی منصورہ مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ یعقوب صفاری کے ماتحت ہوگیا[1]، اسی طرح ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد اپنے بھائی موفق کو دیگر ممالک مشرقی کے ساتھ سندھ بھی . . . حوالہ کرتا ہے[2]، تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ عمر بن عبد العزیز نے کب تک سلطنت کی، اور اس کا طرز حکومت کیا تھا؟ لیکن مشرقی ممالک میں باوجود متعدد انقلاب کے عمر بن عبد العزیز کا اپنی جگہ قائم رہنا ہی اس کے تدبر اور لیاقت کی بڑی دلیل ہے، اور اس لئے ہم بظن غالب کہہ سکتے ہیں کہ اس نے تمام عمر نہایت ہی امن و امان کے ساتھ سندھ پر حکومت کی، اور چونکہ ۲۷۰ھ میں اس کے بیٹے عبد اللہ کو برسر حکومت ہم پاتے ہیں اس لئے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اسی سنہ یا اس سے کچھ قبل عمر بن عبد العزیز وفات پاگیا،

۲۵۹ھ میں ہندوستان (مراد اس سے سندھ کے متصل سرحدی علاقہ) کا ایک راجہ مسلمان ہوگیا، اور اس نے سونے کی ایک زنجیر جو زمرد اور یاقوت سے پچکاری کی ہوئی تھی بطور نذر بیت اللہ الحرام میں کعبہ کے لئے بھیجی جس کے ساتھ سبز رنگ کا یاقوت (زمرد) بھی تھا، بغداد میں جب یہ چیز پہنچی تو خلیفہ معتمد علی اللہ کے سامنے پیش کی گئی، اس نے حکم دیا کہ کعبہ میں اس کو آویزاں کیا جائے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی[3]،

اسی زمانہ (۲۶۴ھ) میں ابو زید سیرافی ہندوستان آیا ہے، اس نے اپنے سفرنامہ میں ملتان کی نسبت لکھا ہے کہ

"وہ مشہور مورتی مولتان (ملتان) میں ہے، اور یہ ملتان منصورہ سے قریب ہے، اس کی زیارت کے لئے لوگ مہینہ کی راہ سے آتے ہیں، اور بکثرت عود ہندی (کامرونی) چڑھانے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ مصر [2] عرب و ہند کے تعلقات [3] اعلام بیت اللہ الحرام صفحہ ۱۳۲ حاشیہ مصر،

کے لئے لاتے ہیں، اور کامرون (کامروپ) ایک شہر ہے جہاں کا عود بڑا عمدہ ہوتا ہے اور اس قدر نرم ہوتا ہے کہ لوگ اس پر مہر کرتے ہیں تو اس کا نقش ہوجاتا ہے، یہ بڑا قیمتی ہوتا ہے، ایک من کی قیمت دو سو دینار ہوتے ہیں، لوگ دور دور سے اس کو لاتے ہیں اور صنت کو بخور کے لئے دیتے ہیں تاجر اسی کے ہاتھ سے خرید کر باہر لاتے ہیں[1]:

ابن ندیم جس نے اپنی کتاب ۳۷۷ھ میں ترتیب دی ہے لکھتا ہے کہ "ایک کتاب میری نظر سے گذری جس میں ہندوستان کے مذاہب کا بیان تھا، یہ جمعہ ۳ محرم ۲۴۹ھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کا کاتب یعقوب بن اسحاق کندی تھا، اس میں لکھا تھا کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے کچھ لوگوں کو ہندوستان اس لئے بھیجا تھا کہ یہاں کی نباتات کی تحقیقات کی جائے اور بکار آمد شے اپنے ساتھ لائے، اور دینی امور کی بھی چھان بین کی جائے، چنانچہ واپسی پر انھوں نے ایک رپورٹ پیش کی، یہ اسی کا خلاصہ ہے،

اس میں ہندوستان کے مختلف مقامات کے حالات خصوصاً وھب راے کے پایہ تخت مان کھیڑ کے مندر کا حال لکھ کر ملتان کی نسبت لکھتا ہے کہ "ملتان میں ایک گھر (مندر) ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ سات گھروں (مندروں) میں سے ایک ہے[2]، جو ہندوستان کے دوسرے اطراف میں ہیں) اس مندر میں لوہے کا ایک بت ہے جس کا طول سات ہاتھ ہے یہ قبہ کے بیچ میں معلق ہے، کیونکہ اس کو چاروں طرف سے مقناطیس اپنی کشش میں لئے ہوئے ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک آفت کے سبب سے وہ اب ایک طرف جھک گیا ہے[3]

---

[1] کتاب الہند و الصین پیرس صفحہ ۱۲۹، مولتان کی نسبت بیرونی نے لکھا ہے کہ اس کا اصل نام مول استھان ہے، مول کے معنی جڑ، اصل، اور استھان کے معنی جگہ، یعنی اصل جگہ، قدیم جگہ [2] دوسرا سومناتھ اور تیسرا کھنبائت میں تھا، باقی چار ہندوستان کے مختلف اطراف میں تھے،

یہ مندر پہاڑ کے نیچے ہے، اس کی بلندی (۱۰۰) ہاتھ ہے، عام ہندوستانی لوگ خشکی اور تری
ہر طرف سے اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں، اور یہاں کا راستہ بلخ سے بڑا سیدھا ہے کیونکہ
لستان بلخ کے شہروں سے قریب ہے، یہاں پہاڑوں کی چوٹیوں اور سطح پر بیشمار پجاریوں کے
مکان ہیں، اور اسی جگہ ان کی قربانیاں بھی ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں کوئی وقت ایسا نہیں
گذرتا کہ لوگ اس کی زیارت کو نہ آتے ہوں، یہاں دو بت ہیں، ایک کا نام "جنبکست" اور دوسرے
کا "زنبکست" ہے، اس کو ایک بڑی وادی کے دونوں کناروں پر پہاڑ کے پتھر کو گڑھ کر بنایا ہے،
یہ اسی ہاتھ بلند ہے، جو دور سے دکھائی دیتا ہے، ہندوستانی اس کا حج کرتے ہیں، قربانی بخور
وغیرہ چڑھاتے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں، تو دور ہی سے جب
وہ نظر آنے لگتا ہے تو پیادہ پا ہو جاتے ہیں، اور اگر کبھی غلطی یا غفلت سے اس کے خلاف ہو گیا
تو اس کو پھر اس جگہ واپس جانا پڑتا ہے، جہاں سے وہ نظر نہ آئے، اور واپسی میں پھر جہاں سے
نظر آنے لگے تو پیدل ہو جائے اور یہ محض اس کی عظمت اور بزرگی کے لئے ہے؛

اور ان لوگوں نے جنھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے مجھ سے بیان کیا کہ اس جگہ جانیں
قربان کرنے کا واقعہ بھی کچھ کم وقوع پذیر نہیں ہوتا، اس کا خیال ہے کہ کبھی کبھی تو پچاس ہزار تک
اس کی تعداد پہنچ جاتی ہے[1]؛

پھر بامیان کے منادر کا حال لکھ کر ملتان کی نسبت لکھتا ہے۔ "فرج بیت الذہب یعنی
ملتان میں ایک مندر ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ پتھر کا ہے جس میں گوتم بدھ کی مورتی ہے اور اس کا
نام بیت الذہب اس لئے ہوا کہ حجاج بن یوسف ثقفی والی عراق کے عہد میں جب یہ شہر فتح ہوا تو یہاں سے
ایک سو بہار سونا دستیاب ہوا تھا[2]۔"

---

۱ الفہرست لابن ندیم صفحہ ۴۸۷ طبع مصر ۲ ابن خردازبہ (ص ۳۰) نے چالیس بہار لکھا ہے (بقیہ ص ۱۹۳ پر)

ابو دلف ینبوعی نے مجھ سے بیان کیا جو بڑا سیاح تھا، کہ بیت الذہب ملتان نہیں جو مندر
اس وقت مشہور ہے وہ وہ نہیں ہے (بلکہ دوسرا تھا)

یعقوب کندی نے ملتان کے بت کی ایک تصویر بھی دی تھی، لیکن افسوس ہے کہ
ابن ندیم نے اپنی کتاب میں اس کو شامل نہیں کیا،

عبد اللہ بن عمر ہباری

غالباً سنہ ۲۷۰ھ میں تخت نشین ہوا، چونکہ اس نے ایک منظم سلطنت اپنے باپ سے
وراثت میں پائی، اس لئے خیال گذرتا ہے کہ قدرتی طور پر یہ آرام پسند اور سست ہوگا، کیونکہ ہم دیکھتے
ہیں کہ سنہ ۲۷۹ھ میں بنو کندہ کا ایک آزاد کردہ غلام ابو الصمہ جو تیسری صدی کے شروع میں عباسی
والی سندھ عمر بن حفص ہزار مرد کے ساتھ سندھ آیا تھا، اس کے لڑکے صمہ نے بغاوت کرکے منصورہ
پر قبضہ کر لیا[1]، اور چونکہ وہ بانیہ میں رہتا تھا، اس لئے غالباً وہ خود محفوظ رہا، پھر کچھ دنوں کے
بعد عبد اللہ نے طاقت بہم پہنچا لی، اور منصورہ باغی سے واپس لے لیا، اور غالباً اسی وقت سے
عبد اللہ نے بجائے بانیہ کے منصورہ میں رہنا شروع کیا،

سندھ کا پایہ تخت پہلے "ارور" تھا، حکم بن عوانہ والی سندھ متوفی سنہ ۱۲۱ھ کے عہد میں جب
عربی طاقت کمزور ہو گئی تو سندھ ندی کے مشرقی جانب ایک شہر "محفوظہ" کے نام سے آباد کر کے
پایہ تخت بنایا، لیکن اس کو فروغ حاصل نہ ہوا، تقریباً اسی سال محمد بن قاسم ثقفی فاتح سندھ
کا لڑکا عمرو جو ابن عوانہ کے ماتحت رسالوں کا افسر تھا، ایک اور مقام پر اس نے ایک شہر کی
بنیاد رکھی جس کا نام بطور فال نیک کے "منصورہ" رکھا، کیونکہ وہ دشمنوں پر فتح پا کر واپس آیا تھا[2]
رفتہ رفتہ یہ شہر بڑا بارونق بن گیا، اور آخر میں دار السلطنت قرار پایا، اس کے پایہ تخت قرار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) اور ہر بہار ۳۳۳ من کا تھا اس لحاظ سے تیرہ ہزار تین سو چھبیس من ہوئے، مگر واضح رہے
کہ سونا، چاندی، جواہرات کا من بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ ۱ بلاذری ص ۴۴۵ ۲ فتوح البلدان ص ۴۴۴ طبع لیڈن۔

دیے جانے کی قدیم ترین شہادت بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ سے ملتی ہے جس نے لکھا ہے کہ یہ وہی شہر ہے جہاں آج کل حکام ٹھہرتے ہیں[1]، اس کا طول مغرب سے ۹۶ درجہ ۱۰ اور عرض شمالی جنوب سے ۲۲ درجہ ہے[2]،

ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسی جگہ پر آباد ہے کہ دریا کی ایک شاخ نے نکل کر اس جگہ کو جزیرہ بنا دیا ہے[3]،

خوش قسمتی سے ہمارے سامنے ابن حوقل کا وہ نقشہ موجود ہے جو اس نے اپنے زمانہ میں سندھ کا تیار کیا تھا، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ جو پنجاب کی طرف سے چل کر آخر کار سمندر میں جا گرتا ہے اس مقام سے تھوڑی دور پیچھے موجودہ حیدرآباد کے جنوب کی طرف خشکی کی سمت میں ایک جگہ دریا کی ایک نئی شاخ نکلتی ہے، جو فوراً ہی پھر گھوم کر اسی دریا میں مل جاتی ہے، اور اس طرح بیچ میں دریا کے کنارے اس شاخ کے احاطہ سے ایک تھوڑی سی زمین جزیرہ کی صورت میں بن گئی ہے، اسی جزیرہ کی شکل میں یہ شہر آباد ہوا، جو ہر طرف سے پانی سے گھر کر ناگہانی حملہ آوروں سے محفوظ تھا، یہ اسی قسم کا مقام تھا جیسا کہ میسور میں کاویری ندی کے گھوم جانے سے سرنگاپٹم کا مقام نکل آیا ہے، پرانے زمانہ کے فن جنگ کے لحاظ سے اس قسم کے مقامات بہت محفوظ خیال کئے جاتے تھے[4]

منصورہ غیاث الدین بلبن کے عہد ۶۶۴ھ تک موجود تھا[5]، اور دراصل برہمن آباد کا دوسرا نام تھا، کیونکہ یہ شہر برہمن آباد سے دو فرسخ پر تھا[6]، اور غالباً اس کے آباد ہوتے ہی برہمن آباد بے رونق ہوگیا، آئین اکبری میں اس کا نام بکر یا بھکر ہے[7] جو کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ آج کل بھکر

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۴ لیدن [2] معجم البلدان یاقوت حموی لفظ منصورہ [3] عرب وہند کے تعلقات صفحہ ۳۳۶ الہ آباد [4] طبقات ناصری صفحہ ۲۰ کلکتہ [5] عرب وہند کے تعلقات صفحہ ۵ [6] آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ نول،

ضلع سکھر میں واقع ہے، یہ ایک جزیرہ ہے جہاں قدیم قلعہ اب تک موجود ہے[1]،

راجہ داہر کے عہد میں بھی سندھ کا سب سے بڑا شہر اروڑ تھا جس کو عرب الرور یا الور کہتے تھے، یہ شہر اور اس کا قلعہ ایک بلند پہاڑ پر واقع تھا، اور راجہ داہر کا پایۂ تخت تھا ۹۲ھ میں جب محمد بن قاسم نے اس کو فتح کیا تو ایک عالیشان مسجد اس میں تعمیر کی[2]، یہ عرصہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلم سندھیوں نے اس پر قبضہ حاصل کر لیا، چنانچہ ۲۷۰ھ میں یہاں ایک غیر مسلم راجہ حکومت کرتا تھا[3]، بعض سیاحوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چھوٹی سی ریاست نے اسلامی مقبوضات کے دو حصے کر ڈالے تھے، سندھ کے زیرین (جنوبی) حصہ کا پایہ تخت منصورہ تھا، اور بالائی (شمالی) حصہ کا دارالسلطنت ملتان[4]، گو شہر اور دریا کے رخ بدلنے سے ویران ہوگیا، مگر اس سے کچھ فاصلہ پر آج بھی ضلع سکھر میں خیرپور سے قریب ایک چھوٹی سی آبادی کی شکل میں موجود ہے، جو روڑی یا روہڑی سے متصل واقع ہے[5]، پہلے دریائے ہکڑا (جو اب سوکھ گیا ہے) کے بائیں کنارے موجودہ خیرپور سے چند میل شمال میں واقع تھا[6]،

۲۷۰ھ میں یہاں کے ایک ہندو راجہ نے جس کا نام عربوں نے "مہروک بن رائق" لکھا ہے، منصورہ کے حاکم عبد اللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ سندھی (ہندی) زبان میں مذہب اسلام کی تعلیم لکھ کر بھیج دے، عبد اللہ ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو تھا تو عراقی، مگر اس کی پرورش منصورہ میں ہوئی تھی، وہ بڑا ذہین اور فہمیدہ آدمی تھا، اور اس

[1] جغرافیہ سندھ مصنفہ بشیر احمد صاحب ۱۹۳۲ء [2] چچ نامہ قلمی صفحہ ۹ [3] عجائب الہند صفحہ ۳ لیدن [4] سفرنامہ بزرگ بن شہریار صفحہ ۲ لیدن [5] جغرافیہ سندھ صفحہ ۶ [6] تاریخ ہاشمی صفحہ ۱۹۵،

ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا، راجہ کی خواہش اس کے سامنے پیش کی گئی، اس نے ایک قصیدہ تیار کیا، اور راجہ کی خواہش کے مطابق اس میں تمام امور بیان کر دئیے، عبداللہ نے اس قصیدہ کو راجہ مہروک کے پاس بھیجدیا، راجہ نے جب اس کو سنا تو بہت پسند کیا، اور عبداللہ سے درخواست کی کہ شاعر کو اس کے دربار میں بھیجدیا جائے، چنانچہ عبداللہ نے اس کو بھیجدیا، وہ تین سال وہاں مقیم رہا، اور واپسی تک راجہ اس سے بہت خوش رہا، سنہ ۲۷۳ھ میں جب وہ عبداللہ سے ملا، تو راجہ کے متعلق سوال کرنے پر اس نے کہا کہ

جس وقت میں وہاں سے واپس آرہا تھا تو راجہ سچے دل سے مسلمان تھا، لیکن سلطنت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، اس نے منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا کہ سندھی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی، وہ روزانہ تھوڑا تھوڑا تفسیر کر کے اس کو سناتا جاتا، وہ کہتا ہے کہ جب میں نے سورہ یٰسین کی اس آیت پر پہنچکر ترجمہ سنایا "من یحیی العظام وھی رمیم" اور پھر اس کی تفسیر بیان کی، تو وہ اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے ایک تخت پر بیٹھا تھا، اس نے کہا کہ پھر ایک دفعہ اس کی تفسیر کرو، چنانچہ میں نے دوبارہ اس کی تفسیر کی، وہ فوراً تخت سے اتر پڑا اور زمین پر چند قدم چلا، اس نے اپنا گال زمین پر رکھدیا، حالانکہ زمین پانی چھڑکنے کے سبب سے اس وقت تر تھی، اور یہاں تک رویا کہ اس کا رخسار گرد آلود ہوگیا، پھر اس نے کہا کہ بیشک یہی رب معبود ہے جو ازلی اور ابدی ہے، اس کے بعد اس نے اپنے لئے ایک مکان تیار کرایا جہاں تنہائی میں وہ خدا کی عبادت کیا کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا، مگر لوگوں پر یہ اظہار کیا کرتا کہ وہ وہاں جا کر سلطنت کے اہم معاملات پر غور کیا کرتا ہے، سندھی شاعر کا یہ بھی بیان ہے کہ راجہ نے چھ سو من سونا اسے تین دفعہ دیا،[1]

[1] عجائب الہند ص ۲، ۳ ... (بعض حصہ ...)

دیبل میں زلزلہ | اسی عبداللہ بن عمر ہباری کے عہد میں ایک بڑی مصیبت آئی، شوال سنہ ۲۸۰ھ میں سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول) میں بڑا چاند گرہن لگا، غالباً اسی کے ساتھ سورج گرہن بھی تھا، کیونکہ عصر تک تاریکی چھائی رہی، پھر عصر کے وقت سے ایک شدید آندھی سیاہ رنگ کی چلی، جو تہائی رات تک رہی، دیبل کے لوگ جب آرام سے میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے اور رات کا ⅓ حصہ گذر چکا تھا کہ یکایک بڑے زور کا زلزلہ آیا، تمام دیبل تباہ ہوگیا، بمشکل ایک سو مکان بچ رہے ہوں گے، اس کے بعد پھر پانچ مرتبہ زلزلہ آیا، ملبہ کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی صرف مردے نکلے، مجروح اور زندوں کی تعداد جو صحیح سلامت بچ رہی وہ اس کے علاوہ ہے، اس سے دیبل کی آبادی اور سندھ کی سرسبزی اور شادابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے،[1]

اس واقعہ کی خبر پرچہ نویس نے فوراً بغداد روانہ کی، بغداد میں اس وقت معتضد باللہ خلیفہ تھا جس کی حکومت سنہ ۲۷۹ھ سے سنہ ۲۸۹ھ تک رہی، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ پر ابھی تک خلفاء کا اثر موجود تھا، ڈاک اور خفیہ پولیس کا انتظام بھی براہ راست خلیفۂ بغداد کے ماتحت تھا،[2]

عبداللہ بن عمر کی حکومت تقریباً تیس برس رہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں اس نے بڑا اچھا انتظام کیا،

سندھ کے شہر مسافت اور برآمد | اس وقت صوبہ سندھ میں مندرجۂ ذیل شہر سمجھے جاتے تھے، قیقان (کیکانان)، بنہ، مید، قندھار (گندھار)، قصدار (قزدار)، بوقان، قندابیل (گندھاوی)، بنجپور، ارمابیل (ارمن بیلہ) دیبل، قنبلی، کنبایا (؟) سہبان، سدوسان، ارا سک،

[1] الکامل لابن اثیر جلد ۷ ص ۳۲۴ لیڈن [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۸۰ کلکتہ،

رور، (الور یا اروڑ)، ساوندری، مولتان (ملتان)، سندان، کیرج، قالی (کالی)[1] اور چونکہ
اکثر اوقات مکران کا علاقہ والیٔ سندھ کے ماتحت رہا ہے، اس لئے سندھ ہی میں اکثر سیاحوں
نے مکران کو بھی شمار کیا ہے، چنانچہ بعض عربی جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سندھ کی سرحد
"تیز" مکران سے شروع ہوتی ہے[2]، یہاں کا خراج الف الف درہم (دس لاکھ درہم) ہے[3]،
اس زمانہ میں تاجروں کا کاروان جو خراسان سے مکران اور سندھ جاتا تھا، ان کا
راستہ مع مسافت مندرجۂ ذیل ہے:۔

مکران کی سرحد طابران سے شروع ہوتی ہے، یہاں سے باسورجان ۴۲ میل اور قریہ
یحییٰ بن عمر ۳۰ میل، هزار (ہزار یا ہزارہ) ۳۰ میل، مدر ۳۰ میل، موسارہ ۲۷ میل، درک باموبہ
۴۰ میل، تجمین ۳۰ میل، پھر بلوچیوں کا چوراہہ (شاہراہ) ۳۰ میل، اس کے بعد نمک کا پہاڑ
۱۸ میل، یہاں سے نخل ۲۷ میل، اور قلبان نخل سے ۱۸ میل ہے، پھر قلمان سے سرکمکان
۱۲ میل، بنجبور ۹ میل، یہاں سے جیس (جو قندابیل جانے کے راستہ پر ہے) جاتے ہوئے
ایک صحرا ملتا ہے جو ساٹھ میل کا ہے، پھر سرائے داران تیس میل، یہاں سے جٹیہ لبے سنگھ
۳۰ میل، اور قصدار ۳۰ میل بے سنگو سے ہے، اس کے بعد جور ۱۲۰ میل، یہاں سے امرشاب
۱۲۰ میل، پھر قریہ سلیمان ۴۸ میل، یہ بندرگاہ ہے، خراسانی تاجر اسی جگہ سے سندھ یا
ہندوستان جاتے ہیں، یہاں سے منصورہ ۲۴۰ میل ہے، غرض مکران کی سرحد سے منصورہ
تک اس راستہ سے کل مسافت ۱۰۶۴ میل ہے، راستہ میں جاٹ لوگوں کے شہر ملتے ہیں،
اور یہ لوگ راستہ میں امن کے ذمہ دار ہیں[4]، اس زمانہ میں یہاں کے جہاز بصرہ ہو کر بغداد
اور مدائن تک جاتے تھے[5]، اور بحری راستہ اس طرح مقرر تھا، بصرہ سے جزیرہ خارگ

۱؎ المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۵۶ لیڈن ۲؎ الاعلاق النفیسہ ص ۳۲۵ لیڈن ۳؎ کتاب الخراج ص ۲۵۰ لیڈن ۴؎ المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۵۵ و ۵۶ لیڈن ۵؎ الاعلاق ص ۹۵ ؛

۵۰ میل، جزیرہ لاوان ۴۲ میل، جزیرۂ ابرون ۲۱ میل، جزیرۂ خین ۲۱ میل، جزیرۂ
کیس ۲۱، جزیرہ ابن گاوان ۴۲، ہرمز ۴۲ میل، پھر یہاں سے تارا سات دن کا راستہ
ہے، اور یہ سندھ اور فارس کی حد ہے، پھر تارا سے دیبل ۸ دن، اور دیبل سے دہانۂ
سندھ دریا تک (سمندر میں) ۲ میل ہے، اس زمانہ میں کٹ، نیزہ اور بید کی تجارت خوب ہوتی[1]
دیبل کا مشک بھی اچھا ہوتا تھا، جو تبت سے آکر یہاں فروخت ہوتا، یہ دنیا میں چوتھے نمبر کا
مشک شمار کیا جاتا تھا، ملتانی مشک بھی مشہور تھا، وہ اگرچہ بڑا اور خوش رنگ ہوتا
مگر خوشبو کم ہوتی[2]،

بغداد سے منصورہ تک ڈاک کے مختلف راستے تھے، ان میں سے ایک آذربیجان
کے شہر ورثان سے برذعہ تک پڑاؤ، اور یہاں سے منصورہ ہم پڑاؤ تھا[3]، پندرہ دن کی
راہ ڈاکیہ صرف تین دن میں طے کرتا تھا، اس سے ڈاکیہ کی تیز رفتاری کا اندازہ لگایا جا سکتا
ہے[4]، یہ ڈاک گھوڑے پر جاتی تھی، اور جگہ جگہ اس کا تبادلہ ہوتا تھا، مرکزی مقام پر بڑی
تعداد میں گھوڑے تیار رکھے جاتے، تاکہ بوقت ضرورت فوراً ڈاکیہ کو مل سکے، اور مقام
مقصود پر پہنچنے میں ڈاکیہ کو دیر نہ ہو[5]،

اسماعیلی شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؒ کے بعد اسماعیل بن جعفرؒ
کو امام مانتا ہے، ملک شام میں سلمیہ ایک مقام ہے وہاں ان کے امام رہا کرتے تھے،
جو عباسیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام دور دراز مقامات میں اپنے داعی بھیجتے رہتے
تاکہ انقلاب کے لئے ملک کو آمادہ کریں، یہ داعی نہایت خاموشی اور رازداری سے ملک
میں کام کرتے، چنانچہ سندھ میں بھی عبد اللہ کے عہد ۲۷۰ھ میں اسماعیلیوں کے امام عبد اللہ

۱؎ کتاب البلدان ص ۳۲۶ لیڈن ۲؎ کتاب الخراج لقدامہ ص ۲۳۰ لیڈن ۳؎ ایضاً ص ۲۳۶ ۴؎ ۵؎ ایضاً ص ۲۴۹ ،

(عبید اللہ) المہدی نے ایک داعی روانہ کیا، اس کا نام ہیثم تھا، یہ سندھ کا پہلا داعی[1] ہے جس نے سندھ میں انقلابی تحریک جاری رکھی، اور پھر اس کے بعد یکے بادیگرے اور داعی بھی آتے رہے، یہاں تک کہ سو برس کے بعد ملک میں انقلاب پیدا کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی، اس کا بیان آگے مفصل طور پر آئے گا،

ربیع الثانی (یا جمادی الاولی) ۲۸۳ھ میں بغداد سے محمد بن ابی الشوارب پایۂ تخت منصورہ کے لئے قاضی منتخب کئے گئے، یہ بڑے اہل علم اور لائق لوگوں میں سے تھے، اگرچہ عرصہ تک یہ زندہ رہتے تو ملک کو بڑا فائدہ پہنچتا، لیکن عمر نے وفا نہیں کی، سندھ آنے کے چھ ماہ بعد شوال ۲۸۳ھ میں بمقام منصورہ انتقال کر گئے[2]، لیکن ان کی اولاد اسی جگہ رہ پڑی جیسا کہ آگے چل کر مسعودی کے بیان سے واضح ہوتا ہے،

تقریباً ۲۹۰ھ میں ابن رستہ نے اپنی کتاب میں ملتان کے متعلق مندرجہ ذیل حالات تحریر کئے ہیں،

ملتان وہ شہر ہے جہاں سے دریائے سندھ الگ ہو جاتا ہے، جو دریائے جہلم سے بڑا ہے، اور ملتان میں ایک خاندان رہتا ہے جس کا گمان ہے کہ وہ سامہ بن لوی کی شاخ بنو منبہ سے ہے، آج کل یہی خاندان ہندوستان (ملتان) پر حکمران ہے، یہ خلیفہ عباسی بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے،

ملتان سندھ کے منصورہ سے قریب ہے، اور اس ملتان میں ایک بت ہے جس کی بڑی آمدنی ہے، اس کی آمدنی اور تمام دوسرے مال بنو منبہ کی ملکیت میں ہے، ایک معتبر آدمی جو ان ملکوں میں سیاحت کر چکا ہے اس نے کہا کہ اس کی آمدنی بیشمار ہے،

[1] زہرۃ الافکار قلمی کتب خانہ سورت داعی ملا سیف الدین [2] الکامل جلد، ص ۴۴۳ لیڈن،

اور جب کبھی ہندو ان سے لڑنے کے لئے آتا ہے تو ملتان سے باہر نکل کر ان سے خوب جنگ کرتا ہے، اور اپنی فوجی طاقت سے ان کو شکست دیتا ہے[1] اور جن لوگوں نے اس بت کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ وہ بت انسانی شکل پر تقریباً بیس ہاتھ لمبا ہوگا، وہ ایک ایسے کمرہ میں ہے جس پر بہت بڑی چھت ہے، اور نہیں معلوم کہ اس کو کس نے بنایا، کہا جاتا ہے کہ دو ہزار سال قبل اس کی بنیاد پڑی تھی، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ بت آسمان سے اترا ہے، اور اس کے پوجنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اس کے خدمت گذار پجاری بھی ہیں، جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کا خرچ اس کی آمدنی سے چلتا ہے، اور یہ علاوہ ان وظیفوں کے ہے جو پجاریوں کو دئے جاتے ہیں، جن سے وہ کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں، اور تمام ہندو اس کا حج فرض سمجھتے ہیں، جب کوئی مالدار آدمی مرنے لگتا ہے تو اپنے نصف یا تمام مال اس کے نام وصیت کر جاتا ہے جس سے اس کا منشا بت کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اس بت کی زیارت کرنے کے لئے ایک ایک سال کے رستوں سے آتے ہیں، یہاں پہنچ کر وہ اپنے سر کو مونڈوا دیتے ہیں، اور بائیں طرف سے سات دفعہ طواف (چکر) کرتے ہیں، اور یہ سب حصولِ ثواب کے لئے کیا جاتا ہے، پھر اس کے آگے .... گردگرد آتے اور لوٹتے ہیں، اس بت کے چار منہ ہیں جس طرف گھوم جاؤ اس کا چہرہ تمہارے مقابل ہی ہوگا، کہتے ہیں کہ یہی خدا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے، اس کے مقابل کھڑا ہو جائے اور پیٹھ نہ دکھائے (تعظیم کے خیال سے) پھر تم جس طرف سے دیکھو وہ تمہارے سامنے ہی ہوگا، اور جب یہ لوگ اس کا طواف کرتے ہیں تو جب ایک رخ سے دوسرے رخ کی طرف جاتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں[2]،

[1] الاعلاق النفیسہ صفحہ ۱۳۵ لیڈن [2] ایضاً صفحہ ۱۳۶ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ وہ بت نہیں [illegible]

بعض ہندو اپنی آنکھیں نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ اے بھگوان! میں نے اس کے ذریعہ سے تیری خوشنودی حاصل کی ہے پس میری عمر طویل بنا، اور روزی میں اضافہ کر وغیرہ وغیرہ،

بعض ان لوگوں نے جنھوں نے بچشم خود دیکھا ہے مجھ سے بیان کیا کہ ہندو سرخ صندل کے دو کندے جو دو آدمی کا بوجھ ہوتا ہے، اپنے کندھوں پر لے کر ایک ایک سال کے راستہ سے آتے ہیں، اور ان کے لانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک کندا لے کر تقریباً ایک فرسخ (تین میل) جاتا ہے، اور وہاں اس کو رکھ کر پھر واپس اس مقام پر جاتا ہے، جہاں پہلا کندا رکھا تھا، اور اس کو لے کر وہاں آتا ہے جہاں دوسرا رکھا ہے، اس طریقہ سے ملتان تک کا راستہ وہ طے کرکے اس بت کے نذر کرتا ہے،

بعض ہندو اس خیال کے دیکھے کہ وہ اس بت سے اس پر فدا ہو جانے کی اجازت لیتے ہیں، (اور جب اس کو اجازت مل جاتی ہے، اور اس کا کوئی طریقہ برہمنوں نے نکالا ہوگا) تو وہ ایک لمبی لکڑی لے کر اس کا سرا نوکیلا اور خوب تیز بناتا ہے، تیاری کے بعد اسکو زمین میں گاڑ دیتا ہے، پھر اوپر جا کر اس پر اپنا پیٹ رکھ کر اس طرح دباتا ہے کہ وہ لکڑی اس کے دوسرے جانب سے نکل جاتی ہے، اور وہ مر جاتا ہے، اور یہ کام بت (یا دیوتا) کو محض خوش کرنے کے لئے کیا جاتا ہے،

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ بے شمار مال و دولت لا کر اس کے آگے ڈالتے ہیں اور بڑی عاجزی سے کہتے ہیں کہ اے خدا! اپنے غلام کے مال میں سے یہ ہدیہ قبول کر،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) بعد کے مسافروں نے ذکر کیا ہے، یہ بت خالص ہندوؤں کا ہے اس کو شیو کی مورتی بھی کہہ سکتے ہیں بخلاف اس بت کے جس کا ذکر ابن حوقل اور بشاری وغیرہ نے کیا ہے وہ غالباً گوتم بدھ کی مورتی ہے

اس قسم کے بتوں کے پجاری عورتوں کے پاس نہیں جاتے، نہ گوشت کھاتے ہیں، نہ کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں، نہ میلے کپڑے استعمال کرتے ہیں، جب وہ بتوں کے پاس جانے لگتے ہیں تو عطر میں بس کر جاتے ہیں، ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہ ان بتوں کو خوشبو لگا سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے، اور جب دوسرا کوئی اس کے پاس جاتا ہے تو اس کے سامنے دونوں گھٹنوں کے بل ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے کہ مجھ پر رحم کرے، اور عنایت کی نظر رکھے، پھر وہ کر بڑے خلوص سے اس کے لئے دعا کرتا ہے،

اس بت کے لئے ایک باورچی خانہ بھی ہے جہاں عمدہ سفید چاول اس کے لئے پکائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری قسم کی چیزیں مثلاً مچھلی، ساگ وغیرہ تیار کرکے خوشبو (مثلاً لوبان وغیرہ) کے ساتھ اس کے آگے اس طرح رکھا جاتا ہے، کہ کیلا کا بہت بڑا پتہ جس کا عرض اس قدر ہوتا ہے کہ ایک یا دو آدمی کو اس میں لپیٹ سکیں، اس کے آگے بچھا دیتے ہیں، پھر انسان کے نصف قد کے برابر چاول انڈیل دیتے ہیں، سب سے بڑا پجاری کیلے کا ایک پتہ لے کر بطور پنکھے کے اس کے آگے جھلتا ہے، یہاں تک کہ اس کے آبخرات بت کے منہ میں لگتے ہیں، اور اسی کو وہ لوگ اس کا کھانا سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ منہ اور ہاتھ سے نہیں کھاتا،

کھانے سے قبل چنگ، زنبور (یا جھانجھ) اور طبل بجاتے ہوئے اس کے گرد گھومتے ہیں، کبھی کبھی سو ستر لڑکیاں جن کو اسی کام کے لئے وظیفہ ملتا ہے، اس کام کو انجام دیتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ہم ناچ اور گا کر بت کو خوش کرتے ہیں، اس کے بعد وہ بت کھانا کھاتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس کے کھانے کے بعد بھی اس کے کھانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی (اور غالباً اسی لئے) کھاتے وقت دروازہ بند کر دیتے ہیں اور بعد فراغت دروازہ کھول کر

بعض ہندو اپنی آنکھیں نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں کہ اے بھگوان! میں نے اس کے ذریعہ سے تیری خوشنودی حاصل کی ہے پس میری عمر طویل بنا، اور روزی میں اضافہ کر وغیرہ وغیرہ،

بعض ان لوگوں نے جنھوں نے بچشم خود دیکھا ہے مجھ سے بیان کیا کہ ہندو سرخ صندل کے دو کندے جو دو آدمی کا بوجھ ہوتا ہے، اپنے کندھوں پر لے کر ایک ایک سال کے راستہ سے آتے ہیں، اور ان کے لانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک کندا لے کر تقریباً ایک فرسخ (تین میل) جاتا ہے، اور وہاں اس کو رکھ کر پھر واپس اس مقام پر جاتا ہے، جہاں پہلا کندا رکھا تھا، اور اس کو لے کر وہاں آتا ہے جہاں دوسرا رکھا ہے، اس طریقہ سے ملتان تک کا راستہ وہ طے کر کے اس بت کے نذر کرتا ہے،

بعض ہندو اس خیال کے دیکھے کہ وہ اس بت سے اس پر فدا ہو جانے کی اجازت لیتے ہیں، (اور جب اس کو اجازت مل جاتی ہے، اور اس کا کوئی طریقہ برہمنوں نے نکالا ہوگا) تو وہ ایک لمبی لکڑی لے کر اس کا سرا نوکیلا اور خوب تیز بناتا ہے، تیاری کے بعد اسکو زمین میں گاڑ دیتا ہے، پھر اوپر جا کر اس پر اپنا پیٹ رکھ کر اس طرح دباتا ہے کہ وہ لکڑی اس کے دوسرے جانب سے نکل جاتی ہے، اور وہ مر جاتا ہے، اور یہ کام بت (یا دیوتا) کو محض خوش کرنے کے لئے کیا جاتا ہے،

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ بے شمار مال و دولت لا کر اس کے آگے ڈالتے ہیں اور بڑی عاجزی سے کہتے ہیں کہ اے خدا! اپنے غلام کے مال میں سے یہ ہدیہ قبول کر،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بعد کے مسافروں نے ذکر کیا ہے، یہ بت خالص ہندوؤں کا ہے اس کو شیو کی مورتی (دیکھا) بھی کہتے ہیں بخلاف اس بت کے جس کا ذکر ابن حوقل اور بشاری وغیرہ نے کیا ہے وہ غالباً گوتم بدھ کی مورتی ہے۔

اس قسم کے بتوں کے پجاری عورتوں کے پاس نہیں جاتے، نہ گوشت کھاتے ہیں، نہ کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں، نہ میلے کپڑے استعمال کرتے ہیں، جب وہ بتوں کے پاس جانے لگتے ہیں تو عطر میں بس کر جاتے ہیں، ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہ ان بتوں کو خوشبو لگا سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے، اور جب دوسرا کوئی اس کے پاس جاتا ہے تو اس کے سامنے دونوں گھٹنوں کے بل ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے کہ مجھ پر رحم کرے، اور عنایت کی نظر رکھے، پھر وہ کر بڑے خلوص سے اس کے لئے دعا کرتا ہے،

اس بت کے لئے ایک باورچی خانہ بھی ہے جہاں عمدہ سفید چاول اس کے لئے پکائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری قسم کی چیزیں (مثلاً مچھلی، ساگ وغیرہ تیار کر کے خوشبو (مثلاً لوبان وغیرہ) کے ساتھ اس کے آگے اس طرح رکھا جاتا ہے، کہ کیلا کا بہت بڑا پتہ جس کا عرض اس قدر ہوتا ہے کہ ایک یا دو آدمی کو اس میں لپیٹ سکیں، اس کے آگے بچھا دیتے ہیں، پھر انسان کے نصف قد کے برابر چاول انڈیل دیتے ہیں، سب سے بڑا پجاری کیلے کا ایک پتہ لے کر بطور پنکھے کے اس کے آگے جھلتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ابخرات بت کے منہ میں لگتے ہیں، اور اسی کو وہ لوگ اس کا کھانا سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ منہ اور ہاتھ سے نہیں کھاتا،

کھانے سے قبل چنگ، زنبور (یا جھانجھ) اور طبل بجاتے ہوئے اس کے گرد گھومتے ہیں، کبھی کبھی سو سو لڑکیاں جن کو اسی کام کے لئے وظیفہ ملتا ہے، اس کام کو انجام دیتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ہم ناچ اور گا کر اس کو خوش کرتے ہیں، اس کے بعد وہ بت کھانا کھاتا ہے اور نظر آتا ہے کہ اس کے کھانے کے بعد بھی اس کے کھانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی (اور غالباً اسی لئے) کھانے کے وقت دروازہ بند کر دیتے ہیں اور بعد فراغت دروازہ کھول کر

کھانا وہاں سے اٹھا دیتے ہیں، اور اس کو اسی جگہ رکھ کر کہتے ہیں کہ بت نے اس کو خیرات کر دیا، جہاں بلا روک ٹوک ہر جاندار اس سے فائدہ اٹھا سکے، یہاں تک کہ پرندے اور کتے کو بھی اس سے نفع اٹھانے سے روکا نہیں جاتا، اسی طرح یہ کام ہر روز کیا جاتا ہے[1]، کبھی کبھی اس کو دودھ یا گھی سے غسل دیا جاتا ہے، اور لوگ اس کو تبرک سمجھ کر اٹھا لیتے ہیں، اور اپنے مریضوں کو اسی سے غسل دے کر شفا کی امید رکھتے ہیں[2]،

عمر بن عبداللہ ہباری

تقریباً ۳۰۳ھ میں یہ تخت نشین ہوا، اس کی کنیت ابوالمنذر تھی اور نام عمر بن عبداللہ، یہ اپنی موروثی سلطنت پر قابض ہو کر بڑا لائق نکلا، اس نے ملک میں امن و امان کے ساتھ بڑا رعب قائم کر لیا، بڑی شان و شوکت سے سلطنت کرتا تھا، اس کا ایک وزیر بھی تھا جس کا نام "ریاح" تھا، اور اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے، ارکین دولت میں سے ایک شخص "حمزہ" نامی بڑا با اثر غالباً امیر الامراء کے عہدہ پر فائز تھا[3]، یہ ایک عرب خاندان کا معزز شخص تھا، یہاں سادات کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی، عمر بن علی اور محمد بن علی کی طرف منسوب تھی، یہاں ایک قاضی بھی رہتا تھا، جو آل ابی الشوارب کے خاندان سے تھا، شاہی خاندان کے ساتھ اس خاندان کا بڑا تعلق تھا، کیونکہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناتے بھی ہوتے رہتے تھے،

وسعت سلطنت و آبادی

اس زمانہ میں منصورہ کی سلطنت نہ صرف بڑی ہو گئی تھی بلکہ سرسبزی

[1] راقم الحروف نے برہما اور مدراس کے مندروں میں ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا، لیکن چونکہ ہندوستان کی دولت کم ہو گئی ہے، اور افلاس زیادہ آ گیا ہے، اس لئے اس قدر بڑی مقدار میں چاول نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ تر لڈو اور پھل ہوتے ہیں۔ [2] الاعلاق النفیسہ ص ۱۴۷ لیڈن [3] سندھ میں جو لوگ حمزہ کی اولاد سے اپنے کو کہتے ہیں وہ اسی حمزہ کی اولاد ہیں، کیونکہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی اولاد ذکور رہتی ہی نہیں،

اور شادابی میں بھی کسی دوسرے صوبہ سے کم نہ تھی، اس سلطنت کے ماتحت اس وقت جو گاؤں آباد تھے ان کی تعداد تین لاکھ تھی[1]، کھیت، باغ اور گاؤں سب قریب قریب اور ایک دوسرے سے متصل تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلطنت کی زمین کام میں لائی گئی تھی، اس سے اس کی آبادی اور سرسبزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

فوجی طاقت

بادشاہ کی فوجی طاقت بھی اچھی تھی، اور غالباً اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی سلطنت کو دوسرے ممالک فتح کر کے وسعت دی، چنانچہ الور (ارور) کی ریاست جو اس کے باپ کے عہد میں ایک آزاد ہندو راجہ کے ماتحت تھی وہ اب منصورہ کے ماتحت ہو گئی تھی، جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ملتان اور منصورہ کے درمیان الور ہے جو ملک منصورہ کے پرگنوں میں داخل ہے،

بادشاہ کے دشمنوں میں سے زیادہ تر "مید" لوگوں سے جنگ رہا کرتی تھی، یہ قدیم آرین قوم تھی جو وادیٔ سندھ میں آباد ہو گئی تھی، بڑی جنگجو اور وحشی تھی، مسلمانوں کے پہلے ان کے حریف جاٹ تھے، مگر اب یہ قوم زیادہ تر مسلمانوں ہی سے برسر پرخاش رہا کرتی تھی، منصورہ کے حاکم کے پاس اس وقت پانچ ہزار سوار، اسّی جنگی ہاتھی، اور چالیس ہزار پیادہ فوج تھی، ان میں سے دو ہاتھی جو سدھائے ہوئے تھے تمام ہندوستان میں بڑے مشہور تھے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی کے باعث سب میں ممتاز تھے، ان میں سے ایک کا نام

[1] بظاہر یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس زمانہ میں ممکن ہے کہ گاؤں اس طرح آباد کئے جاتے ہوں جیسے برما یا انگلستان میں ہوتے ہیں جن کو غالباً "کاٹج" کہتے ہیں، یعنی ہر ایک زمیندار اپنی زمین کے بیچ میں مع اپنے خاندان کے رہتا ہے اور اس کے ارد گرد اس کی کاشتکاری ہوتی ہے، اس طرح تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہوتے چلے جاتے ہیں،

"منفر قلس" اور دوسرے کا حیدرہ تھا، منفر قلس کے متعلق عجیب عجیب قصے مشہور تھے، منجملہ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ ایک دفعہ اس کا فیلبان (مہاوت) مر گیا تو اس نے تین دن تک کھانا نہ کھایا اور برابر روتا رہا، اور ایسی ہی غمگین آواز اس کے منہ سے نکلتی رہی جیسے غمگین انسان کے منہ سے رنج والم کے وقت نکلتی ہے۔

ایک واقعہ اور بھی اس کا بہت مشہور ہے، کہ ایک دن تمام جنگی ہاتھی فیل خانہ سے نکلے اور اس ترتیب سے چلے کہ سب سے آگے منفر قلس، اس کے بعد حیدرہ تھا، اور باقی اس کے پیچھے پیچھے منصورہ کی ایک تنگ سڑک پر جا رہے تھے، ایک عورت بھی اس سڑک پر کھڑی تھی جس کو ہاتھی کے متعلق کوئی علم نہ تھا، اچانک ان کو دیکھ کر وہ اس قدر گھبرائی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑی، اس پریشانی میں وہ برہنہ ہو گئی، منفر قلس نے جب یہ دیکھا تو وہ سڑک کے عرض میں آڑے ہو کر کھڑا ہو گیا، اور کسی کو آگے آنے نہ دیا، پھر اپنی سونڈ سے اس کے کپڑے درست کئے اور ستر پوشی کی، دیر کے بعد جب عورت کو ہوش ہوا تو وہ اٹھ کر بھاگی، اور منفر قلس اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا،

مسعودی لکھتا ہے کہ اس ملک میں ہاتھیوں سے لڑائی کے سوا دوسرے کام بھی لیتے ہیں، مثلاً رتھ کھینچنے، بوجھ اٹھانے اور غلہ نکالنے کے لئے (دماہی) کام میں لاتے ہیں،

طریقۂ جنگ | اس وقت لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ جنگی ہاتھی جن کی سونڈوں پر ایک قسم کی خمدار تلواریں جو اس ملک میں کرزل کہلاتی تھیں، چڑھی ہوتیں، اور تمام جسم پر بھاری زرہیں پڑی رہتیں، وہ آگے آگے ہوتے اور ان کے ساتھ ہر ہاتھی کے گرد پانچسو پیادے ہوتے جو ہاتھی کو دشمنوں سے بچاتے، ہاتھی حملہ کر کے سوار اور پیادہ کی صفوں کو منتشر کر دیتا پھر سوار بھی حملہ میں شریک ہو جاتے[1]

---

[1] مروج الذہب مسعودی ص ۳۷۴ تا ص ۳۸۰ جلد اول لیڈن؛

زبان اور سکہ | اس وقت منصورہ میں دیسی عوام سندھی زبان بولتے تھے، مگر حکمران طبقہ اور خواص عربی اور سندھی دونوں سے واقفیت رکھتے تھے، یہاں کا سکہ گو خود اپنا بھی تھا، مگر تجارتی آسانی کے خیال سے گندھاری (قندھاری) اور طاطری (سماٹرا کا) سکہ بھی خوب رواج تھا، جیسا کہ آج انگریزی پونڈ کا رواج ہر ملک میں ہے، عمر بن عبد اللہ والی منصورہ کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام محمد تھا اور دوسرے کا علی،

تجارت | اس عہد میں بھی تجارت کو کافی فروغ تھا، ملک کے اطراف سے تاجر مال لا کر بندرگاہ میں جہازوں پر لادتے، غیر ملکی تاجر یہاں سے لے کر غیر ممالک میں فروخت کرتے، سمندر (بندرگاہ) تک لے جانے کا مختلف طریقہ تھا، مثلاً اونٹ یا بیل پر لاد کرلے جاتے یا کشتیوں کے ذریعہ بندرگاہ تک پہنچاتے، اس کے علاوہ ایک طریقہ یہ تھا کہ قسط ہندی (کٹ)[1] یا دیگر سامان کو دریا میں ڈال دیتے، بس اس کے مد کے وقت شمال جانب اور جزر کے وقت جنوب جانب مال جلد از جلد پہنچ جاتا، چنانچہ تیسری صدی کا ایک شخص اپنا عینی مشاہدہ لکھتا ہے کہ چھوٹے کشمیر[2] والے تاجر قسط ہندی (کٹ) کو ٹاٹ کے بوروں میں رکھ دیتے ہیں، اور اس میں سات سو آٹھ سو من کے قریب سما جاتا ہے، پھر اس کو چمڑے کے ڈبہ میں رکھ کر دیا چمڑہ سے اوپر) سی دیتے ہیں، پھر چمڑہ پر روغن قار ملتے ہیں جس سے پانی اندر نہیں جا سکتا ہے، اس کے بعد ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح باندھ دیتے

---

[1] مخزن الادویہ ص ۲۹۷ لفظ قسط .... [2] بڑے کشمیر سے مراد وہ خطہ ہے جو تبت اور افغانستان کے درمیان ہے، اور اس کی حد جانب شمال کوہ پامیر پر ختم ہوتی ہے، اور چھوٹے کشمیر سے مراد بعض لوگوں نے پنجاب لیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے مراد مقام کشمور ہے، یہ آجکل ضلع جیکب آباد میں دریائے سندھ کے ساحل پر آباد ہے، لفظی مشابہت کے علاوہ آج یہاں بھی چمڑے اور لکڑی کے صندوق کی صنعت موجود ہے، (جغرافیہ سندھ)

ہین، پھر اسی پر سوار ہو جاتے ہین، اور یہ دریاے سندھ مین تیرتا ہوا منصورہ جا لگتا ہے، جو کشمیر سے ستر دن کا راستہ خشکی سے ہے، مگر یہ چالیس ہی دن مین پہنچ جاتا ہے[1]،

کنوج | اسی زمانہ مین ملتان کی سرحد سے متصل قنوج (کنوج) کی سلطنت تھی، وہان کے راجہ کا خطاب "بؤورہ" تھا[2]، اور اسی کے نام سے ایک شہر بھی سرحد پر آباد کیا گیا تھا، اسی کے ساتھ پانچ دریاؤن مین سے ایک دریا جاری ہے، جو آگے چل کر سندھ مین مل گیا ہے، (غالباً یہ ستلج ہوگا) اس ریاست کا رقبہ ۱۲۰ سندھی فرسخ ہے، اور سندھی فرسخ آٹھ میل کا ہوتا ہے، اس حساب سے اس کا کل رقبہ ۹۶۰ مربع میل ہوا[3]، یہ سلطنت محمد بن قاسم کے وقت بھی موجود تھی، مگر وہ اس کو فتح نہ کرنے پایا تھا کہ واپس بلا لیا گیا، غالباً یہ ایک راجپوت ہندوؤن کی سلطنت تھی، جو عرصہ سے قائم تھی، دوسری صدی سے لے کر غزنوی عہد تک یہ سلطنت خودمختار رہی، اس عرصہ مین کبھی مسلمانون کے ماتحت ہوگئی ؟ کسی اسلامی تاریخ سے اس کا پتہ نہیں لگتا، البتہ ۳۰۳ھ مین اس ریاست کا سرحدی شہر بھوج راے نامی اسلامی ممالک مین داخل ہوگیا، اور ملتان کی سلطنت کے ساتھ اس کا الحاق تھا، جیسا کہ مسعودی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے،

اس کے بعد مسعودی لکھتا ہے کہ "قنوج کے راجہ کے پاس چار لشکر ہے، ہر لشکر مین سات لاکھ یا نو لاکھ سپاہی ہین، ایک لشکر سے شمال کی طرف ملتان والون سے لڑتا ہے، اور دوسرے سے جنوب طرف بلہب راے مانکیر (دکن) کے ساتھ جنگ آزمائی کرتا ہے، اسی طرح اپنے ملک کے چارون طرف ایک ایک لشکر سے کام لیتا رہتا ہے، اس کی مملکت بڑی وسیع ہے، اس کے شہرون اور گاؤن کی تعداد ۸ لاکھ دس ہزار ہے، اس کا ملک بڑا

---

[1] عجائب الہند ص ۱۰۳، ایدن [2] یہ صحیح نہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا [3] مسعودی جلد اول صفحہ ۳۷۲ و صفحہ ۳۷۳،

آباد ہے، البتہ اس کے پاس ہاتھی کم ہین[1]،

درحقیقت مسعودی کو اس معاملہ مین غلط فہمی ہوگئی ہے، اس نے قنوج اور بھوج راے نامی شہر کو ایک کر دیا ہے، اصل یہ ہے کہ ایک شہر قنوج کے ماتحت سرحد سندھ پر تھا، اور دوسرا ہندوستان مین، ہندوستان کا قنوج جو آج بھی گنگا کنارے موجود ہے، وہ اس وقت ہندوستان کا پایہ تخت تھا، اور راجپوت اس پر قابض تھے، مسعودی کے آنے سے کچھ پہلے راجہ بھوج تخت نشین تھا، معلوم ہوتا ہے کہ عربون نے اسی کے نام کو معرب کر کے "بؤورہ" کر دیا ہے، جو دراصل "بھوج راے" ہے، یہ بڑا اہل قنور اور شان و شوکت کا راجہ گذرا ہے، سیاسی اعتبار سے بھی بڑا ہوشیار تھا، جنوبی ہندوستان کے اہل قنور خاندان راشٹ کوٹ سے اکثر ان کی جنگ رہتی، اس سندھ کے متصل بھوج راے نامی شہر کے راجہ کے پاس اگر مسعودی کے بیان کردہ فوج کا ایک حصہ بھی ہوتا تو پھر یہ ریاست ملتان کے مسلمان بادشاہون کے ماتحت نہیں ہو سکتی تھی،

قندھار | اس زمانہ مین ایک اور ریاست قندھار کی تھی، گو اس ملک کا شمار سندھ مین ہوتا تھا، مگر اس کا حاکم ایک غیر مسلم راجہ تھا، اس کے متصل پہاڑ کا نام رحج ہے اور اسی ملک سے ہو کر ایک دریا جاری ہے، جو سندھ مین جا کر مل گیا ہے، اور سندھ کے پانچ معاونون مین سے ایک یہ بھی ہے جس کا نام رائذ ہے[2]، (جسے آجکل روب کہا جاتا ہے) اور قندھار کو راجپوتون کا ملک کہتے ہین، ایک اور دریا سندھ کے ملک مین ہو کر وہان کے پہاڑون سے نکلتا ہے، اس کو "بہاٹل" کہتے ہین، وہ راجپوتون کے ملک یعنی قندھار کو سیراب کرتا ہوا سندھ کے دریا مین گر جاتا ہے،

---

[1] مسعودی ۳۸۲ [2] ایلیٹ [3] یہ ڈیرہ اسمٰعیل کے پاس سندھ دریا مین ملتا ہے، اور دوسرا ڈیرہ غازی [illegible] جا کر گرتا ہے،

قندھار مسلمان عربوں نے سنہ ۵۹ھ میں فتح کر لیا تھا، اور عرصہ تک ان کے قبضہ میں رہا، معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی کے زمانہ میں راجپوتوں نے عربوں سے واپس لے لیا (بلاذری صفحہ ۴۴۴ لیڈن)

ایک چوتھی ندی اور ہے جو کابل کے پہاڑوں سے نکل کر دریائے سندھ میں ملتی ہے، اور پانچویں ندی کشمیر سے نکل کر دریائے سندھ میں گرتی ہے، یہ کشمیر ممالک سندھ میں داخل ہے،[1]

یہاں بھی مورخ مسعودی کو غلط فہمی ہوئی ہے، اس نے مندرجہ بالا پانچ دریاؤں کو سندھ کا مشہور معاون سمجھا ہے، حالانکہ اس عہد میں سندھ کے مشہور مشرقی معاون یہ تھے: جہلم، ستلج، راوی، چناب، بیاس (دریائے گھگھر یا ہکرہ) ان میں سے آخر الذکر دریا اب خشک ہو گیا، اور مغربی معاون دریائے غازی خاں، ژوب اور دریائے کابل میں، کشمیر سے کوئی معاون نہیں بلکہ خود دریائے سندھ نکلتا ہے، جو کشمیر کی حد تک دریائے کشمیر اور سرحدی صوبہ میں دریائے اٹک کے نام سے مشہور ہے، اور آگے چل کر اسی کو دریائے سندھ کہتے ہیں، کشمیر اس وقت سندھ میں داخل تھا، اس کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی، میرا خیال ہے کہ یا تو زیریں کشمیر کا کچھ حصہ ملتان والوں کے قبضہ میں ہوگا، یا مقام کشمر دیا کشمور، جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اسی کو مورخ مذکور نے بڑا کشمیر سمجھا ہو جس طرح کہ اس سے قبل مورخ مذکور نے قنوج اور بھوج رائے شہر کو ایک سمجھا،

ونسنٹ اے اسمتھ صاحب نے "دی ارلی ہسٹری آف انڈیا" میں لکھا ہے[2] کہ ۸۷۰ھ میں مسلمانوں نے کابل فتح کر لیا (غالباً یعقوب بن لیث صفاری کے عہد میں) تو وہاں کے راجہ نے قندھار کے ضلع میں آکر مقام وہیند کو اپنا پایہ تخت بنایا، جو آہستہ آہستہ بڑا شہر ہو گیا، چنانچہ بیرونی کے عہد تک یہ قندھار کا پایہ تخت رہا،[3]

---

[1] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۰۶ لیدن [2] تقویم البلدان جلد اول صفحہ ۲۷۵ [3] تقویم البلدان ص ۳۵۰ پیرس
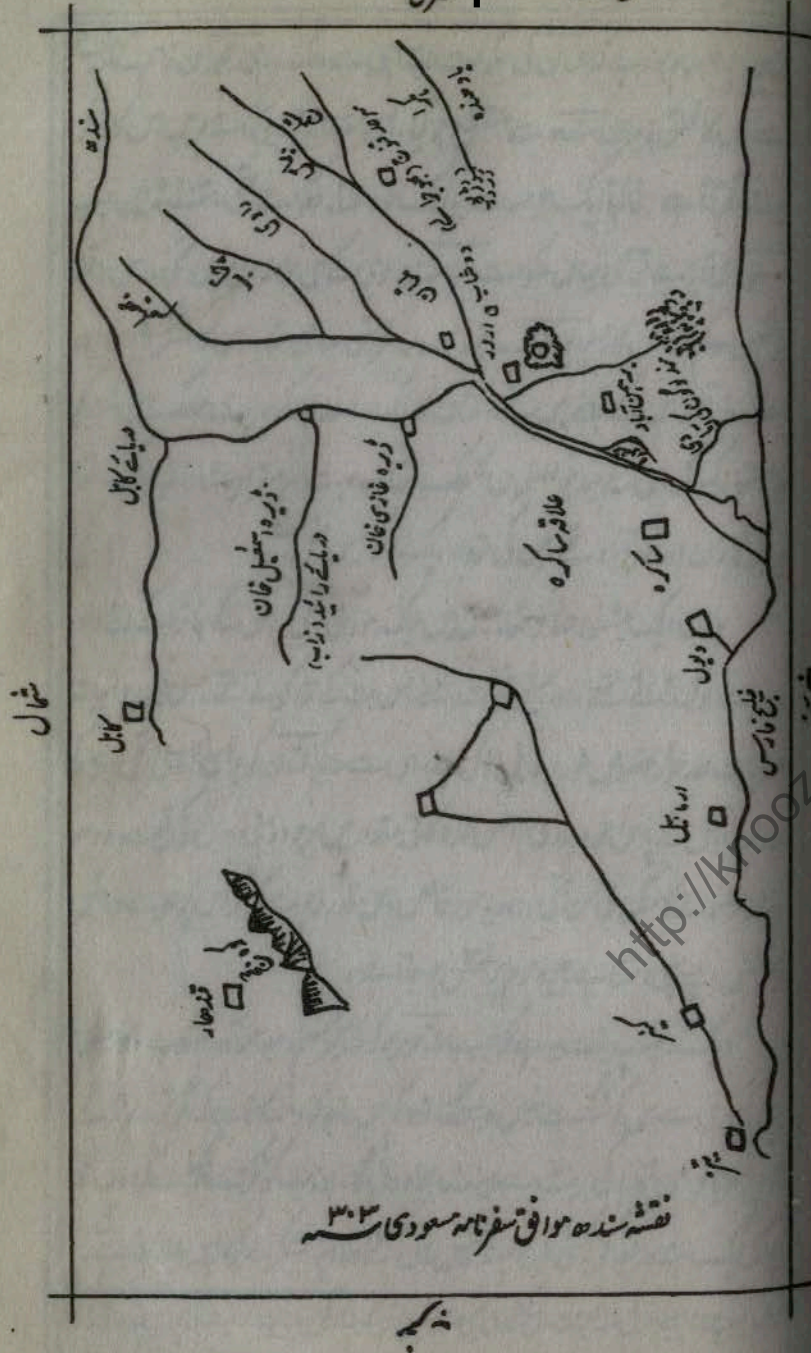
ملتان معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی حکومت ابتدا ہی سے الگ رہی محمد بن قاسم کے بعد سے اس کا تعلق زیریں سندھ سے منقطع ہوگیا، اسی سبب سے تاریخ اسلام میں اس کا ذکر بہت کم آتا ہے، غالباً ایک عرصہ سے یہ ایک خود مختار حکومت تھی، ۳۰۳ھ میں جب مسعودی آیا ہے تو بھی یہاں حکومت سامہ بن لوی کے ہی خاندان میں تھی، اس وقت جو شخص حاکم تھا اس کا نام ابواللباب منبہ بن اسد قریشی سامی تھا، اس کا لشکر بڑا تھا اور مضبوط قلعے اس کے قبضے میں تھے، ملتان کا ملک اسلام کے سرحدی ممالک میں شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ اس کے بعد غیر مسلموں کا ملک تھا، یہ بہت سرسبز اور شاداب ملک تھا، ہر جگہ گاؤں اور شہر آباد تھے، جن کی تعداد ایک لاکھ بیس تھی،[۱]

یہاں ایک مشہور مندر تھا، جس میں ایک مورتی تھی، اس کے جاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، اور بیش قیمت تحفے اس بت کے نذر کرتے تھے، جس میں جواہرات عطریات اور عود مخصوص طور پر قابل ذکر ہے، اس سے حاکم ملتان کو بڑی آمدنی تھی، اسی کی بدولت اس کے پاس عود ہندی خالص عمدہ کافی مقدار میں موجود رہتی، اس کی قیمت دو سو دینار (سونے کا سکہ) فی من تھی، اور یہ عود خالص اس قدر نرم ہے کہ اگر اس پر مہر سے دبائیں تو نقش ایسے ہی اٹھتا ہے جیسے موم پر نقش ہو جاتا ہے،

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ملتان پر کوئی غیر مسلم راجہ حملہ آور ہوتا ہے، اور مسلمان اپنی کمزوری سے اس کو شکست نہیں دے سکتے، تو حاکم اس راجہ کو دھمکاتا ہے کہ اگر تم نے آگے قدم بڑھایا تو اس بتخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، اور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا، چونکہ ایک ہندو راجہ کو یہ کسی طرح پسند نہیں اس لئے وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جاتا ہے،[۲]

۱؎ مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۷ لیڈن، اس کا ذکر بھی منقول ہے، ترکیب ... زمیندار کا کنبہ جو بنی زمین پر آباد تھا وہ

۲؎ ایضاً،

اور در اصل یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ابتداء سے یہ ریاست چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری تھی پھر بھی عرصۂ دراز تک اپنی ہستی کو قائم رکھ سکی،

ملتان سے منصورہ تک جانے میں تین دن کے راستہ پر مقام "دو شاب" ملے گا، پھر اروڑ، اسی جگہ سے دریائے سندھ کہلاتا ہے، جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر شہر شاکرہ سے ہوتے ہوئے جو منصورہ کے پرگنہ میں داخل ہے، ... سمندر میں گرتا ہے" اور یہ دیبل سے دو دن کے فاصلہ پر ہے، اور ملتان سے منصورہ ۷۵ سندھی فرسخ ہے، (ہر فرسخ ۸ میل کا) اس حساب سے کل ۶۰۰ میل ہوئے،

مسعودی کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سندھ اور اس کے اطراف میں دو مسلم اور دو غیر مسلم کی ریاستیں تھیں، مکران سے لے کر اروڑ تک مسلمانوں کے قبضہ میں، اور قندھار یعنی دریائے سندھ کے شمال مغرب کا علاقہ راجپوتوں کے ہاتھ میں تھا، اور قنوج کے علاقہ پر بھی غیر مسلم قبضہ تھا،

مسعودی کے تقریباً تیس برس کے گذرنے پر ۳۳۱ھ کے بعد ابن مہلہل سندھ آیا ہے ملتان کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "ملتان ایک بڑا شہر ہے جس میں فصیل بھی ہے، وہاں لوگ (ہندو) اسی طرح حج کرنے جاتے ہیں جیسا کہ ہم مکہ میں، وہاں اسلامی سلطنت ہے اور غیر مسلم ان کے ماتحت ہیں، وہاں ایک بڑا قبہ ہے، اور اسی کے نزدیک مسلمانوں کی جامع مسجد ہے، عام طور پر لوگ شریعت کے تابع ہیں، اور دینی امور پر عمل کرتے ہیں،

وہ قبہ ۲ سو ہاتھ بلند اور تیس ہاتھ لمبا ہے، قبہ کے ارد گرد خدام پجاریوں کے مکان ہیں، شہر ملتان میں غیر مسلم (ہندو) بجز اس قصر کے کسی دوسری جگہ نہیں رہتا، اور وہ انسانی شکل کا کرسی (یعنی بلندی) پر چار زانو بیٹھا ہے، اس کے دونوں ہاتھ زانو پر ہیں، اور سر پر سونے

تاج ہے، آنکھوں میں دو لعل ہیں، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ لکڑی کا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کسی اور چیز کا ہے، سوائے دونوں آنکھوں کے باقی تمام بدن کو سرخ چمڑے جیسا لباس پہنا رکھا ہے، اور انگلیاں اس طرح ہیں جیسا حساب کرنے والا ہتھیلی میں جمع کر لیتا ہے،

ملتان کا بادشاہ اس بت کو طمع سے نہیں توڑتا، کیونکہ جو نذرانہ آتا ہے اس میں سے خدام کو صرف تھوڑی رقم دی جاتی ہے، ہندو راجہ جب ملتان کا قصد کرتا ہے تو مسلمان اس بت کو باہر نکال کر توڑنے کا قصد کرتے ہیں، اور جلانے کی دھمکی دیتے ہیں، ہندو راجہ اس سے ڈر کر بغیر تعارض واپس چلا جاتا ہے، (اور پھر بھی کوئی نہیں مانتا تو لڑ کر اس کو شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا جس کا پتہ ذیل کے پتہ سے ہوتا ہے،

اور ملتان ہی کے نام سے منسوب ہے، ہارون بن عبداللہ ملتانی بنی ازد کا مولی تھا جو بڑا بہادر اور شاعر تھا، جب ہندو ملتان کے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تو ان کے ساتھ جنگی ہاتھی بھی تھے، جب لڑائی شروع ہوئی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ہاتھی کے سامنے جائے، کیونکہ اس کے سونڈ میں تلوار بندھی تھی، اور وہ ہر طرف گھما کر لوگوں پر وار کر رہا تھا، یہ دیکھ کر ہارون نے جلدی سے ایک جست کی اور قبل اس کے کہ اس کی تلوار اس پر پڑے، وہ اس کے سینے سے جا کر چمٹ گیا پھر اپنے دونوں پیر لٹکا دئے، فیلبان نے ہاتھی کو اس طرح پھیرا کہ قریب تھا کہ سونڈ سے ہارون کو نقصان پہنچے، لیکن ہارون بڑے مضبوط دل کا آدمی تھا، موقع ملتے ہی اس نے اس کے دانت پکڑ لئے اور زور سے کھینچا تو اکھڑ آیا، دانت تو ہارون کے ہاتھ میں رہ گیا اور ہاتھی بھاگا، اس کے بھاگتے ہی سارا لشکر بھاگ پڑا، اور اس طرح مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، فخریہ طور پر اس نے چند اشعار بھی کہے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے :-

مشیت الیہ وادعا متھما وقد فی صلوا خرطوھم محاھ[1]

منصورہ کے متعلق لکھتا ہے کہ زیرین سندھ کا مشہور شہر بہت ہی خیر و برکت والا[2]

اس کو منصور ثانی (خلفاے عباسی) نے آباد کیا، (یہ کسی طرح صحیح نہیں، اس کی بنیاد محمد

ابن قاسم فاتح سندھ کے لڑکے عمر بن محمد بن قاسم نے بنو امیہ کے زمانہ میں رکھی) یہ ملک کا

پایہ تخت ہے، حاکم اسی جگہ قیام کرتے ہیں، وہاں ایک ندی ہے، جو دریاے سندھ سے

الگ ہو کر شہر کے چاروں طرف گھومتی ہے جس سے اس کی شکل جزیرہ کی ہو گئی ہے لیکن

یہاں بڑی گرمی پڑتی ہے، مچھر بھی بکثرت ہیں،

یہاں دو پھل ہوتے ہیں، ایک کا نام لیمون ہے، جو سیب کے برابر ہوتا ہے، دوسرا آم

شفتالو کے مثل ہے، یہاں کا دریاے سندھ دجلہ بلکہ اس سے زیادہ پاٹ رکھتا ہے، مشرق

سے جنوب کی طرف جا کر مغرب کو گھوم کر بحرِ عرب سے جا ملتا ہے[2]،

۳۴۰ھ میں سندھ کے حالات ذرا زیادہ وضاحت سے معلوم ہوتے ہیں، اس وقت

سندھ کے حدود یہ تھے۔ جنوب مغرب میں بحر فارس کا شہر "کلمہ" مغرب میں کرمان، اور صوبہ

سجستان، شمال میں ہندوستان کا علاقہ، جنوب میں مکران کا ریگستان اور بلوچستان،

اور اس کے پیچھے بحرِ فارس، مشرق میں راجپوتانہ جس کو اس عہد میں "ہند" کہتے تھے،

چونکہ مکران کا علاقہ اکثر سندھ کے والیوں (حاکموں) کے ماتحت رہا ہے، اس لئے

اکثر مورخین اور سیاح سندھ کے ساتھ اس کا تذکرہ کر دیتے ہیں، چنانچہ اس عہد کے سیاح ابو اسحاق

اصطخری نے اس طرح ذکر کیا ہے، کہ صوبہ مکران کے مشہور شہر تیز، کیز، پنجبور، دوک اور

راسک ہیں، اور اس کے علاوہ اور دوسرے شہر بھی ہیں، مثلاً بہ، بند، قصر قند، صفقہ،

---

[1] سفر نامہ ابودلف مشعر بن مہلہل بحوالہ سیر البلاد (اقلیم دوم) قلمی کتب خانہ راجہ سلیم پور (لکھنؤ) [2] ایضاً

جبل پورہ، مشکی، قیقنان، ارمائیل، اس صوبہ کا پایہ تخت پنجپور تھا، جہاں حاکم رہتا، مگر

آجکل کیز (کیچ) میں رہتا ہے، اور اس کی مشہور بندرگاہ شہر تیز ہے،

طوران — اس کے بعد سندھ سے متصل ایک اور صوبہ تھا، جس کو اس زمانہ میں طوران کہتے

تھے، اس کے متعلق مشہور شہر محالی، کیز کانان (قیقان)[1] سورہ اور قصدار ہے، یہی قصدار یا

(قزدار) اس کا پایہ تخت تھا، اسی کے ساتھ وہ علاقہ تھا جس کو "بدھ" کہتے تھے، پایہ تخت قصدار

کے آس پاس گاؤں اور شہر ہیں، اور آج کل یہاں کا حاکم معیر بن احمد ہے جو کیز کانان میں رہتا

ہے، یہ ایک شاداب اور وسیع قطعہ ہے، جہاں ارزانی خوب ہے، انگور، انار اور دوسرے

میوے ہوتے ہیں، لیکن کھجور نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سندھ کا صوبہ تھا، جس کا پایہ تخت منصورہ تھا، اور اس کے مشہور شہر

دیبل، نیرون، قالری، انری، بلری، مسواہی، بہرج، بانیہ، منجابری (منہابوری) سدوستان

اور رور ہیں، اسی سے متصل ملتان اپنے صوبہ کا پایہ تخت ہے، جندرور اور بسمد اس کے شہر ہیں،

شہر منصورہ طول و عرض میں میل در میل ہے، اس کو دریاے سندھ کی ایک شاخ گھیرے

ہوئے ہے، جس سے ایک جزیرہ نما کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے، یہاں آبادی مسلمانوں کی ہے،

اور یہاں کا حاکم ایک قریشی ہے، جو ہبار بن اسود کے خاندان سے ہے، جس کے بزرگوں نے

سندھ پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن خطبہ ابھی تک خلیفۂ بغدادی کے نام کا پڑھتا ہے

منصورہ سندھ — منصورہ ایک گرم شہر ہے، جہاں کھجور کے درخت ہیں، لیکن انگور، سیب، امرود

---

[1] کیز کانان کو کیکانان بھی کہتے تھے، عربوں نے اس کو قیقان بنا دیا، آج کل اس کو قلات کہتے ہیں جو بلوچستان

کے خان قلات کا پایہ تخت ہے، اسی طرح قزدار (قصدار یا قصدار) بلوچستان میں واقع ہے، آج کل ایک

چھوٹا سا گاؤں ہے۔ (خلافت مشرقی ص ۳۰۵ حیدر آباد (مجلۃ طلبہ کابل)

شفتالو نہیں ہوتے، البتہ نیشکر (گنا) ہوتا ہے، یہاں سیب کے برابر ایک پھل ہوتا ہے جس کو لیموں کہتے ہیں، بڑا ترش ہوتا ہے، شفتالو کے برابر ایک اور پھل ہوتا ہے جس کو آم کہتے ہیں، جو قریب قریب اسی کے مزہ میں ہوتا ہے، یہ پھل بڑے ارزاں ہوتے ہیں، یہ شہر بڑا شاداب ہے،

سکہ و لباس | . . . . . سکوں میں "قاہریات" کا رواج زیادہ ہے، جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے، خود ان کا اپنا سکہ بھی ہے جس کو "طاطری" کہتے ہیں، ایک طاطری کا وزن ۱ ۲/۳ درہم ہے، لین دین دینار (سونے کا سکہ) سے بھی کرتے ہیں، ان کا لباس عراقیوں کے مثل ہے لیکن بادشاہوں کا لباس ہندوستانی راجوں کی طرح کرتہ اور ازار ہوتا ہے،

ملتان | ملتان کا شہر منصورہ سے چھوٹا نصف میل کا ہے، یہاں ایک مورتی ہے جس کی ہندو بہت عزت کرتے ہیں، اور دور دور کے شہروں سے لوگ یہاں جاترا کی نیت سے آتے ہیں اور ہر سال اس پر ثواب کے خیال سے چڑھاوا (نذرانہ) چڑھاتے ہیں، جس سے مندر اور پجاریوں کا خرچ چلتا ہے، اور اس شہر کا نام ملتان اسی بت کے سبب سے رکھا گیا ہے،

یہ مندر ملتان کے پر رونق بازار میں ہے جو ٹھٹھیروں اور ہاتھی دانت والے بازار کے درمیان واقع ہے، یہ مندر بڑے محل کے وسط میں ہے، اس پر ایک قبہ ہے، اور اسی قبہ میں بت (مورتی) ہے، اور اس کے اردگرد پجاریوں کے مکانات ہیں، اس مورتی کی صورت انسانی شکل کی ہے، جو پالتی مارے کرسی پر بیٹھی ہے، یہ کرسی اینٹ اور گچ کی ہے، اس کا لباس سرخ چمڑے کا ہے، جس سے اس کا تمام بدن بجز آنکھوں کے ڈھکا ہوا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مورتی لکڑی کی ہے، اور بعض لوگ کچھ اور کہتے ہیں، کیونکہ کبھی اس کا بدن ننگا نہیں کیا جاتا، اس کی آنکھوں میں دو ہیرے (یاقوت) ہیں، اور اس کے سر پر سونے کا تاج ہے، مجسمہ پالتی مارے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنے کی طرف لمبا کئے ہوئے ہے،

اور انگلیاں اس طرح سے ہیں کہ گویا وہ حساب کر رہا ہے، لوگ جو کچھ نذر کے طور پر اس مورتی کے لئے بھیجتے ہیں اس کو ملتان کا حاکم لے لیتا ہے، اور ان کے پجاریوں پر اپنے زیر اہتمام خرچ کرتا ہے، ہندو راجوں میں سے جب کوئی ملتان پر چڑھائی کرتا ہے تو حاکم ملتان اس بت کو باہر نکالتا ہے، اور اس کو توڑ کر جلا ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے، وہ اس ڈر سے واپس چلا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو کب کا ملتان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا ہوتا؛

ملتان کے گرد بلند فصیلیں ہیں یہ بڑا زرخیز ملک ہے، لیکن منصورہ اس سے زیادہ شاداب اور آباد شہر ہے، ملتان کا نام "فرج بیت الذہب" بھی ہے، کیونکہ ابتدا میں جب مسلمانوں نے اس کو فتح کیا تو اس وقت ان کی مالی حالت بہت خراب تھی، فتح کے بعد ان کو کافی مقدار میں سونا دستیاب ہو گیا جس سے ان کی حالت درست ہو گئی،

ملتان سے ۱ ۱/۲ میل پر ایک اور شہر آباد ہے، جس کو جندر کہتے ہیں، یہ درحقیقت امیر ملتان کی چھاؤنی ہے، وہ اسی جگہ رہتا ہے، صرف جمعہ کی نماز پڑھنے ہاتھی پر سوار ہو کر ملتان جاتا ہے، یہ امیر قریشی ہے، جو سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے، اس نے ملتان پر قبضہ کر لیا ہے، امیر منصورہ کا مطیع نہیں ہے، بلکہ خود مختار ہے، البتہ خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے، لوگ کنوئیں سے پانی پیتے ہیں،

بسمد ایک چھوٹا سا شاداب شہر ہے، اور یہ سب سندھ دریا کے مشرقی جانب تقریباً تین میل دور واقع ہیں، پانی کنوئیں کا پیتے ہیں،

الور (الرور) کا شہر حدود منصورہ میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے، یہ ملتان کے برابر ہے، اور اس کے گرد دو فصیلیں ہیں۔

دیبل (دیول) سندھ کا بڑا بندر اور تجارتی مرکز ہے، سمندر کے پاس دریائے سندھ کے

مغربی جانب یہ شہر آباد ہے، آس پاس نہ کوئی زراعت ہے اور نہ کوئی درخت ہے، یہ ایک بنجر زمین ہے، جو صرف تجارتی تعلقات سے آباد ہے،

بیرون کا شہر دیبل اور منصورہ کے درمیان مگر منصورہ سے نزدیک واقع ہے، اور منجاپوری ایک ایسا شہر ہے، جو منصورہ کے بالمقابل دریائے سندھ کے مغربی جانب ہے، جو شخص دیبل سے منصورہ جائے تو اس کو دریا عبور کرنا ضروری ہے، مسواہی، بجرج اور سدوسان یہ سب دریائے سندھ کے مغربی رخ پر واقع ہیں۔

اتری اور قالری یہ دونوں شہر منصورہ سے ملتان کے راستہ پر سندھ دریا کے مشرقی طرف واقع ہیں، اور یہ دونوں ساحل دریا سے دور پر واقع ہیں، لیکن بلری دریا کے مشرقی جانب کنارے پر اس خلیج سے قریب ہے، جہاں سے ایک شاخ نکل کر منصورہ کی پشت پر گئی ہے، اور بانیہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، اسی جگہ عمر بن عبدالعزیز ہباری قریشی کا وطن تھا، جو ان حاکموں کا جد اعلیٰ ہے جو منصورہ پر اس وقت قابض ہیں،

قامہل سندھ کا آخری اور ہندوستان کا پہلا شہر ہے جہاں سے لوگ چیمور جاتے ہیں، بس قامہل سے چیمور تک ہند کے شہر ہیں، (جنوب جانب) اور شمال جانب قامہل سے مکران تک عرض میں اور یہاں سے بدھ بلکہ ملتان تک طول میں کل سندھ کے شہر ہیں، اور سندھ کے شہروں میں غیر مسلم زیادہ تر بودھ ہیں، اور ایک قوم جس کو میذ کہتے ہیں یہاں زیادہ مشہور ہے، بدھ کا ملک (ضلع) ذرا زیادہ وسیع ہے، وہ طوران، مکران، ملتان اور منصورہ کے شہروں کے درمیان دریائے سندھ کے مغربی جانب پھیلا ہوا ہے، اور یہ لوگ اونٹ والے ہیں، دو کوہان کے اونٹ جن میں بخاتی ہوتے ہیں، وہ ساری دنیا میں جو خراسان، افغان وغیرہ جاتے ہیں، وہ اسی جگہ کے ہوتے ہیں،

اس ملک کا پایہ تخت جو تجارت کا مرکز ہے وہ قندابیل ہے، یہاں کے لوگ بادیوں کی طرح ہیں، ان کے پاس جنگل اور جھاڑیاں ہیں۔

بیان متفرق

میذ کی قوم سمندر سے لے کر ملتان تک دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے، دریائے سندھ اور قامہل کے درمیان جو میدان ہے، اس میں ان کی چراگاہیں اور آبادیاں ہیں۔

قامہل، سندان، چیمور، کنبھائت (ہندوستان کے علاقہ) میں جامع مسجدیں مسلمانوں کی ہیں، اور ظاہر طور پر مسلمانوں کے لئے ان کے قاضی احکامات جاری کرتے ہیں، یہ بڑے شاداب شہر ہیں، ناریل، کیلا، آم بہت ہیں، زراعت زیادہ تر چاولوں کی ہوتی ہے، کھجور کے درخت یہاں نہیں ہیں، مگر شہد خوب ملتا ہے،

راہوق اور کلوان دو گاؤں ہیں، ارمائیل اور کیز کے درمیان جس میں سے کلوان مکران کے حد میں واقع ہے، مگر راہوق منصورہ میں شامل ہے، یہ بنجر شہر ہیں، پھل دار درخت بہت کم ہیں، البتہ مویشی بڑی تعداد میں ہیں،

شہر بانیہ اور کامہل کے درمیان میدان ہے، اور کامہل سے کنبھائت تک بھی بیابان ہی میدان ہے، (یہ ریگستان کچھ کا ایک حصہ ہے) پھر یہاں سے چیمور تک پے در پے اور متصل گاؤں اور ہندوستان کی آبادیاں ہیں، یہاں کپڑے استعمال کرنے، اور زلف رکھنے میں ہندو اور مسلمان ایک ہی طرح ہیں، ان کا لباس ازار اور کرتہ ہے، کیونکہ ان کا ملک بہت گرم ہے، اسی طرح ملتان والوں کا بھی لباس یہی ہے، سندھیوں کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے، اور قرطق و کرتہ پہننے والوں) کا لباس ظاہر ہے، لیکن تاجر قمیص اور چادر (لنگی) پہنتے ہیں جیسا کہ

تمام فارس اور عراق والوں کا ہے،

مکران | مکران ایک وسیع ملک ہے جس میں بڑا حصہ دشت و بیابان ہے جس کے باعث اکثر قحط اور تنگدستی سے یہاں کے لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے، آجکل یہاں کا حاکم عیسیٰ بن معدان ہے، جس کو لوگ اپنی دیسی زبان میں "مہراج" کہتے ہیں، اس کا پایہ تخت شہر کیز ہے، جو ملتان کا نصف ہے، یہاں کھجور بکثرت ہے، مکران اور اس کے اطراف کا بندر شہر تیز ہے، جس کو لوگ "تیز مکران" کہتے ہیں، اس ملک کا سب سے بڑا شہر پنجپور ہے، باقی یہ بند، کسر کند، درک، پہل پورہ وغیرہ سب چھوٹے چھوٹے اور گرم شہر ہیں، اس کے ساتھ گاؤں بھی ہیں، اور اس کا بڑا شہر راسک ہے، ایک اور گاؤں ہے جس کو جدرمان کہتے ہیں یہاں کی مشہور مٹھائی بانید ہے، اسی جگہ سے دوسرے تمام مقامات میں بھیجی جاتی ہے، لیکن کچھ ماسکان اور قصدار سے بھی جاتی ہے، یہاں نیشکر اور کھجور بھی ہوتی ہے، اور ماسکان وہی جگہ ہے جہاں بدمعاش زیادہ رہتے ہیں،

مشکی | مکران سے متصل ایک وسیع خطہ ہے جس کو مشکی کہتے ہیں، یہ ایک شہر ہے جس پر مطہر بن رجاء نے قبضہ کر لیا ہے، وہ خود مختار ہے، لیکن خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھتا ہے، اس کی سلطنت کا رقبہ ۳ مرحلہ (۵۴ میل) ہے، یہاں کھجور کم ہوتی ہے، اور باوجود گرم ہونے کے بعض سرد میوے بھی ہوتے ہیں۔

ارمائیل اور قنبلی دو بڑے شہر ہیں، اور ان دونوں کے درمیان دو منزل (۴۰ یا ۳۰ میل) کا فاصلہ ہے، ارمائیل اور سمندر کے درمیان ½۱ میل دوری ہے، اور یہ دونوں شہر پراغ مکران کے بیچ میں ہیں

قندابیل (گنداوہ)، ایک بڑا شہر ہے[1]، لیکن یہاں کھجوریں نہیں ہوتیں، وہ ایک میدان

[1] میرا خیال ہے کہ اس شہر کا اصلی نام "گندابھیل" ہے، کسی زمانہ میں یہاں بھیلوں کی حکومت تھی (بقیہ صفحہ ۲۲۳ پر)

میں بودھوں کی بڑی جگہ ہے، کیز کانان اور قندابیل کے درمیان بہت سے گاؤں ہیں جس کو ابیل کہتے ہیں، یہاں مسلمان اور بدھ دونوں آباد ہیں، ان کی اکثر زمینیں بنجر ہیں، لیکن انگور اور مویشی ہوتے ہیں، خاص قندابیل شاداب جگہ ہے، اور لفظ ایل ایسا ہے کہ جو شخص کسی جگہ قبضہ کر لے تو اسی کے نام سے اس کو منسوب کر دیا جاتا ہے، (جیسے لفظ آباد کا، مثلاً حیدر آباد و آصف آباد)

تجارتی راستہ مع مسافت | تیز سے کیز (کیچ) تک ۵ مرحلے ہیں (۱۰۰ میل) اور کیز سے پنجپور، دو مرحلہ (۴۰ میل) اور یہاں سے درک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اور راسک ۳ (۳۶ میل) اور وہاں سے پہل پورہ ۳ (۳۶ میل) اور اصفقہ ۲ (۲۴ میل) یہاں سے بند (۱۲ میل) اور بند سے ایک (۱۲ میل) قصر قند تک (۱۲ میل)، قصر قند سے لوگ یا تو کیز واپس جاتے جو وہاں کا پایہ تخت تھا، یا بندرگاہ تیز جا کر جہاز پر سوار ہو جاتے،

سمت کے لحاظ سے یوں ہوا کہ مغرب سے مشرق (کیز تک) کی طرف گئے، پھر یہاں سے شمال کی جانب (اصفقہ تک) اور وہاں سے جنوب کی طرف (قصر قند یا کیز تک) جائیں گے.

یہ مسافت مکران کے صوبہ کی ہوئی، اب جو شخص سندھ جانا چاہے تو وہ کیز سے ارمائیل جائے گا، جو ۶ مرحلہ (۷۲ میل) پر ہے، اور یہاں سے قنبلی ۲ (۲۰ میل)، اور دیبل ۴ (۴۸ میل) منصورہ ۶ مرحلہ (۷۲ میل) ہے، اور منصورہ سے ملتان ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل)، یہ سندھ کی مسافت ہوئی

منصورہ سے طوران ۱۵ مرحلہ (۱۸۰ میل) قزدار (پایہ تخت طوران) سے ملتان ۲۰ مرحلہ (۲۴۰ میل)، اور پھر منصورہ سے بدھ کی سرحد تک ۵ (۶۰ میل) اور کیز (پایہ تخت طوران) سے بدھ تک ۱۰ (۱۲۰ میل) اور بدھ سے تیز بندر مکران تک ۱۵ (۱۸۰ میل) اور کل مسافت مکران کی سرحد تک ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل) ہے اور ملتان سے ...

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲) بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس صوبہ کا بھی پایہ تخت ہو اس کی مثال گجرات میں موجود ہے کہ آشا بھیل کے نام سے احمد آباد کے پاس ایک شہر آباد تھا جس کو لوگ اب اساول کہتے تھے جب احمد آباد بسایا گیا تو اسی میں وہ شامل ہو گیا، دوسرا شہر بھیلان کا تعلق اور سندھ کی سرحد پر واقع تھا، کسی زمانہ میں بھیلوں کا پایہ تخت تھا،

(بالس) کی سرحد تک دس (۱۲۰ میل) اور منصورہ سے جب بدھ کی سرحد میں جانا چاہو تو دریائے سندھ کو سدوسان کے مقام پر عبور کرنا ہوگا، اور قندابیل (پایہ تخت بدھ) سے مستنج (مستنگ پایہ تخت بالس) ۴ مرحلہ (۴۸ میل) قصدار یا قزدار) سے قندابیل ۵ فرسخ یعنی ۱۵ میل، قندابیل سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل)، اور قندابیل سے ملتان دس (۱۲۰ میل)، اور جنوب جانب منصورہ سے قامہل (سندھ کی آخری حد) آٹھ (۹۶ میل)، اور قامہل سے کھنبائت ۴ (۴۸ میل) اور کھنبائت سمندر سے ۳ میل پر ہے، اور کھنبائت سے سوبارہ ۴ (۴۸ میل)؛ اور سوبارہ سمندر سے ۱½ میل پر ہے، اور سندان ۵ (۶۰ میل)، یہ بھی ۱½ میل سمندر سے دور ہے، اور یہاں سے جیمور ۵ (۶۰ میل) اور یہاں سے لنکا ۱۵ (۱۸۰ میل)

اب مغرب سے جنوب دریا کے مشرقی جانب ملتان سے بسمد دو مرحلہ (۲۴ میل) بسمد سے اروڑ ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اور یہاں سے اتری ۴ (۴۸ میل)، کالری ۲ (۲۴ میل) اور منصورہ ایک (۱۲ میل) دیبل سے پیروں ۴ (۴۸ میل) منجابوری ۲ (۲۴ میل) اور کالری سے بلری ۴ (۴۸ میل)، اور بانیہ جو منصورہ اور کامہل کے درمیان ہے وہ منصورہ سے ایک مرحلہ (۱۲ میل) پر ہے،

دریا | یہاں ایک دریا (سندھ) ہے جس کو لوگ مہران کہتے ہیں، اور مجھے خبر ملی ہے کہ اس کا منبع اس پہاڑ کے پیچھے ہے جس سے جیحون کے بعض دریا نکلے ہیں، دریائے سندھ ایک بڑا دریا ہے، یہ ملتان سے ہو کر بسمد اور رور ہوتے ہوئے منصورہ پہنچکر دیبل کے مشرقی جانب سمندر سے مل جاتا ہے، اس کا پانی میٹھا ہوتا ہے، نیل کی طرح مہران میں بھی مگرمچھ بہت ہیں اور نیل ہی کی طرح بڑا، اور مدوجزر میں ہے، جب اس کا چڑھاؤ ہوتا ہے، تو سب جگہ پانی پہنچتا ہے، پھر اتار پر زراعت ہوتی ہے، جیسا کہ مصر میں ہوتا ہے، اور سندرود (ملک ملتان سے)

ل غالباً اس سے مراد ٹھٹھہ ہی ہے،

دیبل پر ہے، یہ ایک بڑا اور میٹھا دریا ہے جو سندھ میں مل جاتا ہے، مکران عموماً بنجر ملک ہے، ریگستانی میدان زیادہ ہے، البتہ منصورہ اور مکران کے درمیان دریائے سندھ کی شاخیں یا تالاب ہیں، جہاں جاٹ لوگوں کا قبضہ ہے، اور جو جس پانی پر قابض ہو جاتا ہے وہ اس کا مخصوص ہو جاتا ہے، یہ لوگ زیادہ تر مچھلی اور آبی پرندوں پر گذارہ کرتے ہیں، اور وہ میدانوں میں رہتے ہیں، ان کا حال کردوں جیسا ہے[1]۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت سندھ اور اس کے اطراف میں کل ملا کر یہ ریاستیں تھیں:

شمار	ریاست	پایہ تخت	حاکم
۱	ملتان	جندرور	خاندان سامہ بن لوی قریشی
۲	سندھ	منصورہ	ہبار بن اسود قریشی کا خاندان
۳	مکران	کیز (کیچ)	عیسیٰ بن معدان
۴	مشکی	مشکہ	مطہر بن رجا
۵	بدھ	قندابیل	(راجہ)
۶	طوران	کیزکانان	مغیر بن احمد

۳۶۷ھ کے قریب ابن حوقل بغدادی نے اپنا سفرنامہ تیار کیا، سندھ اور اس سے متصل علاقوں کی نسبت اس سفرنامہ میں اس نے خاص طور سے ایک باب کا اضافہ کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکا، تحقیقات کر کے صحت کے ساتھ ان صوبوں کا حال لکھا ہے، گو اس کا بیان متفرق ہے۔ گر راقم الحروف ان سب کو مجتمع کر کے الگ الگ تحریر کرتا ہے۔

[1] سفرنامہ اسحاق اصطخری حالات سندھ صہ ۱۸۰ لیڈن،

حدود اربعہ ان ممالک (سندھ، مکران، طوران، بدھ وغیرہ) کے مشرقی جانب ہر طرف بحر فارس (عرب) ہے، مغربی طرف کرمان اور سجستان کے میدان ہیں، شمال کی طرف ہندستان اور جنوب کی جانب کرمان اور قفص (پٹھان) کے میدان ہیں جس کے پیچھے سمندر ہے، پس بحر فارس ان ممالک کے مشرقی اور جنوبی حد کو گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ سمندر چھوڑ سے تیز مکران کے مشرقی جانب تک محیط ہے، پھر بطور کمان کے کرمان ہوتے ہوئے فارس تک چلا گیا ہے۔

مکران یہ صوبہ بڑا ہے، اس کے مشہور شہر مندرجہ ذیل ہیں۔

تیز، بھنجپور جس کو آجکل پنج گور اس لئے کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں پانچ شہیدان کی قبر وہاں تھی[1]، درک، راسک، (مدینۃ الخرج) بہ، بند، قصر قند (کسر کند) اصفقہ، چھلورہ مشکی، قنبلی، ارمائیل،

مکران ایک وسیع اور عریض خطہ ہے، لیکن اس کا بڑا حصہ جنگل اور میدان ہے، اسی لئے یہاں کے باشندے تنگی اور قحط میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں کا امیر عیسیٰ بن معدان نامی ہے، جو آجکل اس خطہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اس کا پایہ تخت کیز ہے جو ملتان کا نصف ہے، یہاں کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں، انہی اطراف میں ایک دوسرا شہر تیز نامی ہے، جس کو لوگ تیز مکران کہتے ہیں، یہ شہر مکران کا بندرگاہ ہے،

مکران کے بڑے شہروں میں بھنجپور، بہ، بند، کسر کند، درک، چھلورہ ایسے شہر ہیں جو اقتصادی حالت میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، مکران کے شہر عموماً گرم ملک میں شامل ہیں، ان شہروں کے ساتھ گاؤں بھی ہیں، راسک کے شہر اور گاؤں کو جردان کہتے ہیں۔

یہاں فانیذ (شکر)[2]، گنا اور کھجور بکثرت پائے جاتے ہیں، عام طور پر حلوا (یا شکر) جو

---

[1] سائکس کی کتاب پرشیا صفحہ ۲۳۳ [2] جغرافیہ خلافت مشرقی حیدرآباد صفحہ ۴۹۱،

تمام دنیا میں جاتا ہے، وہ اسی جگہ کا ہوتا ہے لیکن تھوڑا سا ماسکان کے علاقہ سے بھی باہر جاتا ہے، اسی طرح قزدار میں بھی یہ شکر بہت ہوتی ہے، مکران کے گاؤں میں زیادہ تر شاطر لوگ (یا جنگلی) رہتے ہیں،

مکران کی زمین زیادہ ریگستان ہے، زراعت کم ہوتی ہے، کیونکہ اس زمین پر بہت کم نہریں جاری ہیں،

منصورہ اور مکران کے درمیان دریائے سندھ کا پانی بطور تالابوں (یا پہاڑی نالوں) کے ہے جس پر سندھ کے جاٹ قابض ہیں، ان میں سے جو قبیلہ بھی اس پر پہلے قابض ہو جائے تو وہ تالاب یا نالہ اس کا مخصوص ہو جاتا ہے، جیسے کہ بربر (افریقہ) کے لوگوں کا حال ہے،

ان کی غذا مچھلی اور آبی جانور ہیں، اور بڑی بڑی مچھلیاں بھی استعمال کرتے ہیں، شہر والوں کی طرح چھوٹی چھوٹی مچھلیوں پر گذارہ نہیں، جو انگلیوں کے برابر یا اس سے چھوٹی ہوتی ہیں، اور وہ جاٹ جو بیابانوں میں دریا سے دور رہتے ہیں وہ مثل کردوں کے ہیں جو دودھ، دہی اور جوار کی روٹیوں پر گذارہ کرتے ہیں۔

طوران یہ ریاست ایک وادی میں ہے، جس کا پایہ تخت طوران نامی شہر ہے، ان کے وسط میں ایک قلعہ ہے، یہاں کا حاکم ابوالقاسم بصری ہے، وہ اپنے وقت کا امام بھی ہے اور وکیل بھی، قاضی بھی ہے اور امیر بھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو چار اور پانچ کی بھی تمیز نہیں،

طوران کے شہروں میں سے محالی، کیز کانان، شورہ، قزدار زیادہ شہرت رکھتے ہیں،

قزدار یہ شہر در حقیقت طوران میں داخل ہے، لیکن ابن حوقل کے عہد میں چھوٹی سی ریاست ہو گئی تھی، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

یہ ایک ایسا خطہ ہے جس کے متعلق گاؤں اور شہر ہیں، اس پر آج کل معین بن احمد

نامی ایک شخص کا قبضہ ہے، خطبہ میں نام بنی عباس کا لیا جاتا ہے، اس کا پایہ تخت کیز کاناکس ہے، اس خطہ میں بڑی ارزانی اور شادابی ہے، انگور، انار اور دوسرے سرد میوے بکثرت ملتے ہیں، لیکن کھجوریں نہیں ملتیں،

مشکی | کرمان کے ملک سے متصل ایک اور خطہ ہے جس کو مشکی کہتے ہیں، اس پر ایک آدمی جس کا نام مطہر بن رجا ہے آج کل قابض ہے، وہ خلیفہ کے نام کا خطبہ بھی پڑھتا ہے، اور آس پاس کے بادشاہوں میں سے کسی کا فرماں بردار نہیں ہے، اس ریاست کا رقبہ تقریباً تین برادُ ہے، یہاں کھجوریں بہت کم ہیں، اور باوجود اس کے کہ یہ ملک گرم ممالک میں سے ہے، مگر بعض سرد ملکوں کے پھل پائے جاتے ہیں،

سندھ | سندھ کا پایہ تخت منصورہ ہے، اس کو سندھی زبان میں برہمن آباد[1] بھی کہتے ہیں اس کے متعلق مشہور شہر یہ ہیں ا-

دیبل (دیول[2])، بیرون، کالری، انری، بلری، مسواہی، بھرج، بانیہ، منجاتری، سدوسان (سیوستان) ارور، چندرور۔

منصورہ طول وعرض میں ایک مربع میل ہے، جس کو دریائے سندھ کی شاخ گھیرے ہوئے ہے، اس کی شکل جزیرہ نما ہے، باشندے مسلمان ہیں، اور بادشاہ قریشی ہبار بن الاسود کے خاندان کا ہے جس کے بزرگوں نے اس ملک پر قبضہ کرکے ایسی حکومت کی کہ مسلمانوں میں محبوب بنے، اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی بہتر سلوک سے پیش آئے، اور

[1] یہ اسی طرح ہے جیسے دولت آباد، اورنگ آباد یا حیدر آباد اور سکندر آباد [2] ساحل سے دور ملک کے اندر ٹھٹھ سے بیس میل جنوب مغرب اور کراچی سے ۵۰ میل جنوب مشرق میں بھنبھور سے متصل واقع تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں، (جغرافیہ خلافت مشرقی ص ۲۹۹)
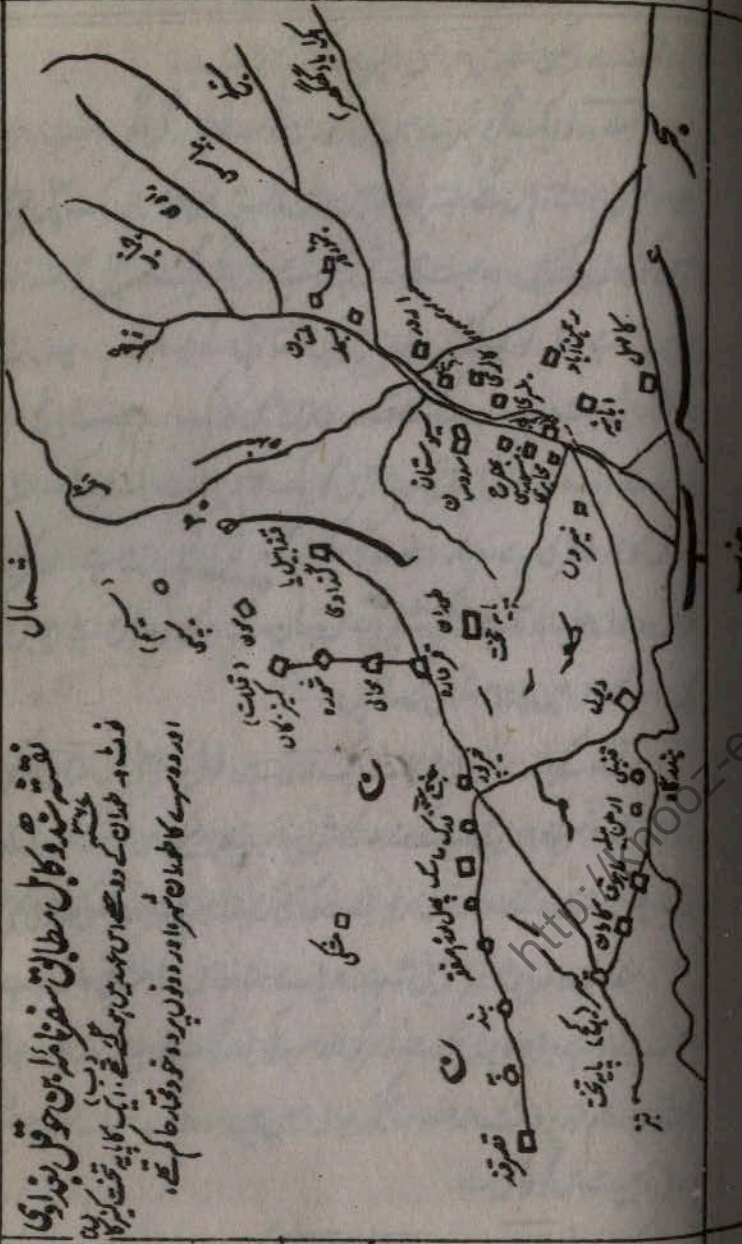
خود مختار ہے، لیکن خطبہ بنی عباس (بغداد) کے نام کا پڑھتا ہے،

منصورہ ایک گرم شہر ہے جس میں کھجوریں تو بہت ہیں، مگر انگور، سیب، اخروٹ امرود نہیں ہوتے، ہاں گنے البتہ ہوتے ہیں، اس ملک میں سیب کے برابر ایک پھل ہوتا ہے جس کو لیموں کہتے ہیں، وہ بہت ہی ترش پھل ہے، اس جگہ ایک اور پھل بھی شفتالو کے برابر ہوتا ہے، اس کو آم کہتے ہیں، جو مزہ میں بھی شفتالو ہی کے ایسا ہوتا ہے، یہاں ارزانی اور شادابی بہت ہے، ان کے سکے قندھاری ہیں جس کا ایک درہم ہمارے پانچ درہم کے برابر ہے، ایک اور سکہ بھی رائج ہے جس کا ایک درہم ہمارے ۱½ درہم کے مساوی ہے، اور اس کا نام طاطری ہے، دینار (سونے کا سکہ) کے ساتھ بھی لین دین ہے، ان کا لباس عراق والوں جیسا ہوتا ہے، لیکن شاہی لباس یہاں کے راجوں کی طرح ہے، جو بال رکھتے ہیں، اور کانوں میں بالا استعمال کرتے ہیں،

سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک ارور ہے، طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے، اس کے دو شہر پناہ ہیں، یہ بھی دریائے سندھ کے مشرقی جانب آباد ہے، لیکن اس کا شمار منصورہ کے حدود میں ہے، بہت ہی دولتمند اور خوشحال شہر ہے، تجارت کی بھی گرم بازاری رہتی ہے، اور ہر قسم کی ارزانی بھی ہے،

سندھ کا دوسرا بڑا شہر "دیبل" ہے، دریائے سندھ اس کے مشرقی جانب ہے، یہ سمندر پر آباد ہے، بوجوہ چند تجارت کا مرکز اور صوبہ کی بندرگاہ ہے، یہاں زراعت بہت کم ہوتی ہے، عام طور پر درخت اور خصوصاً کھجور یہاں نہیں ہیں، وہ ایک خشک شہر ہے، صرف تجارتی اہمیت اس کو حاصل ہے،

ایک اور شہر نیرون ہے، جو دیبل اور منصورہ کے درمیان نصف راستہ پر ہے، لیکن منصورہ سے زیادہ نزدیک ہے، اور منجابری سے متصل ہے، جو مغربی سندھ کے کنارے

آباد ہے، اور وہ منصورہ کے مقابل واقع ہے، جو شخص منصورہ سے آئے گا اس کو دریا عبور کرنا پڑیگا،

ارمائیل اور قنبلی دونوں بڑے شہر ہیں اور دونوں کے درمیان فاصلہ دو منزل کا ہے، قنبلی سے سمندر ½ میل پر ہے، اور یہ دونوں شہر دیبل اور مکران کے درمیان ہیں، یہ دونوں شہر بڑے وسیع ہیں، یہاں کے باشندوں میں وقار اور فارغ البالی نظر آتی ہے،

مسواہی، بھرج، سدوستان (سیوستان) یہ سب مغربی سندھ پر ہیں، حالت اور کیفیت میں یہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، انری اور کالری منصورہ سے ملتان جانے کے راستہ پر دریائے سندھ کے مشرقی جانب ہیں، لیکن دریا سے ذرا فاصلہ پر آباد ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے بہت اچھے شہر ہیں،

بلری بھی دریا کے مشرقی کنارے اس خلیج کے قریب ہے جو منصورہ کے پیچھے سے نکلتی ہے، وہ درمیانی درجہ کا ایک اچھا شہر ہے،

بانیہ ایک چھوٹا شہر ہے، عمر بن عبدالعزیز الہباری قریشی جس کی بزرگی کا حال عراق وغیرہ میں عام طور سے مشہور ہے، وہ اسی شہر کا رہنے والا تھا، اور موجودہ حکمرانوں کے بزرگوں میں سے یہی پہلا شخص ہے جس نے منصورہ کی حکومت پر قبضہ کر لیا،

راہوق اور کلوان دونوں گاؤں آپس میں ایک دوسرے سے متصل کیز اور ارمائیل (موجودہ ارمن بیلہ) کے درمیان واقع ہیں، ان میں سے کلوان تو مکران کی سرحد اور راہوق منصورہ کے حدود میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں کی زمین خشک ہے، کھیت بہت ہیں گاؤں بڑے بڑے ہیں، پھل کم ہوتے ہیں، ہر قسم کے چوپائے بڑی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں،

ملتان | یہ شہر بھی طول و عرض میں منصورہ ہی کے برابر ہے، اس کا نام فرج بیت الذہب (سنہری سرحد) ہے، یہاں ایک مورتی ہے جس کی ہندو بڑی عزت کرتے ہیں، اور دور دور

سے اس کی جاترا کے لئے آتے ہیں، ہر سال بڑی رقم جو بطور نذر کے لوگ لاتے ہیں، وہ مندر اور پجاریوں پر خرچ ہوتی ہے ملتان شہر کا نام بت ہی کے نام پر رکھا گیا ہے[1]، اور وہ مکان جس میں وہ مورتی ہے، (یعنی مندر) ایک بڑا محل ہے، جو بڑی رونق کی جگہ پر ہاتھی کے دانت بیچنے والوں اور ٹھٹھیروں کے بازار کے درمیان واقع ہے، اس محل کے درمیان ایک قبہ ہے، جس میں مورتی رہتی ہے، اس قبہ کے گرد پجاریوں اور جاتریوں کے مکان ہیں، شہر ملتان میں ہندوستانی اور سندھی ہندو نہیں رہتے، بجز ان پجاریوں کے جو اس محل میں مقیم ہیں،

یہ مورتی انسانی صورت میں ہے، جو اینٹ پر گچ کی ہوئی کرسی پر پالتی مارے بیٹھی ہے، اس کے بدن پر سرخ چمڑے کے جیسا لباس ہے، سوائے دونوں آنکھوں کے اس کا تمام بدن اسی سے ڈھکا ہوا ہے، اسی لئے کوئی کہتا ہے کہ اس کا بدن لکڑی کا ہے، اور کوئی اس کی تردید کرتا ہے، کبھی اس کا بدن کھلا نہیں رہتا، اس کی آنکھوں میں دو جوہر (لعل) ہیں، اور اس کے سر پر سونے کا تاج ہے،

وہ بت کرسی پر بیٹھا ہے، اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہے اور ہاتھوں کی انگلیاں اس طرح الگ الگ ہیں گویا کہ وہ چار کا عدد گن رہا ہے، عام لوگ جو کچھ اس پر بھینٹ چڑھاتے ہیں اس کو امیر ملتان لے کر پجاریوں پر صرف کرتا ہے،

جب کوئی دشمن (ہندو) ملتان پر چڑھ آتا، تو امیر اس بت کو نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتا اور دھمکی دیتا کہ اگر تم نے ملتان پر حملہ کیا تو میں اس بت کو توڑ کر جلا دوں گا، وہ اس سے خوفزدہ ہو کر واپس چلا جاتا، اور اگر یہ ذریعہ نہ ہوتا تو ملتان کب کا ویران ہو گیا ہوتا،

ملتان کا قلعہ بلند اور مضبوط ہے، وہاں سرسبزی اور ارزانی کافی ہے، اگر منصورہ سے

---

[1] یہ صحیح نہیں ہے، ملتان اصل میں مول، استھان تھا جیسا کہ بیرونی نے لکھا ہے،

کم، اور ملتان کا نام "فرج بیت الذہب" اس لئے رکھا گیا کہ ابتدائے اسلام میں جب وہ فتح ہوا تو مسلمانوں پر بڑی تنگی تھی، اس وقت اس مقام سے بڑی مقدار میں سونا دستیاب ہوا جس کے باعث مسلمان اس مصیبت سے نجات پاگئے۔

ملتان سے ½ میل پر ایک آبادی ہے جس کا نام جندرور ہے، یہی امیر کی چھاؤنی ہے جہاں لشکر رہتا ہے، شہر ملتان میں صرف جمعہ کے دن نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے، بعد نماز جمعہ وہ واپس چلا جاتا ہے،

یہاں کا امیر قریشی سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے جس کے بزرگوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، وہ کسی کا محکوم نہیں ہے لیکن خطبہ بنی عباس (بغداد) کے نام کا پڑھتا ہے،

بسمد یہ ایک چھوٹا شہر ہے مگر وہ اور ملتان دونوں برخلاف جندرور کے دریا کے مشرقی جانب آباد ہیں، (جو درحقیقت معاون ہے دریائے سندھ کا) ہر شہر دریا سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے، لوگ زیادہ تر پانی کنوؤں سے پیتے ہیں، بسمد سرسبز جگہ ہے، اس کو (ب) اور (ف) دونوں حرفوں سے لکھتے ہیں[1]

مید لوگ ملتان کی سرحد سے سمندر تک دریا کنارے آباد ہیں، خشکی میں دریا اور کاہل کے درمیان بہت سی چراگاہیں ہیں، اور اسی جگہ گاؤں آباد ہیں جن میں سردی اور گرمی کا موسم گذارتے ہیں، اور ان کی تعداد بہت بڑی ہے،

ملک بدھ

بدھ کا علاقہ ملتان کی سرحد تک ہے، اور یہ سب سندھ میں داخل ہیں، سندھ کے شہر کفار (بدھ مذہب) کے ہیں، اور ایک قوم ہے جس کو مید کہتے ہیں، بدھ قوم طوران، مکران اور ملتان کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، اور منصورہ سے مغربی سندھ کی طرف زیادہ آباد ہیں،

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصلی نام بھسمد ہے جو معرب ہو کر بسمد اور فسمد ہو گیا ہے،

یہ لوگ اونٹ والے ہیں، دو کوہان والے فربہ اونٹ جس کو خراسان اور فارس کے لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں، اسی جگہ ہوتے ہیں، ایسا ہی بلخ کا بختی اور سمرقند کا نوق پیدا کرنے کے لئے اونٹ اسی جگہ سے لے جاتے ہیں،

وہ شہر جہاں بدھ لوگ تجارت کرتے ہیں، اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید و فروخت کرتے ہیں وہ قندابیل (گنداوی) ہے، یہ میدان میں گاؤں کی طرح ہے، اور اس میدان میں جنگل جھاڑیاں ہیں جہاں یہ لوگ پناہ لیتے ہیں، اور پہاڑی نالوں سے زندگی بسر کرتے ہیں،

قندابیل (گندھابیل یا گنداوی) ایک بڑا شہر ہے جہاں کھجوریں نہیں ہیں، اور میدان میں تنہا یہ شہر آباد ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے ممتاز شہروں میں سے ہے، کیز کانان اور قندابیل کے درمیان ایک گاؤں ہے جس کو اتل کہتے ہیں، جہاں مسلمان اور بدھ دونوں رہتے ہیں، یہاں غلہ پھل، ترکاری اور سب جانور ملتے ہیں، ملک وسیع و سرسبز ہے، اونٹ، بکری، گائے ہوتی ہے، لیکن زراعت بہت کم ہوتی ہے...: اتل ایک شخص کا نام ہے، جس نے قدیم زمانہ میں اس پر قبضہ کیا تھا، اسی لئے اس کے نام سے منسوب ہے،

ہندوستان

کاہل، کھنبائت، سوپارہ (جس کے آس پاس بڑے بڑے مقامات ہیں) اسنجادل، سندان، جیمور، بنی پٹن، چندرور اور سندرور ہندوستان کے مشہور شہر ہیں، یہ وہ شہر ہیں، جن سے میں واقف ہوں، ورنہ ان کے علاوہ اور بھی شہر ہیں، جیسے قزدان، کنوج جو بیابان میں ہیں وہ مثل لمطنہ اور ادھشتہ کے دور کے مقاموں میں ہیں، ان میں ملکی تاجر کے سوا کوئی دوسرا بڑی بڑی آفتوں اور تکلیفوں کے سبب نہیں پہنچ سکتا،

کھنبائت سے جیمور تک: بلہب رائے کا ملک ہے، جس کے نام پر کتاب الامثال لکھی گئی، ان ممالک میں ہر بادشاہ اپنے ملک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جیسے کانہ (افریقہ) کے بادشاہ

اسی طرح کوغہ بادشاہ (جیسے پنجاب کا راجہ، قنوج کا راجہ) ان ملکوں میں گو زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے، مگر مسلمان بھی انہی کے ساتھ بستے ہیں، ان پر راجہ کی طرف سے مسلمان ہی حاکم ہوتا ہے، جو راجہ کا نائب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح میں نے ہر مقام پر دیکھا کہ جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہے جیسے خزر، سریر، غانہ دگانہ شمالی (افریقہ)، کوغہ وغیرہ، ان تمام شہروں میں مسلمان کسی غیر مسلم کو حاکم تسلیم نہیں کرتے، اور نہ کسی کی شہادت قبول کرتے ہیں، اگرچہ ان مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کم ہو، اور میں نے دیکھا کہ ان کی عزت وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور اس لئے جب غیر مسلموں کی طرف سے گواہی دیتے ہیں تو ان کی گواہی کو خصم قبول کر لیتا ہے اور بسا اوقات خصم کی جرح پر جب مسلمان اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے، تو اسی کے قول پر حاکم فیصلہ کر دیتا ہے،

دلمب رائے کے ملک میں جو بہت وسیع ہے مسلمانوں کے لئے مسجدیں ہیں جن میں کھلے بند اذان ہوتی ہے، جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، اور منبروں پر خطبہ دیا جاتا ہے،

سندھ سے چیمور جانے میں ہندوستان کا سب سے پہلا شہر کابل ملتا ہے، کیونکہ چیمور سے کابل تک سب ہندوستان کے ملک ہیں،

کابل، اسندان، چیمور، کھنبائت میں جامع مسجدیں ہیں، اور بلارو کے ملک مسلمانوں کے احکام یہاں جاری کئے جاتے ہیں،

یہ سب بڑے سرسبز اور وسیع ملک ہیں، یہاں ناریل ہوتا ہے جس سے سرکہ اور شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں، اس سے ان کو مدہوشی بھی ہوتی ہے، اسی طرح چاول کی نبیذ مصر والوں کی طرح استعمال کرتے ہیں، اور بخدا نہ تو میں نے اس کو دیکھا ہے، نہ اس کے مزہ اور کیفیت سے واقف ہوں،

ان لوگوں کی سب سے بڑی زراعت چاولوں کی ہے، شہد بھی بہت ہوتا ہے، لیکن کھجوریں نہیں، کابل اور بانیہ کے درمیان میدان اور جنگل ہے، اسی طرح کابل سے کھنبائت تک میدان اور جنگل ہے، اس کے بعد کھنبائت سے چیمور تک برابر آباد گاؤں ملتے ہیں جو ایک وسیع خطہ زمین کا ہے،

لباس یہاں ہندو اور مسلمانوں کا لباس ایک ہے، بال بھی ایک ہی طرح رکھتے ہیں، ان کا لباس ازار اور کرتہ ہے، کیونکہ ان ملکوں میں گرمی سخت پڑتی ہے، اسی طرح گرمی کے سبب ملتان والے بھی ازار اور کرتہ کا استعمال کرتے ہیں، مکرانی کرتہ پہنتے ہیں، مگر تاجروں کا لباس قمیص اور چادر ہے، جس طرح عراق اور فارس والوں کا ہے،

زبان منصورہ اور ملتان والوں کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والوں کی مکرانی اور فارسی ہے۔

سندھ کے دریا سندھ میں سب سے بڑا دریا تو مہران (دریائے سندھ) ہے، اس کا منبع پہاڑ کے اوپر ہے، جہاں سے جیحون کی بعض ندیاں نکلتی ہیں، اس دریا کے بہت سے معاون ندی اور چشمے ہیں، اس کا پانی ملتان کے پاس بہت زیادہ ہو جاتا ہے، السمند کی سرحد تک جاتا ہے پھر ارور ہو کر منصورہ اور وہاں سے دیبل کے مشرق جانب سمندر میں جا کر مل جاتا ہے،

یہ دریا بہت ہی میٹھا اور بڑا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں گھڑیال اسی طرح ہیں جیسے مصر کے دریائے نیل میں، اپنی بڑائی اور روانی میں بھی بالکل نیل کے مشابہ ہے، یعنی برسات کے پانی سے یہ دریا زمین پر چڑھتا چلا جاتا ہے، پھر گھٹ کر اپنی جگہ آ جاتا ہے، اور کاشتکار گیلی زمین پر مصر کی طرح کاشتکاری کرتے ہیں۔

ایک دوسرا دریا ملتان سے تین دن کے راستہ پر ہے جس کا نام سندرود ہے یہ بھی

بڑا اور میٹھا دریا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسمد سے پہلے اور ملتان کے بعد دریائے سندھ میں ملتا ہے[1]

تیسرا دریا جندرود بھی بڑا اور میٹھا ہے، اور اسی پر شہر جندرور آباد ہے، یہ دریا سندھ

میں مل کر منصورہ تک چلا گیا ہے، بخلاف سندرود کے،

آمدنی ان ملکوں کی آمدنی جو ان کے امیروں اور عالموں کو ادا کی جاتی ہے، وہ بہت ہی

کم اور معمولی ہے، بظاہر ان کے خرچ سے زیادہ نہیں ہوتا، اور شاید ان میں سے بعض اپنے

خرچ میں کمی کرتے ہیں، کیونکہ زیادہ وصول نہیں ہوتا،

مسافت مکران، طوران، بدھ، ملتان، سندھ، ہند کے بڑے شہروں میں اور قافلوں کے

آمد و رفت کے راستوں کا جو فاصلہ ہے وہ مرحلہ (پڑاؤ)[2] کے حساب سے ابن حوقل نے دیا ہے جو

مندرجۂ ذیل ہیں:-

"تیز سے کیز (کیچ) پانچ مرحلہ (۶۰ میل) اور کیز (کیچ) سے پنجبور تک دو مرحلہ (۴۸ میل)

اور جو شخص پنجپور سے تیز مکران جانا چاہے، تو اس کا راستہ کیز ہی ہو کر ہے، پھر پنجبور سے

درک تک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اور درک سے راسک تک ۳ مرحلہ (۳۶ میل)، اور راسک سے پہل فہرج

تک ۳ (۳۶ میل) اور یہاں سے صنفقہ (سپکا؟) تک ۲ (۲۴ میل) پھر صنفقہ سے بند

تک ایک (۱۲ میل) اور بند سے بہ تک ایک (۱۲ میل)، اور بہ سے قصر قند (کسر کند) تک ایک (۱۲ میل)

اب اگر کیز سے سندھ کی طرف جانا چاہو تو ارمائیل (ارمن بیلہ) تک ۶ (۷۲ میل)، اور

ارمائیل سے قنبلی تک ۲ (۲۴ میل) اور قنبلی سے دیول تک ۴ (۴۸ میل)، اور دیول سے منصورہ

۶ (۷۲ میل)، اور منصورہ سے ملتان ۱۲ (۱۴۴ میل)، پھر منصورہ سے اگر طوران جاؤ تو اس کا

فاصلہ ۵ پڑاؤ (۶۰ میل) ہے، اور قزدار (طوران) سے ملتان تک ۲۰ (۲۴۰ میل)، پھر منصورہ سے

---

[1] غالباً ملتان سے مراد ہے [2] مرحلہ کے معنی پڑاؤ کے ہیں اور اصطلاح میں ایک دن کی مسافت کو کہتے تھے جو ۱۲ میل کے برابر ہے

بدھ کی ابتدائی سرحد تک ۵ (۶۰ میل) اور کیز سے بدھ تک ۱۰ (۱۴۰ میل) اور بدھ سے تیز تک
۱۵ (۱۸۰ میل) مکران کے تمام علاقوں کا طول تیز سے قزدار تک ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل) ہے، اور
ملتان سے طوران کی ابتدائی حد تک دس (۱۲۰ میل) اور جو شخص منصورہ سے بدھ کے ملک
میں سدوستان کی طرف جانا چاہے، جو دریائے سندھ کے پاس ہے، تو اس کو دریائے سندھ عبور کرنا ہوگا
پھر قندابیل (بدھ) سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل) اور قندابیل سے ملتان (میدانی علاقہ)
دس (۱۲۰ میل) پھر کامہل سے کھنبائت تک ۴ (۴۸ میل) اور کھنبائت سے سمندر ۳ میل پر
ہے، اور کھنبائت سے سوپارہ ۴ (۴۸ میل) اور سوپارہ بھی سمندر سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے
پھر سوپارہ اور سندان کے درمیان ۵ مرحلہ (۶۰ میل) ہے، اور وہ بھی ۳ میل سمندر سے
دور ہے، اور سندان سے چیمور تقریباً ۵ مرحلہ (۶۰ میل) اور چیمور سے لنکا پندرہ مرحلہ (۱۸۰ میل)
ہے، پھر ملتان سے بسمد ۲ (۲۴ میل) اور بسمد سے ارور ۳ (۳۶ میل) اور ارور سے اتری ۴
(۴۸ میل) اور اتری سے کالری ۲ (۲۴ میل)، اور کالری سے منصورہ ایک[1] (۱۲ میل) پھر دیبل
سے پنجبور ۱۴ (۱۶۸ میل) اور دیبل سے پنجبور کا راستہ مخاتری ہو کر جاتا ہے، پھر کالری
سے بری ۴ (۴۸ میل) اور بانیہ شہر پایہ تخت منصورہ سے ایک مرحلہ (۱۲ میل) پر ہے،
اور کامہل منصورہ سے ۲ مرحلہ (۲۴ میل) ہے[2]،

ابن حوقل بغدادی کے عہد میں مندرجہ ذیل ریاستیں سندھ میں موجود تھیں:-

نمبر	ملک	پایہ تخت	حاکم
۱	ملتان	جندرور	خاندان سامہ بن لوی

[1] یہ صحیح نہیں ہے، غالباً سہو کاتب ہے کیونکہ کالری سے بری ۴ مرحلہ ہے اور کالری سے منصورہ ایک مرحلہ ہے اس لئے کالری سے منصورہ ۵ مرحلہ ہونا چاہئے، اصل میں کالری کی جگہ بری ہونا چاہئے [2] سفرنامہ ابن حوقل مطبوعہ لیڈن ص ۲۲۶
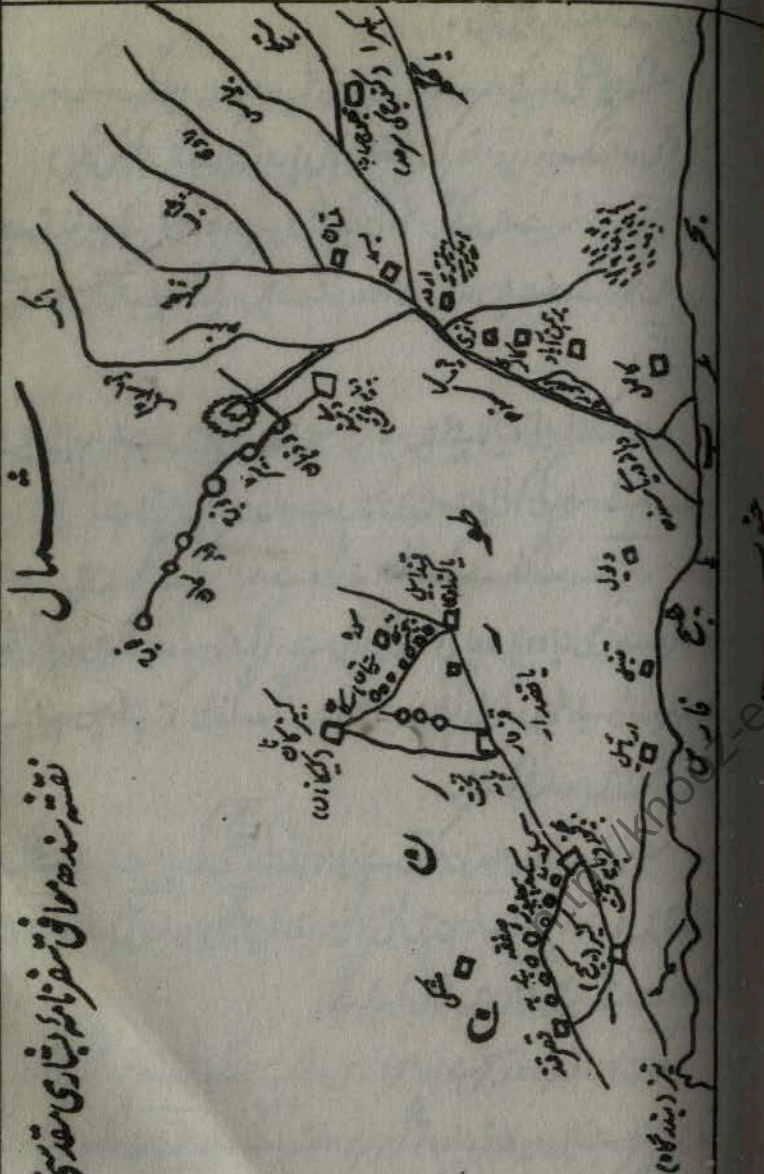
۲	سندھ	منصورہ	خاندان ہبار
۳	مکران	کیچ	عیسیٰ بن معدان
۴	مشکی	مشکہ	مطہر بن رجا
۵	بدھ	گنداوی	راجہ غیر مسلم
۶	طوران	طوران شہر	ابو القاسم بصری

۷ قزدار | گیرکانان | معین بن احمد

۳۷۵ھ کے جغرافیہ لکھنے والوں نے سندھ اور اس کے ملحقہ ممالک کو ایک اقلیم قرار دیا ہے اور اس کا نام اقلیم سندھ رکھا ہے، اس کے ماتحت چھ کور (صوبے) ہیں، اور ہر صوبہ کا ایک قصبہ (پایہ تخت) ہے، اور ہر پایہ تخت کے ماتحت متعدد شہر ہیں اور ہر شہر کے ساتھ گاؤں ہیں، ملک سندھ کے متعلق مندرجۂ ذیل صوبے ہیں، جس میں مکران، ملتان اور دوسرے شہر بھی داخل ہیں، یہ صوبے کسی کے ماتحت نہیں ہیں، بلکہ ہر صوبہ خود مختار ہے،

نمبر	ملک	پایہ تخت	حاکم
۱	مکران	پنجپور	مطیع ائمۂ فاطمیہ مصر
۲	طوران	قزدار	مسلم حاکم
۳	سندھ	منصورہ	خاندانِ قریش (ہبار بن الاسود)
۴	دے ہند (قندھار)	دے ہند	راجہ
۵	کنوج	کنوج	راجہ
۶	ملتان	ملتان	مطیع ائمۂ فاطمیہ مصر

صوبہ مکران اس کے ماتحت بہت سے شہر ہیں، اس کا پایہ تخت پنجپور ہے، مشہور

شہروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

مشکہ (یا شکی)، کیچ (مرات) شہر پور، خواش، دمندان، جالک، درک، دشت علی، تیز، کبرتون، راسک، تہ، بند، قصر کند، اصفقہ، پھل پورہ، قنبلی، ارمائیل، کیس، دکیز)

پھنجپور بڑا شہر ہے، اس کے گرد مٹی کی ایک فصیل ہے، اور فصیل کے باہر خندق ہے۔ آس پاس کھجور کے درخت ہیں، اس کے دو دروازے ہیں، ایک کا نام باب طوران اور دوسرے کا باب تیز،

یہاں کے لوگ پانی دریا کا پیتے ہیں، جامع مسجد بازار کے بیچ میں ہے، عوام جاہل ہیں، سوائے نام کے اسلام کی کوئی بات ان میں نہیں ہے، ان کی زبان بلوچی ہے،

شہر تیز سمندر کے کنارے ایک مشہور بندرگاہ ہے، یہاں بکثرت کھجوریں ہیں، رباط (مسافر خانے) بھی زیادہ ہیں، جامع مسجد بھی اچھی ہے، لوگ متوسط درجہ کے ہیں، اخلاقی اعتبار سے کم ظرف اور بے علم ہیں، مکرانی کم فہم ہوتے ہیں، اور رنگ گندمی، کرتہ پہنتے ہیں، ہندوؤں کی طرح کان میں سوراخ کرتے ہیں،

معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں مکران نے زیادہ ترقی کی، مشکی کی ریاست جو اس سے قبل ۳۲۰ھ میں خود مختار تھی، اب مکران میں ملحق ہو گئی، اسی طرح قنبلی اور ارمائیل دونوں منصورہ کے ماتحت تھے، یہ بھی مکران میں شامل کر لئے گئے،

مکران کا علاقہ زیادہ تر بنجر ہے اور صحرا، اس لئے وہاں کے باشندے عموماً تنگدستی اور قحط میں مبتلا رہتے ہیں، یہ علاقہ زیادہ تر گرم ہے، البتہ راسک اور خرزان کے پاس کچھ سبزی ہے، جہاں لوگ کھیتی کرتے ہیں، اور کچھ گاؤں بھی آباد ہیں[1]،

---

[1] بشاری مقدسی ص۴۷۸ و ص۴۸۵ لیڈن وص۴۸۶ و ۴۸۹،

یہاں ایک گاؤں ہے جس کا نام خروج ہے، جو راسک شہر کے ماتحت ہے، ایک اور گاؤں کا نام خرزان (جدران) ہے، اور اسی سے متصل کران کی طرف ایک مقام مشکہ (مشکی) ہے، جس کی وسعت ۳ مرحلہ (۵۰ میل) ہے، کھجوریں کم ہیں، مکران میں صحرا زیادہ ہیں اور ان کے کھیت میدانی بارانی ہیں، عراق کی طرح ان کی زمین پتھریلی ہے، اور کردوں کی طرح ان کے صحرا، اس ملک میں جاٹ زیادہ ہیں، جن کی خوراک مچھلی اور آبی پرندے ہیں، اسی سے متصل راہوق اور کلوان دو سرحدی گاؤں ہیں، جن کو مکران میں شمار کیا جاتا ہے، مگر بعض راہوق کو منصورہ کا بتلاتے ہیں یہاں پھل بہت کم ہیں، یہاں کا بادشاہ خود مختار اور بے نظیر عادل ہے، لیکن خطبہ خلفائے فاطمیہ مصر کا پڑھتے ہیں۔

طوران (۳۷۵ھ) یہ بھی ایک صوبہ ہے، اس کے ماتحت بہت سے شہر ہیں، منجملہ ان کے مشہور شہر مندرجہ ذیل ہیں ۔

قندابیل، بج ترو (بجے رتھو) جبت رو (جسر تھو) بکانان، خوزی، رستاکھن، رستاق (فزدار)، تور دان، استاق اسکان، کھر کور، محالی، کیز کانان، سورہ، قصدار (قزدار)[1]

قزدار اس کا پایہ تخت ہے، یہ ایسا شہر ہے کہ جس کے دونوں جانب صحرا ہے، اس کے دو حصے ہیں، دونوں کے درمیان ایک خشک ندی ہے جس پر پل نہیں ہے، اس کے ایک حصہ میں بادشاہ کا محل ہے، جہاں وہ رہتا ہے، وہ بڑا عادل اور خلیق ہے، اسی کے ساتھ قلعہ بھی ہے، اور دوسرے حصہ میں تاجروں کے مکانات اور گودام ہیں، اور اس حصہ کو لوگ "بودین" کہتے ہیں، اور پہلا حصہ زیادہ وسیع اور صاف ہے،

یہ شہر اگرچہ چھوٹا ہے، مگر بڑا کارآمد ہے، خراسان، فارس، کرمان اور ہندوستان کے شہروں سے لوگ بکثرت یہاں آتے رہتے ہیں، البتہ یہاں کا پانی بڑا خراب ہے، جب انسان

[1] احسن التقاسیم للمقدسی ۴۷۶ و ۴۸۳ لیڈن،

اس کو پیتا ہے تو اس کا پیٹ بھاری ہو جاتا ہے، لوگوں کے مکانات مٹی کے ہیں، وہ تالابوں کا پانی پیتے ہیں، جو زیادہ تر میدانوں میں ہیں، مسورے کسرتھ اور کیز کانان کے، جو دریا کے کنارے ہیں، اس کے علاوہ کسرتھ میں کنوئیں بھی بہت ہیں اور دونوں شہر کی کھیتیاں میدانی علاقوں میں ہیں، یہ سب گرم مقامات ہیں، البتہ کسرتھ ایک سرد جگہ ہے، جہاں کبھی اولے بھی پڑتے ہیں، اور پانی بھی جم جاتا ہے[1]،

قصدار (قزدار) شاداب اور سرسبز شہر ہے، یہاں انگور تو ہوتے ہیں، مگر کھجوریں نہیں، عجیب جامع اضداد شہر ہے، چیزیں ارزاں ہیں،

غالباً طوران کی سیاسی طاقت پہلے سے زیادہ ہوگئی، کیونکہ ۴۰ سال قبل بدھ ایک مستقل ریاست تھی، جس کا پایہ تخت قندابیل تھا، مگر بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) نے اس ریاست کا چونکہ ذکر ہی نہیں کیا ہے، اس لئے خیال گذرتا ہے کہ غالباً اس زمانہ میں یہ ریاست نہ رہی ہو، اور طوران کے حاکموں نے اس کو فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کر لیا ہو، جیسا کہ پایہ تخت بدھ (قندابیل) طوران میں شامل ہونے سے صاف نظر آتا ہے،

منصورہ (۳۷۵ھ) یہ ایک مستقل ریاست ہے، پہلے تمام سندھ اسی کے ماتحت تھا، اس وقت عرب (بغداد) سے جو حاکم (والی) آتا تھا، اسی جگہ رہتا تھا، اب بھی اس ریاست کا حاکم اسی جگہ رہتا ہے، اس کے متعلق مندرجہ ذیل مشہور شہر ہیں ۔

دیبل، نیرون، کدار، مائل (رہیل)، قنبلی (قنبلی)، نیرون، قالری (کالری)، اتری، بلری، مسواہی، بھرج، بانیہ، منجابوری، سدوستان، رور،

اس ریاست کا پایہ تخت منصورہ ہے، جیسا شام کا دمشق، یہاں کی عمارتیں لکڑی

[1] احسن التقاسیم للمقدسی ۴۷۶ و ۴۸۳ لیڈن،

اور مٹی کی ہیں، یہاں کی جمعہ مسجد عمان کی طرح بہت بڑی ہے، یہ پتھر اور پختہ اینٹ سے بنی ہے جس میں ساج (ساگوان) کے بڑے بڑے ستون ہیں،

شہر منصورہ میں چار دروازے ہیں (۱) باب البحر (۲) باب طوران (۳) باب سندان (۴) باب ملتان۔ دریا کی ایک شاخ شہر کو گھیرے ہوئے ہے، اس شہر کے لوگ ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں مروت اور اسلام کا بڑا حصہ ہے، علم اور تجارت کا یہ مرکز ہے، یہاں کی ہوا نرم ہے اور سردی کم پڑتی ہے، بارش زیادہ ہوتی ہے، بھینس بڑی بڑی ہوتی ہے، لوگ پانی دریائے سندھ سے پیتے ہیں،

جمعہ مسجد بازار کے درمیان میں ہے، ان کے اخلاق عراقیوں (بغداد) سے ملتے ہوئے ہیں.... یہاں گرمی خوب پڑتی ہے، مچھروں کی بڑی کثرت ہے، لوگوں کا مزاج بھی کافروں کا غلبہ ہے، آس پاس ویران ہے، شرفا کم ہیں، ابو محمد منصوری یہاں کے قاضی ہیں اور اپنے ظاہری (داؤد ظاہری محدث) مذہب کے امام ہیں۔

دیبل ساحلی شہر ہے، جس کے ساتھ تقریباً ایک سو گاؤں ہیں، اس کے باشندے زیادہ تر غیر مسلم ہیں، شہر سمندر کے کنارے اس طرح سے ہے کہ مد کے وقت سمندر کا پانی شہر کی دیوار سے ٹکراتا رہتا ہے، تاجروں کی زبان سندھی اور عربی ہے، یہ شہر تمام صوبہ منصورہ (سندھ) کا بندر ہے، اس کی آمدنی بہت زیادہ ہے، اسی جگہ سے دریائے سندھ سمندر میں گرتا ہے، یہاں بھی اس سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے، سمندر کا پانی بازار میں داخل ہو جاتا ہے، اور یہ لوگ خوش پوش اور خوش خلق ہیں،

قنبلی (قنبلی) بھی ساحلی شہر ہے، جس کی فصیل بھی ہے، مسلمان اور تاجر کم تر ہیں،[1] منصورہ میں

۱؎ احسن التقاسیم ص۴۷۹ لیڈن،

خاندان قریش کا ایک سلطان ہے، جو بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتا ہے، اور کبھی عضد الدولہ بویہ کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا ہے، منصورہ کا سلطان ان لوگوں سے ربط ضبط بڑھانا چاہتا تھا، چنانچہ بشاری مقدسی کا بیان ہے کہ جن دنوں میں شیراز میں تھا، والی منصورہ کا ایلچی عضد الدولہ کے لڑکے کے پاس آیا ہوا تھا، اور ایک باغی کے مقابلہ میں اس کی مدد کا خواہاں تھا،[1]

ویہند یہ ریاست عرصہ سے قائم تھی، اس کو قندھار کا ملک کہتے ہیں،[2] یہی کا پایہ تخت ویہند ہے، عام طور پر اس کو سندھ سے الگ اور ہندوستان میں شمار کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدیم سندھ میں یہ شامل تھا،

اس کے متعلق متعدد شہر تھے، ان میں سے مشہور یہ ہیں، وذہان، بتر، قنوج، لوار، سمان، قوج۔ اس کا پایہ تخت ویہند ہے، اور اسی نام سے ریاست مشہور ہو گئی ہے جیسے آج کل بڑودہ، حیدر آباد، میسور، رام پور وغیرہ،

ویہند منصورہ سے بڑا شہر ہے، یہاں تر و تازہ اور پاکیزہ بکثرت باغ ہیں، جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، دریا بکثرت ہیں، بارش بھی خوب ہوتی ہے، یہ شہر مجموعۂ اضداد ہے، یہاں کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہیں، اور پھل اچھے، لوگوں کے چہرے سے امارت ٹپکتی ہے، نرخ بھی ارزاں ہے، چنانچہ شہد ایک درہم کا تین من[3] (ایک من عربی مساوی ۴۰ تولے کے) ملتا ہے، اس کے علاوہ دودھ اور روٹی کے متعلق تو سوال ہی بیکار ہے، یہاں موذی جانور نہیں، اور بری باتوں سے یہ لوگ محفوظ ہیں، تمام شہر بادام اور اخروٹ کے درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، کیلے اور دوسرے تر میووں کی بڑی کثرت ہے، لیکن یہاں کی ہوا مرطوب ہے،

۱؎ احسن التقاسیم ص۴۸۰، یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ باغی کون تھا؟ ۲؎ کتاب الہند بیرونی ص ۱ لیڈن،
۳؎ موجودہ وزن سے تقریباً ۱ دسیر انگریزی،

اسی جگہ رہتے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے شہر گرم ہیں، یہ لوگ دریا اور بہنے والے نہروں کا پانی پیتے ہیں[1]
یہاں غیر مسلموں کی آبادی بہت ہے، اور مسلمانوں کی کم، لیکن مسلمانوں کے لئے ایک
الگ حاکم ہے[2]، یہ حاکم راجہ کے ماتحت ہوتا تھا، اس کا خطاب ہنرمند ہوتا، یہ مسلمانوں کے حقوق
نگہداشت کرتا، اور آپس کے تنازعہ کا فیصلہ اسی کے ذمہ ہوتا، غیر مسلم حاکموں کے پاس مسلمانوں
کے مقدمات نہیں جاتے[3]،

درحقیقت اس زمانہ میں مسلمانوں کو ایسے ہی امتیازی حقوق حاصل تھے، جیسا کہ آجکل
سلاطین یورپ کو ایشیا کی ہر سلطنت میں حاصل ہیں) اگرچہ ترکوں، ایرانیوں اور کابلیوں نے
اس امتیاز کو حال میں منسوخ کر دیا ہے)

ملتان | یہ شہر منصورہ کی طرح ہے، لیکن منصورہ اس سے زیادہ آباد ہے، ملتان میں پھل بہت
کم ہیں، مگر دیگر اشیا بہت ارزاں ہیں، روٹی ایک درہم میں تیس من ملتی ہے، اور فانیذ (حلوا
سفید شکر) ایک درہم کی تین من، یہاں کے مکانات سیراف (بصرہ) کے مثل لکڑی (ساگون)
کے بنائے جاتے ہیں، یہ دو دو چار چار منزلے ہوتے ہیں،

ان لوگوں کی اخلاقی حالت بہت اچھی ہے، ان میں زنا اور شراب کا مطلق رواج
نہیں، جو شخص کبھی اس معاملہ میں پکڑا گیا، تو اس کو یا تو قتل کر ڈالتے یا سخت سزا دیتے ہیں،
تجارتی کاروبار میں یہ لوگ بڑے خوش معاملہ ہیں، نہ تو یہ جھوٹ بولتے ہیں، اور نہ ناپ تول
میں کمی کرتے ہیں، مسافروں سے محبت کرتے ہیں، اکثر باشندے (مسافر) عرب ہیں، شہر پیں
دریا سے پانی پیتے ہیں،

یہ بڑا آسودہ شہر ہے، اور تجار خوش حال، فارغ البالی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے، یہاں کے

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ فٹ نوٹ ص ۲۸۵ ایضاً ص ۲۸۵ [3] مروج الذہب جلد ۲ ص ۸۵، ۸۶ لیڈن،

گرمی بھی خوب پڑتی ہے، مکانات لکڑی کے ہیں، کبھی نرکل کی جڑیں ایسی ہی آگ لگ جاتی ہو
جیسے مقام سابور (ایران) میں[1]،

غیر مسلموں کی آبادی بہت زیادہ ہے، اور مسلمان بہت کم ہیں، پھر بھی ان کے لئے ایک
الگ حاکم ہے، جو ان پر اسلامی طریقہ سے حکومت کرتا ہے[2]،

کنوج | جس کو عرب جغرافیہ نویسوں نے "قنوج" لکھا ہے، یہ قدیم ریاست گنگا کے کنارے عرصہ دراز
سے قائم تھی، اصطخری (۳۴۰ھ) نے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس
زمانہ میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی،

معلوم ہوتا ہے کہ بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) کے وقت اس نے پھر طاقت پیدا کر لی، غالباً
یہاں کا حاکم دھیند کی طرح کوئی غیر مسلم تھا، اسی لئے اس کا کوئی خاص تذکرہ سیاحوں نے نہیں کیا،
بشاری لکھتا ہے کہ اس ریاست کا پایہ تخت کنوج ہی ہے، یہ خود بڑا شہر ہے، اور اس
ساتھ بیرون فصیل بھی آبادی ہے، اس شہر میں گوشت بکثرت اور ارزاں ملتا ہے، پانی بھی
میٹھا ہے، باغوں سے یہ شہر گھرا ہوا ہے، (اس کے چاروں طرف باغ لگے ہوئے ہیں) کیلے
سستے، صورتیں اچھی، پانی لذیذ، شہر وسیع اور فائدہ مند منڈی ہے، یہاں آگ زیادہ لگتی ہے،
آٹا کم ملتا ہے، باشندوں کی عام خوراک چاول ہے، مگر مسلمان روٹی کھاتے ہیں، ان کا لباس
ازار، اور مکانات زیادہ تر خس پوش ہیں، گرمی سخت پڑتی ہے، یہاں سے پہاڑ ۴ فرسخ
(۱۲ میل) پر ہے، جامع مسجد فصیل کے باہر ہے، دریا کا پانی شہر کے اندر چلا آتا ہے، بڑے بڑے
علما یہاں موجود ہیں،

یہاں کی ہوا خوش گوار ہے اور باغ بڑے پاکیزہ پایہ تخت کے اکثر امرا گرمیوں میں

[1] بشاری مقدسی ص ۴۸۴ لیڈن [2] ایضاً ص ۴۸۵،

بادشاہ عادل ہوتے ہیں، تمام بازار میں کسی عورت کو بناؤ سنگار کئے ہوئے نہ دیکھ سکو گے، اور نہ کوئی کھلے طور پر ان سے باتیں کرتا ہوا نظر آئے گا، یہاں کے لوگ عالی ظرف اور مروت والے ہیں، فارسی زبان عام طور سے سمجھی جاتی ہے، تجارت کی گرم بازاری بھی خوب ہے، لوگ تندرست نظر آتے ہیں، لیکن یہاں کی زمین شور، مکانات تنگ، اور ہوا گرم و خشک ہے، خود ملتانی گندم گوں اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں[1]، شوریدہ سر اور کند ذہن ہیں۔

ملتان کا بادشاہ مصر کے فاطمی خلفاء کا خطبہ پڑھتا ہے، اور کوئی کام ان مصری فاطمی خلفاء کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاتا، اور ہمیشہ ان کو ملتان کا بادشاہ ہدیہ اور تحفہ بھیجا کرتا ہے۔ وہ طاقتور اور عادل بادشاہ ہے، ملتان میں فاطمی خلفاء کے حکم ہی سے والی مقرر کئے جاتے ہیں، ان کی اجازت کے بغیر کوئی والی نہیں ہو سکتا[2]،

سندھ کے عام حالات عام طور پر سندھ کا ملک گرم ہے، لیکن بعض مقامات معتدل بھی واقع ہیں، جیسے وہند اور منصورہ کے اطراف، سمندر کے جوار کا اثر ان میں سے اکثر پر ہوتا ہے، یہاں کوئی بحیرہ نہیں ہے، البتہ متعدد شیریں دریا جاری ہیں، اس ملک میں ناریل، کھجور اور کیلے بکثرت ہوتے ہیں، ذمی زیادہ تر بت پرست ہیں، کوئی مشہور واعظ بھی اس ملک میں نہیں ہے، اور نہ قابل تذکرہ رسم و رواج،

مذہب ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حی علی خیر العمل اور اقامت میں کلمات کو دو مرتبہ کہتے ہیں، منصورہ والوں میں زیادہ تر لوگ ظاہری (ابو داؤد ظاہری محدث) مذہب کے پابند ہیں اور حدیث پر عمل کرتے ہیں، قاضی ابو محمد منصوری کا ایک مدرسہ بھی ہے جس میں درس دیتے ہیں، وہ خود بھی صاحب تصانیف ہیں، متعدد اچھی اچھی کتابیں ان کی لکھی ہوئی ہیں،

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن [2] ایضاً ص۴۸۵،

اس ملک کا کوئی قصبہ ایسا نہیں ہے جہاں امام ابو حنیفہ کے مقلد نہ ہوں، یہاں نہ تو مالکی اور حنبلی ہیں اور نہ معتزلہ، یہ لوگ سیدھے راستے پر ہیں، پسندیدہ، نیکی اور عفت کا مذہب رکھتے ہیں، تعصب، غلو اور فتنہ سے اللہ نے ان کو نجات دی ہے[1]۔

برآمد طوران سے فانیذ (سفید شکر) باہر جاتا ہے، جو ماسکان سے زیادہ عمدہ ہوتا ہے اور سندان سے چاول بکثرت تاجر لے جاتے ہیں، اور کپڑا بھی یہاں کا اچھا ہوتا ہے، سندھ میں فرش فروش اچھے تیار ہوتے ہیں، بہت بڑی تعداد یہاں سے ناریل کی برآمد ہوتی تھی، خاص منصورہ سے کنبھاتی جوتا جو بڑا نفیس ہوتا تھا، عراق اور دوسرے ممالک میں تاجر لیجا کر بڑا نفع اٹھاتے، یہ اس قدر بھڑکدار اور خوبصورت ہوتا تھا کہ ثقہ لوگ اس کا استعمال کرنا عیب سمجھتے تھے، البتہ امراء، شاہزادے اور شوقین مزاج لوگوں میں اس کا خوب رواج تھا[2] اس ملک سے ہاتھی، ہاتھی کے دانت، جڑی بوٹیاں اور دوسری اعلیٰ درجہ کی چیزیں بھی باہر جاتی ہیں، قسط ہندی، بید وغیرہ بھی لوگ لیجاتے ہیں[3]،

تول اور ناپ ملتان، سندھ (منصورہ)، ہند (قندھار) اور طوران میں وزن کرنے کا من وہی ہے جو عام طور سے مکہ میں رائج ہے جس کو مکی من کہتے ہیں، اور جس پیمانہ سے طوران میں ناپا جاتا ہے اس کو کیجی کہتے ہیں، جس میں چالیس من گیہوں سما جاتا ہے، کبھی کبھی ایک درہم کے آٹھ کیجی ملتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ چار درہم میں، ملتان کے پیمانہ کا نام مطل ہے جس میں بارہ من گیہوں ناپا جاتا ہے[4]،

سکے سندھ کے سکہ کو قاہریات کہتے ہیں جس کے پانچ درہم ہوتے ہیں، اس کے علاوہ طاطری کا بھی رواج ہے، اٹھ درہم کا ایک طاطری ہوتا ہے،

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن [2] کتاب البروج ص۱۱۰ مصر [3] احسن التقاسیم ص۴۸۱ و ص۴۸۲،

ملتانی سکے خلفائے فاطمیہ (مصر) کے نمونہ پر ہوتے ہیں، لیکن غزنہ کا سکہ قندی کا بھی رواج ہے، جو تین کے قرومن کے مشابہ ہے، مگر قرومن ان کے نزدیک بڑا ہوتا ہے۔

مخصوص اشیاء اس ملک کی مخصوص چیزیں جو نادر شمار کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک وہ اونٹ ہیں، جو فارس اور دوسرے مشرقی ممالک میں دیکھے جاتے ہیں جس سے "بخاتی" اونٹ پیدا کئے جاتے ہیں، اور وہ "بخت" نسے بڑا ہوتا ہے۔ اس کے دو کوہان ہوتے ہیں، وہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے، وہ عام لوگوں کے استعمال میں نہیں آتا ہے، بلکہ امراء، شاہزادے اور بادشاہوں کے لئے مخصوص ہے، پوشش کی چیزوں میں کنبھاتی جوتا بہت مشہور ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، میووں میں ایک پھل اخروٹ کے برابر ہوتا ہے جس کو آم کہتے ہیں، یہ بڑا لذیذ ہوتا ہے، دوسرا پھل لیموں ہے، جو زرد آلو کی طرح ہے، مگر بڑا کھٹا ہوتا ہے۔

لباس وضع اور حلیہ یہ لوگ لمبی لمبی زلفیں رکھتے ہیں، کرتے پہنتے ہیں، یہاں کے امراء ہندوؤں کی طرح کان میں سوراخ کرتے ہیں، ازار کا زیادہ استعمال ہے۔ کرتا چوغہ اور مشائخ کا مخصوص لباس ہے، اور ہلکا لباس کام میں لاتے ہیں، اور ملتانی عمامہ ٹھوڑی کے نیچے تک نہیں باندھتے ہیں۔

دریا سندھ کا مشہور دریا مہران ہے، (جس کو دریائے سندھ کہتے ہیں) یہ پانی کی کثرت مٹھاس اور مگرمچھ کی زیادتی میں بالکل مصر کے دریائے نیل کی طرح ہے، جن پہاڑوں سے جیحون نکلتا ہے، اسی کے اطراف سے یہ دریا بھی جاری ہے، (یعنی اس کا منبع ہمالیہ کے پہاڑ ہیں) یہ وہاں سے چلکر ملتان کے پاس میدانی علاقہ میں بہتا ہے، پھر یہاں سے منصورہ ہوتے ہوئے دیبل کے پاس سمندر میں گر جاتا ہے، اور دریائے نیل ہی کی طرح اس کے چڑھاؤ کے وقت زراعت ہوتی ہے، ایک دوسرا دریا سندرز؟ ہے جو بڑا اور شیریں ہے ملتان سے تین مرحلہ دور دیبل پر ہے

نه بشاری مقدسی کا یہ بیان بالکل اصطخری کے مطابق ہے صفحہ ۳۸۲،

(غالباً اس سے اٹک یا جہلم مراد ہے)

مندر یوں تو اس ملک میں بکثرت مندر ہیں، جہاں مختلف قسم کی مورتیاں ہیں، مگر زیادہ مشہور دو مندر ہیں

۱۔ "بیدا" کا مندر ہے، جس میں دو مورتیاں پتھر کی بنی ہیں، وہ اس ترکیب سے بنائی گئی ہیں کہ جب کوئی ان کو چھونے کا ارادہ کرکے ہاتھ لگائے تو وہ اوپر کو بلند ہو جاتی ہیں، اور اس کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا، اسی سبب سے لوگ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ طلسم اور جادو کی بنی ہوئی ہیں دونوں مورتیاں سنہری اور روپہلی ہیں، جو جاتری یہاں آتا ہے اس کا خیال ہے کہ ہر وہ چیز جو ان سے مانگی جائے وہ دی جاتی ہے، اور ہر دعا یہاں مقبول ہوتی ہے،

یہاں ایک سبز پانی کا چشمہ کیاری کی طرح جاری ہے، اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہے، اس کے آس پاس گڑھے پتھر اس قسم کے ہیں کہ ان سے زخم اچھے ہو جاتے ہیں، مندروں میں دیوداسیوں کی کثرت ہے، ان کی بدکاری کی آمدنی کا ایک حصہ پجاری لیتا ہے، اس ملک میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری لڑکی کی عزت ہو تو وہ ان کو دیوداسیوں میں شامل کرکے مندر کی خدمت کے لئے وقف کر دیتا ہے، اس مندر کے لئے اور قسم کے بھی اوقاف ہیں،

میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مرتد ہو کر ہندو ہو گیا تھا، اور اس مندر کے بت کی پوجا کرتا تھا، پھر نیشاپور جب واپس ہوا تو مسلمان ہو گیا،

(۲) ملتان کے مندر میں بھی ایک مورتی ہے، یہ مندر ایک محل میں ہے، جو بازار کے آباد ترین حصہ میں واقع ہے، اس کے بیچ میں بڑا خوبصورت قبہ ہے، اور اس کے گرد پجاریوں کے مکانات ہیں، وہ بت آدمی کی شکل کا ہے، جو اینٹ اور چونے سے بنی ہوئی کرسی پر پالتی مارے بیٹھا ہے، اس کو سرخ چمڑے کا لباس جو سنجاب کے مشابہ ہے پہنا دیا ہے، جس سے سوائے آنکھوں کے

کچھ نظر نہیں آتا، اور ان دونوں آنکھوں میں دو لال (لعل) لگا دیے ہیں، سر پر سونے کا تاج رکھا ہے، اس کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہیں اور انگلیاں اس طرح سے ہیں، کہ گویا وہ حساب کے لئے چار گن رہا ہے۔[1] اس کے علاوہ اور بہت سے مندر ہیں جو ان سے کم تر درجہ کے ہیں۔

کران، راہوق، ویل، ارمابیل، قنبلی کی زمین زیادہ تر سبز دانی کھیت ہیں، یہ مقامات تجارتی بندرگاہیں ہیں، ان کے پاس بڑی بڑی چراگاہیں ہیں، جن میں بیشمار مویشی چرتے رہتے ہیں، لیکن وہ خشک میدان ہیں۔

سندان، چیمور، کھنبایت بڑے سرسبز اور شاداب شہر ہیں، یہ چاول اور شہد کے کان ہیں، دریائے سندھ کے کنارے میدان ہیں، اور عربوں کی خاصی آبادی ہے۔

حدود اربعہ

اس زمانہ میں سندھ کے حدود مندرجہ ذیل تھے۔

مشرق میں بحر فارس (بحر عرب) مغرب میں کرمان اور سجستان (سیستان)، کا میدان شمال میں بقیہ ہندوستان کے ملک، جنوب میں مکران کا میدان اور قفص (قفچ یعنی قبچاق کے باشندے غالباً اس سے مراد پٹھان ہیں) کے پہاڑ، اس کے پیچھے بحر فارس۔

بحر فارس (جس کو آجکل بحر عرب کہتے ہیں)، ان اطراف کے مشرقی اور جنوبی ممالک کو گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ یہ سمندر چیمور سے لے کر تیز (مکران) تک پھیلا ہوا ہے، پھر گھوم کر فارس اور کرمان کو اپنے دائرہ میں لے لیتا ہے۔[2]

مقدسی نے جو حدود اربعہ اوپر بیان کئے ہیں ان میں زیادہ تر مکران کی سمت کا خیال رکھا ہے، جس کو اس نے سندھ میں شمار کیا ہے، ورنہ اس کے ساتھ سندھ کا ملک زیر نظر رکھتے مشرق میں بحر فارس کے ساتھ (جو کرمان سے متصل ہے) سندھ کے متصل پنجاب اور راجپوتانہ

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ ۱۸۷۷ء لیڈن۔ یہ بیان بھی اصطخری کے تحریر کردہ حالات کے مطابق ہے۔ [2] ایضاً

اور مارواڑ کا ملک بھی ہے جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں ہند کہتے تھے، اسی طرح جنوب میں سندھ سے متصل بحر فارس (بحر عرب) کے ساتھ کچھ کارن اور جزیرہ کچھ واقع ہے۔

ٹیکس محصول

جب ضلع طوران میں تجارتی مال غیر ممالک سے داخل ہو یا وہاں سے باہر دوسرے ملک کو نکاسی کی جائے یعنی درآمد ہو یا برآمد فی بوجھ (غالباً اس سے مراد ایک اونٹ کا بوجھ ہے) چھ درہم (۶ درہم) ہے، لیکن آٹا کا محصول زیادہ ہے، یعنی فی بوجھ ۱۲ درہم (تین روپیہ) ہندوستان سے اگر درآمد ہو تو فی بوجھ بیس درہم (۲۰ درہم) البتہ سندھ سے جو مال آئے تو افسر کے اندازہ پر اس کا محصول ہے، کمائے ہوئے چمڑے پرانی چمڑا ایک درہم (۱ درہم) مقرر ہے، اس طرح سے کل سالانہ آمدنی دس ہزار ہے، (الف الف درہم) جو عُشر (دسواں حصہ) کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔[1] ملتان تک مال لیجانے میں فی بوجھ ۱۵۰ درہم علاوہ کرایہ کے خرچ ہوتے ہیں۔[2]

فاصلہ اور مسافت

تیز مکران سے کیس (کیز پایہ تخت مکران) تک ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر پنجپور (پنجگور) تک دو مرحلہ (۲۴ میل)، اس کے بعد درک ۳ مرحلہ (۳۶ میل)، راسک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) پھل پورہ ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اصفقہ ۲ مرحلہ (۲۴ میل) بند ایک مرحلہ (۱۲ میل) بہ ایک مرحلہ (۱۲ میل)، قصر قند ایک مرحلہ (۱۲ میل) ارمابیل ۶ مرحلہ (۷۲ میل) دیبل ۴ مرحلہ (۴۸ میل)، تیز سے قصدار (قزدار) تک طول میں ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل) ہے۔ اور منصورہ سے دیبل تک ۶ مرحلہ (۷۲ میل) اور منصورہ سے ملتان تک ۲۰ مرحلہ (۲۴۰ میل) اور منصورہ سے بدھ کی سرحد تک ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر تیز تک ۱۵ مرحلہ (۱۸۰ میل) اور ملتان سے غزنہ ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) ہے جس میں جنگل اور بیابان پڑتے ہیں، اور کبھی کبھی اس کو تین ماہ میں طے کرتے ہیں، ایک بوجھ کے کرایہ کے علاوہ ۱۵۰ درہم اس پر خرچ آتا ہے۔

[1] بشاری مقدسی ص ۴۸۴ [2] ایضاً ص ۴۸۶

ملتان سے منصورہ کے راستہ میں ۴۰ فرسخ (۱۲۰ میل) تک تو آبادی ہی آبادی گاؤں وغیرہ کی ہے، لیکن ایک سو فرسخ (۳۰۰ میل) تک آبادی بہت کم اور میدان زیادہ ہے، پھر منصورہ سے قزدار تک ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) کیکانان (یا کیزکانان) ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) سیوہ (سیہون) ۲۴۰ میل، ولاشتان ۲۴۰ میل، ساغن ۱۸۰ میل،

پھر قزدار سے مشکی ۱۵۰ میل، جالق ۹۰ میل، خواش ۹۰ میل، سرائے شہر ۹۰ میل، نہر سلیمان ۹۰ میل، درہغان ۱۵۰ میل، جیرفت (مکران) ۱۵۰ میل،

پھر ملتان سے بالس تک دس مرحلہ (۱۲۰ میل)، قندابیل ۴ مرحلہ (۴۸ میل) قصدار ۵ مرحلہ (۶۰ میل)، اور قندابیل سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل) یا ملتان تک ۱۰ مرحلہ (۱۲۰ میل) لیکن میدان ہی میدان ملے گا۔

پھر منصورہ سے کامہل ۸ مرحلہ (۹۶ میل) اور کھنبائت ۴ مرحلہ (۴۸ میل) سوپارہ ۴ مرحلہ (۴۸ میل) اور یہ سمندر سے تین میل پر خشکی میں واقع ہے، اور سندان سے جیمور ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر سراندیپ (لنکا) ۱۰۰ میل،

ملتان سے بسمد ۲ مرحلہ (۲۴ میل) اور رور (الور) ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اتری ۴ مرحلہ (۴۸ میل) قلری ۲ مرحلہ (۲۴ میل)، منصورہ ایک مرحلہ (۱۲ میل) کامہل ایک مرحلہ (۱۲ میل)[1]،

ملتان کے بت کا خاتمہ

بشاری مقدسی کے بیان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ ۳۷۵ھ تک یہاں کا بت موجود تھا، اور بیرونی نفس بت کے متعلق لکھتا ہے کہ "ملتان" کے مشہور بتوں میں سے "آدت" نامی سورج دیوتا کا بت تھا، جو لکڑی سے بنا ہوا سرخ چمڑا پہنے ہوئے اور آنکھوں میں دو یاقوت رکھتا تھا، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ بت کرتا جگ (کرت جگ) کے وقت سے ہے، اگر یہ صحیح

[1] حسن التقاسیم ص۴۸۶ لیڈن،

مان لیا جائے تو اس وقت تک دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس (۲۱۶۴۳۲) برس ہوئے، اور اگر ہجری چار سو بتیس نکال دیے جائیں[1] تو بھی دو لاکھ سولہ ہزار رہ جاتے ہیں، اور کسی طرح یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ اتنے سال تک لکڑی بغیر سڑے گلے رہ سکتی ہو[2]،

پھر لکھا ہے کہ اس کا خاتمہ جلم بن شیبان نے کیا جو ۳۶۲ھ کے بعد ملتان پر قابض ہو گیا تھا، لیکن اس کا خاتمہ کس طرح ہوا، اس کو زکریا بن محمود قزوینی نے اس طرح لکھا ہے کہ کوئی شخص اس بت کے لئے تاج اور انگشتانہ بطور نذر کے لایا، اور اس کے اندر روئی بھری ہوئی تھی جو تیل سے تر کر لی گئی تھی، اس نے موقع پا کر آہستہ سے اس میں آگ لگا دی اور خود دور جا کر کھڑا ہو گیا، اس طرح وہ بت جل گیا[3]، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بت سنگین نہ تھا، بلکہ لکڑی ہی کا تھا اور اسی سبب سے جلد جل گیا، جس کو چمڑے کا لباس پہنا دیا گیا تھا، اور لکڑی جب سڑ جاتی ہوگی تو بدل دیا کرتے ہوں گے، مگر عوام میں مشہور کر رکھا ہوگا کہ کبھی تبدیل نہیں کی جاتی، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جلم بن شیبان نے غالباً فتنہ کے خیال سے علی الاعلان جلانا پسند نہ کیا، بلکہ کسی کو بھیج کر اس تدبیر سے جلوایا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے،

ملتان میں مندرجۂ ذیل قسم کے بت سیاحوں نے اپنے سفرناموں میں تحریر کیے ہیں۔

(۱) وہ بت جس میں سے محمد بن قاسم نے سونا برآمد کیا تھا، ۹۳ھ

(۲) وہ مندر جس کو محمد بن قاسم نے صرف اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ملتان شہر کی دولت اسی سے تھی،

(۳) وہ مندر جس میں لوہے کا بت معلق تھا جیسا کہ ابن ندیم نے لکھا ہے، یحیی برمکی کا عہد ۱۹۰ھ

(۴ و ۵) "جنگ بت" اور "زنگ بت" دو بت پہاڑوں کے درمیان کھود کر بنائے گئے تھے،

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کتاب الہند ۴۳۲ھ میں بیرونی نے تصنیف کی [2] کتاب الہند ص۵۶ لیڈن، [3] سبعۃ الاقالیم قلمی ص۸ و ص۹ کتبخانہ حبیب گنج علی گڑھ،

(۶) وہ مشہور بت جس کا تذکرہ سب لوگوں نے کیا ہے، یہ سورج دیوتا کا بت آدت نامی تھا، سب سے پہلے اس کا ذکر ابو زید حسن سیرافی نے کیا ہے، سنہ ۲۶۴ھ

(۷) وہ مورتی جو چوبی تھی، ابن رستہ نے اس کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے، سنہ ۲۹۰ھ

(۸) وہ مندر جس میں سورج دیوتا کی مورتی آدت نامی تھی، مسعودی نے بھی لکھا ہے، سنہ ۳۰۳ھ

(۹) اسی مندر کا ذکر ابن مہلہل نے کیا ہے سنہ ۳۳۱ھ

(۱۰) پھر اسی مندر کا حال بہ تفصیل اصطخری نے کیا ہے، سنہ ۳۴۰ھ

(۱۱) اسی مشہور بت کا حال ابن حوقل بغدادی نے تحریر کیا ہے۔ سنہ ۳۶۷ھ

(۱۲) اسی سورج کی مورتی کی کیفیت بشاری مقدسی نے لکھی ہے، سنہ ۳۷۵ھ

(۱۳) البیرونی نے بھی اسی کی حقیقت لکھی ہے، سنہ ۴۳۲ھ

(۱۴) زکریا قزوینی نے اسی کے جلائے جانے کا حال درج کیا ہے، جو سنہ ۳۷۵ھ کے بعد اور البیرونی سے قبل سنہ ۴۰۰ھ سے پہلے عمل میں آیا،

---

(۳)

اسمٰعیلی سلطنت

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ ملتان[1] میں بنو سامہ کی حکومت تھی، یہ خالص عربی النسل خاندان تھا، ان کا سلسلہ قریش سے لوی بن غالب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اسی لوی کی اولاد میں سامہ تھا اور اسی نسبت سے بعد کو یہ خاندان بنو سامہ کہلانے لگا، لیکن ملتان میں اس خاندان کی جو شاخ حکمران تھی، اس کو پچھلے مورث کے سبب سے "بنو منبہ" کہتے ہیں،

یہ خاندان کب سے ملتان میں حکمران تھا، تاریخ کی زبان اس معاملہ میں خاموش ہے، ملتان میں سب سے پہلا مسلمان حاکم جس کو محمد بن قاسم فاتح سندھ نے مقرر کیا، وہ امیر داؤد نصر بن ولید عمانی تھا، اس کے بعد تقریباً پچاس برس تک ملتان کے متعلق کوئی بات تاریخ میں نہیں ملتی، سنہ ۱۵۱ھ میں ہشام بن عمرو تغلبی حاکم منصورہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ ملتان اگر فتح کر لو، تو اس طرف سے ہندوستان میں آگے بڑھنے کا موقع آسانی سے مل سکے گا،

چنانچہ اس نے ملتان فتح کر لیا، مگر وہ بجائے آگے ہندوستان جانے کے واپس ہو کر قندھار کی طرف نکل گیا، یعقوبی نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، اس سے صاف طور پر

[1] البیرونی نے لکھا ہے کہ اس قدیمی شہر کے بہت نام ہیں، کاشپ (کشتپ) پور، ہنس پور، بگھ پور، سانب پور، سوبیراور، اس کو جھراوہ بھی کہتے ہیں، (ص ۱۵۵) آخری نام اس کا مول استھان ہوا، اسی سے مولستان اور پھر کثرت استعمال سے مولتان (ملتان) ہو گیا۔ ص ۱۴۹،

معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مسلمان ہی کی حکومت تھی، اور بجائے ہندوستان کے دوسری طرف نکل جانے سے یہ بھی خیال آتا ہے کہ شاید دونوں میں صلح ہو گئی ہو، اور اسی لئے وہ آگے نہیں بڑھا، اس کے بعد پھر ملتان کا کوئی ذکر تاریخوں میں نہیں ملتا، ۱۸۴ھ میں محمد بن عدی والی سندھ ملتان جاتا ہے مگر شکست کھا کر واپس چلا آتا ہے، اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے، اول تو یہ کہ ملتان الگ ریاست تھی، جس کا تعلق سندھ سے نہ تھا، دوسرے یہ کوئی اسلامی ریاست تھی، غیر مسلموں کی نہ تھی، ورنہ کسی طرح سے بھی مورخوں نے اس کا ذکر ضرور کیا ہوتا، جیسا کہ برہمن آباد اور ارور کا حال لکھا ہے، پھر تقریباً سو برس تک کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، ۲۷۰ھ میں ابن رستہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس وقت ملتان میں بنو منبہ کی حکومت ہے، پس سوال یہ ہے کہ بنی منبہ کی حکومت کب سے شروع ہوئی، میرا خیال یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے بعد سندھ میں جو ابتری پھیلی اس سے فائدہ اٹھا کر امیر داؤد نصر بن ولید عمانی نے خود مختار حکومت قائم کر لی،

امیر داؤد عمانی النسل تھا، اور عمان میں بنو سامہ عرصہ سے مقیم تھے، اس لئے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ داؤد ہی کی نسل ۳۷۵ھ تک ملتان میں بنو منبہ کے نام سے حکومت کرتی رہی تو غیر موزوں بات نہ ہوگی، کیونکہ اس کے برخلاف کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گذری، اور چونکہ برہمن آباد اور الور (الرور) وغیرہ مشرقی سندھ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو گیا تھا، اور خانہ جنگی اکثر ہوتی رہی اس لئے سندھ کا حاکم اس طرف رخ نہ کر سکا،

ایک دوسری صورت یہ بھی فرض کی جا سکتی ہے، کہ امیر داؤد نصر اور اس کا خاندان ملتان میں حکومت کرتا رہا، ادھر بنو سامہ بھی عمان سے آکر سندھ میں آباد ہوتے رہے، اور پھر آہستہ آہستہ طاقتور ہو گئے، چنانچہ عہد مامون میں انہی کے ایک غلام فضل بن ماہان نے سندھ کے

آخری حصہ سندان پر قبضہ کر لیا جیسا کہ اوپر گذرا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنو سامہ طاقتور ہو گئے تھے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہباری خاندان نے آہستہ آہستہ طاقت پیدا کر کے زیریں سندھ پر قبضہ کر لیا، اسی طرح بنو سامہ طاقتور ہو کر ملتان پر قابض ہوئے،

تاریخوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنو سامہ کا عروج عمان میں ۲۶۹ھ میں ہوا ہے، اور یہی وہ وقت ہے جب ضمہ نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا تھا، ہباری خاندان اور ضمہ کی خانہ جنگی نے سندھ میں بدامنی پیدا کر دی تھی، غالباً اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بنو سامہ ملتان پر قابض ہو گئے، پس اگر یہ مان لیا جائے تو اسد قریشی پہلا شخص ہوگا جو ملتان کا حاکم ہوا، اس کا عہد حکومت ۲۶۹ھ سے ۲۷۹ھ تک قرار دیا جا سکتا ہے،

۳۰۳ھ میں مسعودی آیا ہے، اس نے ملتان کے حاکم کا نام ابو اللباب منبہ بن اسد قریشی لکھا ہے، ابن حوقل اور اصطخری نے ملتان کے حال میں یہ تو لکھا ہے کہ بنو سامہ کی حکومت ہے، مگر حاکموں کے نام نہیں دئے، غرض ۳۶۷ھ تک اس خاندان کی حکومت قطعی طور پر ہم کو معلوم ہے[1] لیکن ۳۷۵ھ میں بشاری مقدسی جب سندھ آیا ہے، تو اس وقت بنو سامہ کے بجائے اسمٰعیلی ملتان کے حکمران تھے، اس طرح تقریباً سو برس بنی سامہ کی حکومت ملتان میں رہی۔

اسمٰعیلی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سیدنا حضرت امام جعفر صادقؑ کے انتقال کے بعد شیعوں میں دو فرقے ہو گئے، ایک نے سیدنا حضرت موسیٰ کاظمؑ بن سیدنا جعفر صادقؑ کو امام اور جانشین تسلیم کیا، اور دوسرے نے سیدنا حضرت اسمٰعیلؑ بن امام جعفرؑ کو، اور چونکہ سیدنا حضرت اسمٰعیلؑ انتقال کر چکے تھے، اس لئے ان کے لڑکے سیدنا حضرت محمدؒ امام قرار پائے، پھر سیدنا حضرت احمد وفی اور آپ کے جانشین سیدنا حضرت محمد تقی الحبیب ہوئے، اور آپ کے بعد سیدنا حضرت

[1] حدود العالم ذکر سندھ، مطبوعہ طہران،

حسین الرضی اور آپ کے خلیفہ سیدنا امام عبداللہ (عبیداللہ) المہدی ہوئے، جو افریقہ میں سلطنت فاطمیہ کے بانی ہیں[1]، اسی فرقہ کو اسماعیلیہ کہتے ہیں،

عبداللہ المہدی نے جہاں تمام ممالک اسلامیہ میں اپنے داعی بھیجے وہاں سندھ میں بھی ۲۷۰ھ میں بعہد عبداللہ بن عمر ہباری ایک داعی ہیثم نامی بھیجا، یہ اسماعیلیوں کا پہلا داعی ہے[2]، ان کا مرکز اس وقت شام کے ایک مقام سلمیہ میں تھا، تمام احکامات اسی جگہ سے جاری ہوتے تھے، مہدی نے جب افریقہ پر تسلط حاصل کر لیا تو قیروان اور پھر مہدیہ مرکز ہو گیا، سندھ میں داعی یکے بعد دیگرے آتے رہے، اور ملک کو انقلاب کے لئے تیار کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، منصورہ میں تو یہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے، مگر ملتان والے ان کے ہمنوا ہو گئے، یہ لوگ وقت کے منتظر رہے، یہاں تک کہ اسماعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر) متوفی ۳۸۶ھ نے ۳۴۷ھ میں جلم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ سندھ بھیجا، یہ کس راستہ سے گیا؟ اس کے متعلق ابھی کوئی بات محقق طور پر نہیں کہی جا سکتی، ممکن ہے کہ یہ لوگ خراسان ہو کر آئے ہوں، کیونکہ اسماعیلیوں کا خراسان میں بڑا اثر (رسوخ) تھا، اور ہو سکتا ہے کہ مکران کے شہر تیز (بندرگاہ) سے ملتان پہنچے ہوں کیونکہ اس عہد میں مکران پر جو والی تھا، وہ فاطمیوں کا خطبہ پڑھتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر کوئی حملہ باہر سے نہیں کیا، بلکہ اندرون شہر بغاوت کرا کے خود مددگار بنا، اور پھر سردار ہو گیا، بنو منبہ کا خاندان چونکہ اس اچانک حملہ سے بےخبر تھا، اس لئے وہ تباہ ہو گیا، اور یہ قیاس اس لئے میں نے کیا کہ اس کی متعدد مثالیں اسماعیلیوں کی تاریخ میں موجود ہیں،

جلم بن شیبان ۳۴۷ھ

اس نے ملتان پر قبضہ کر کے فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، یہ ملتان کا

[1] اسماعیلی مذہب ۲۹ و ۲۱ نبی ۱۹۳۶ء [2] تاریخ فرقۂ اسماعیلیہ مرتبہ بہار، جلد سوم بمبئی ص ۴۲۳ [3] طبقات ناصری ص ۸ کلکتہ،

پہلا فاطمی حاکم ہے، اس نے ملتان کے اس قدیم مندر کو توڑ ڈالا، جو فتح ملتان کے وقت سے آج تک محفوظ چلا آتا تھا، اور جس کے باعث ملتان کے حاکموں کو مالی اور سیاسی فوائد حاصل ہوتے تھے، اور اس کی جگہ ایک جامع مسجد بنا لی، اور محمد بن قاسم کے وقت کی جامع مسجد کو بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کرا دیا[1]، یہاں ایک کنڈ بھی تھا، جس کی جاترا کے لئے لوگ دور دور سے آتے اور غسل کرتے، جو ہندوؤں کے نزدیک کار ثواب تھا[2]،

جلم بن شیبان نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ سلطنت کو بہت مضبوط بنایا، آس پاس کے ہندو راجوں سے ربط و اتحاد بڑھا کر ایک دوسرے کی امداد کرنے کا معاہدہ کر لیا، کیونکہ ہمسایہ اسلامی سلطنتوں سے جو خلیفۂ بغداد کی تابع تھیں کسی طرح سے امداد کی امید نہ تھی،

شیخ حمید ۳۴۷ھ تا ۳۹۰

جلم بن شیبان نے کب تک حکومت کی؟ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن بیرونی راوی ہے، کہ ملتان کا بت جلم بن شیبان نے توڑا، (ص ۵۶) جو ۳۶۲ھ کے بعد اس پر قابض ہوا تھا، بشاری مقدسی ۳۷۵ھ کے بعد یہاں آیا ہے، اور اس نے اس بت کو صحیح و سالم دیکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ بت ۳۷۵ھ کے بعد توڑا گیا، اور اس وقت تک ابن شیبان زندہ تھا، پھر ہم کو دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ہی ملتان کے تخت پر شیخ حمید حکمراں ہے، اور بقول فرشتہ شیخ حمید اور امیر سبکتگین دونوں ہمعصر ہیں، امیر سبکتگین نے ۳۶۷ھ میں تخت غزنہ پر قدم رکھا، اس وقت قندھار، بامیان، طخارستان، غور، قصدار (قزدار) کابل، لبست، لمغان، پشاور اور ہندوستان کے دوسرے سرحدی علاقے اس کے زیر نگیں نہ تھے، اس نے ۳۶۶ھ میں لبست پر قبضہ کیا، اور ۳۶۷ھ میں قصدار کو مطیع بنایا[3]، اور اسی سال کے آخر میں چند قلعے ہندو راجاؤں سے چھین لئے، ۳۴۳ھ میں ملتان پر جلم بن شیبان نے قبضہ حاصل کیا، بس

[1] کتاب الہند بیرونی طبع لیڈن ص ۵۶، [2] ایضاً ص ۲۴۶ [3] طبقات ناصری ص ۸ [4] کامل جلد ۸ ص ۵۶،

جلم بن شیبان اور سبکتگین دونوں اگرچہ ہمعصر ہیں، مگر اس کے عہد تک سبکتگین کا ملتان پر حملہ کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کا حملہ حمید کے وقت میں ہوا۔ کیونکہ غزنہ اور ملتان کے درمیان ابھی ایسے علاقے موجود تھے، جن کا فتح کرنا باقی تھا، اس لئے اس نے سندھ کی جانب نہیں اس طرف توجہ کی، اور کابل فتح کر کے ہند کی سرحد پر حملہ کرنا شروع کیا،

اس وقت ہندوستان میں چھوٹے بڑے بیشمار حکمراں تھے، ان کا کوئی مرکز نہ تھا، قنوج کا راجہ اپنے آپ کو ادھے راج کہتا تھا، مگر وہ بھی برائے نام، بنگال، قنوج، لاہور، کالنجر، گوالیار، اجمیر، دہلی، گجرات، مالوہ، اڑیسہ وغیرہ میں راجپوتوں کی خود مختار سلطنتیں تھیں چونکہ غزنہ اور کابل کی سرحد لاہور اور ملتان سے ملی ہوئی ہے، اس لئے سبکتگین کو سب سے پہلے واسطہ انہی لوگوں سے پڑا،

اس وقت لاہور کا راجہ جے پال تھا، اس نے دیکھا کہ سرحدی قلعے سبکتگین کی ترکتازی سے بچتے نظر نہیں آتے، اس لئے اس نے ایک بڑی فوج تیار کی، اور سرحد پر روانہ ہوگیا، سبکتگین کو بھی اس کی خبر ہوگئی، وہ بھی آپہنچا، غزنہ کی سرحد پر دونوں فوجیں جنگ آزما ہوئیں، راجہ نے اپنی شکست مان کر صلح کر لی، اور تاوان جنگ ادا کرنے کے وعدہ پر واپس لاہور آیا، اور ضمانت کے طور پر اپنے کچھ لوگ امیر کے پاس رہنے دئے[1]،

لاہور واپس آنے پر اس نے بدعہدی کی، اور جو لوگ تاوان وصول کرنے اس کے ساتھ آئے تھے ان کو قید کر دیا جب اس کی خبر غزنہ پہنچی تو امیر کو بڑا غصہ آیا، اس نے ایک جرار لشکر تیار کر کے لاہور کا ارادہ کیا، راجہ کو بھی اس کی خبر ہوگئی، راجہ کو اس کے ارکان دولت نے بہت سمجھایا کہ بدعہدی نہ کرو، اس کے باعث ملک کو سخت نقصان ہوگا، مگر وہ اپنے

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۹ نولکشور،

غرور میں اس قدر مدہوش تھا، کہ کسی کی نصیحت پر اس نے کان نہ دھرا، اب غزنہ سے لشکر کشی کی خبر سن کر اس نے بھی تیاری شروع کر دی، اس نے دیکھا کہ خود تنہا مقابلہ کی طاقت نہیں، ارکین دولت ناراض ہیں، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کو امداد کی دعوت دی، چنانچہ قنوج، دہلی، اجمیر اور کالنجر کے راجاؤں نے خصوصیت سے اپنے لشکر بھیجے، اور ہر طرح کی مالی امداد کی، اس وقت راجہ کے پاس ایک لاکھ سوار اور بیشمار پیادے تھے، ترک ابھی غزنہ ہی میں تھے کہ راجہ لشکر لے کر غزنہ پر حملہ آور ہوا، دونوں لشکر جب غزنہ کی سرحد لمغان[1] پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو سبکتگین نے دیکھا کہ دشمن کے پاس لشکر زیادہ ہے، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ پانچ پانچ سو کا دستہ تیار کیا، (غالباً یہ رزرو یعنی محفوظ فوج ہوگی)

جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایک ایک دستہ بھیجنا شروع کیا، اس کی تازہ دم فوج ہونے کے باعث ہر دفعہ ایک نئے جوش سے حملہ کرتی، آخر انجام یہ ہوا کہ راجہ کی فوج لحظہ بلحظہ کمزور ہوتی گئی، امیر نے یہ صورت دیکھ کر اجتماعی حملہ کا حکم دیا، ترکوں کے اس حملہ کی تاب ہندوستانی نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے، ترکوں نے دریائے سندھ تک ان کا تعاقب کیا، ہزاروں تہ تیغ ہوئے، اور بیشمار مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا، امیر سبکتگین نے اپنے ایک امیر کو دو ہزار سوار دے کر پشاور میں قیام کا حکم دیا تاکہ لمغان اور پشاور سے دریائے سندھ تک کا انتظام کرے[2]،

غزنہ سے لے کر پشاور تک کا علاقہ پہاڑی ہے، جہاں سردی بہت پڑتی ہے، اور برفباری کی کثرت سے اکثر درے بند ہو جاتے ہیں، اور اسی سبب سے یہاں کے باشندے جاڑوں

[1] لمغان کا اصلی نام لنبگ دل، ن، اب اگ ہے غالباً اسی کو معرب یا مفرس کر کے لمغان کر دیا (برانی ۱۰۳)، [2] فرشتہ جلد اول نولکشور

ہیں آمد و رفت جاری نہیں رکھتے ہیں، اور موسم بہار آتے ہی اپنے اپنے دروں سے نکل آتے ہیں، یہ حالت آج بھی موجود ہے، چنانچہ ہر سال سرحدی پٹھان موسم بہار آتے ہی حرکت میں آجاتے ہیں، آپس کے قبائل میں خانہ جنگی ہو یا کسی سلطنت سے مقابلہ ہو اسی موسم میں جنگی کارروائیاں ہوتی ہیں، اور سردی آتے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں،

فرشتہ نے جنگ جے پال کے بعد لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں امیر نوح سامانی نے اپنی مدد کے لئے امیر سبکتگین کو طلب کیا، (صہ ۲۰) اور دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ ۳۸۳ھ میں وہ نیشاپور گیا۔[1]

ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے قیاس یہ ہے کہ سبکتگین کی پہلی جنگ راجہ جے پال کے ساتھ آخر ستمبر یا ابتداء اکتوبر ۹۹۰ء مطابق ۳۸۰ھ میں ہوئی، یہ موسم آخری برسات کا تھا، اور اس کے بعد ہی سردی آنے والی تھی جس سے درے بند ہو جاتے، راجہ کی فوج (ہندوستانی عام طور پر) ایسی سردی برداشت کرنے کی عادی نہ تھی، اور غزنوی لشکر کو بھی درہ بند ہو جانے کے باعث واپسی میں مشکلات کا سامنا ہوتا کیونکہ یہ علاقہ غنیم کا تھا اس لئے دونوں نے بہ مجبوری صلح کر لی اور اپنے اپنے دار السلطنت کو واپس گئے، موسم سرما ختم ہو جانے پر غالباً مارچ یا اپریل ۹۹۱ء مطابق ۳۸۱ھ میں دوسری جنگ راجہ جے پال اور ترکوں سے پھر ہوئی، جس میں دریائے سندھ تک امیر غزنہ کے ماتحت ہو گیا،

اب ملتان کی حالت اس وقت یہ تھی کہ شمال اور شمال مشرق کی حد راجہ جے پال سے ملتی تھی، اور مغرب میں ترکوں کا علاقہ اس سے متصل ہو گیا تھا جنوب میں منصورہ کی حکومت تھی،

چونکہ ملتان کے بادشاہ کا ہمسایہ ہندو سلطنتوں سے معاہدۂ اتحاد ہو چکا تھا اس لئے اغلب یہی ہے کہ اس جنگ میں اس نے ہندوؤں کا ساتھ دیا ہوگا، یا بغایت مجبوری بظاہر سیاسی طور پر اس نے طرفداری کا اعلان کر دیا ہوگا، اور مخفی طور پر کافی طریقہ سے امداد کی ہوگی، کیونکہ امیر ملتان خوب

[1] زین الاخبار ص۵۵ ،

سمجھتا تھا کہ عباسی اور فاطمی سلطنتوں کی رقابت کے باعث ترک اگر فتح پا گئے تو ہماری خیر نہیں اور آس پاس کی کسی اسلامی ریاست سے امداد کی توقع نہ تھی اور مصر اور یمن دور تھا جہاں سے فوری امداد آ سکتی، اس لئے وہ ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دینے پر قدرتی طریقے سے مجبور تھا،

پس سبکتگین نے کچھ فتوحات میں اضافہ کے خیال سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ملتان نے جنگ میں دشمنوں کا ساتھ دیا ۳۸۱ھ یا ۳۸۲ھ میں اس نے ملتان والوں سے باز پرس کی، اس وقت ملتان کا امیر شیخ حمید تھا، پس معلوم ہوا کہ حلم بن شیبان نے ۳۶۷ھ اور ۳۸۰ھ کے درمیان میں انتقال کیا، شیخ حمید نے دیکھا کہ تنہا مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور آس پاس کوئی مددگار نظر نہیں آتا اس لئے ترکوں سے اس نے صلح کر لی، اور غالباً سالانہ خراج پر معاملہ طے ہو گیا،

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "الپتگین کے عہد میں سبکتگین نے جو سپہ سالار تھا لمغان اور ملتان پر حملے کئے اور بہت مال غنیمت حاصل کیا، پھر جب سبکتگین نے تخت غزنہ پر قدم رکھا تو شیخ حمید نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ ترکوں کے ساتھ مصالحت کر لے، چنانچہ امیر غزنہ سے استدعا کی کہ ہم دونوں مسلمان ہیں، اس لئے ہم دونوں میں اتحاد ہونا چاہئے، اور براہ کرم آپ جب ہندوستان پر حملہ کریں تو کچھ فوج اور عمر کی تعیین کر دیں تاکہ حملہ آور فوج سے یہ ملک محفوظ رہے، امیر غزنہ نے اس کو قبول کیا، اور اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا، اور جے پال کو شکست دینے کے بعد ملتان پر اسی شیخ حمید کو حاکم بحال رکھا۔[1]"

طبقات ناصری میں ہے کہ بخارا کے امیر عبد الملک سامانی نے ۳۴۹ھ میں خراسان کا سپہ سالار الپتگین کو بنایا تھا کہ ۳۵۰ھ میں اس کے انتقال کر جانے پر نئے امیر منصور بن نوح سے نہ بنی۔ اس لئے وہ خراسان سے غزنہ چلا آیا،[2] اور ابو علی انوک والی غزنہ کو نکال کر خود اس پر قابض ہو گیا، پھر زابلستان

[1] فرشتہ جلد اول ص۱۸ نولکشور [2] زین الاخبار ص ۴۳ طبع برلن ،

یعنی غزنہ سے لے کر قندھار تک کا علاقہ فتح کر لیا[1]، اور آٹھ سال کے بعد ۳۵۲ھ میں وفات پا گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا اسحاق تخت نشین ہوا لیکن ایک سال کے بعد وہ بھی انتقال کر گیا، (۳۵۵ھ) پھر ترکوں میں سب سے زیادہ لائق اور بزرگ ملکا تگین تھا، جس نے غزنہ کا تخت سنبھالا، دو سال کے بعد یہ بھی چل بسا تو ۳۶۱ھ میں امیر پری کو غزنہ کا سردار بنایا، لیکن لوگ اس کے مظالم سے نالاں تھے، اس لئے لوگوں نے امیر ابوعلی لُوک سے خط و کتابت کی، اس نے ۳۶۶ھ میں شاہزادہ کابل کی مدد سے غزنہ پر حملہ کر دیا، سبکتگین نے اس کو شکست دی، واپسی کے بعد ماہ شعبان ۳۶۶ھ میں ارکین دولت نے اس کو تختِ غزنہ پر بٹھایا،[2]

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سبکتگین کو الپتگین کے عہد میں کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا، اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ باثر ترک موجود تھے، اور اسی سبب سے دوسرے لوگ الپتگین کے جانشین ہوتے رہے، سبکتگین کی اصلی شہرت اسحاق کے وقت سے شروع ہوئی جب کہ وہ امیر لُوک سے شکست کھا کر بخارا برائے امداد گیا تھا، اور اس لئے اس کا اس مصیبت میں ساتھ دیا، اسحاق نے بخارا سے واپسی کے بعد جب غزنہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو سبکتگین اس کا سکریٹری (مدار المہام) ہو گیا،[3] پھر ملکا تگین کے عہد میں بھی اسی عہدہ پر رہا،[4] البتہ امیر پری کے زمانہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ فوج سپہ سالار ہو گیا تھا،

پس معلوم ہوا کہ فرشتہ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ الپتگین کے عہد میں وہ سپہ سالار تھا، اور اس نے لمغان اور ملتان پر حملہ کیا، اور اس وقت ملتان کے تخت پر شیخ حمید تھا، کیونکہ الپتگین ۳۵۱ھ میں غزنہ پر قابض ہوا اور ۳۵۲ھ میں انتقال کر گیا، اور اس وقت تک ملتان میں کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا، اور بنو سامہ کی سلطنت بدستور قائم تھی، چنانچہ ابن حوقل جب ۳۶۷ھ میں ملتان آیا ہے

[1] طبقات ناصری ص ۸ کلکتہ [2] ایضاً [3] طبقات اکبری ص ۵ جلد اول کلکتہ [4] طبقات ناصری ص ۸،

تو اس وقت تک بنو سامہ ہی کی حکومت تھی، غالباً جلم بن شیبان نے ملتان پر ۳۷۲ھ کے بعد قبضہ کیا، بس یہ تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ الپتگین کے عہد میں شیخ حمید تھا، البتہ یہ ممکن ہو کہ الپتگین نے غزنہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختلف اطراف میں لوٹ مار اور بدامنی پیدا کرنے کے لئے اپنی فوجوں کو بھیجا ہو، اور اسی میں سبکتگین بھی ہو جو اچانک یلغار کرتا ہوا ملتان پر آ گیا ہو، اور لوٹ مار کر کے واپس ہو گیا ہو، جیسا کہ علاء الدین خلجی دولت آباد (دیوگیری) پہنچ گیا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ اسی لوٹ مار اور اچانک حملہ سے بنو قبیہ (بنو سامہ) بہت کمزور ہو گئے ہوں، مالی اور فوجی طاقت زائل ہو گئی ہو جس نے جلم بن شیبان کے انقلاب کے لئے راستہ صاف کر دیا، جیسا کہ محمد شاہ کے عہد میں نادر شاہ کے حملہ نے دہلی کی رہی سہی طاقت بھی زائل کر دی، اور مرہٹوں کے لئے راستہ بالکل صاف ہو گیا،

اب صرف ایک بات رہ گئی کہ شیخ حمید کا جلم بن شیبان سے کیا تعلق تھا، بظاہر تاریخ سے تو اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، ہو سکتا ہے کہ اس کا لڑکا ہو، کیونکہ اسماعیلی تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، کہ داعی کا لڑکا داعی اور والی کا بیٹا والی بنایا گیا ہو جیسا کہ افریقہ، سسلی اور گجرات کی تاریخوں سے واضح ہے،

شیخ نصر

کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ شیخ حمید کا کب انتقال ہوا، اور کتنی مدت اس نے حکومت کی اور اس کا لڑکا نصر برسرِ حکومت بھی تھا یا نہیں،

امیر سبکتگین اور شیخ حمید کا معاہدہ غالباً ۳۸۲ھ میں ہوا اور اس کے بعد سبکتگین خراسان کے معاملہ میں کچھ ایسا الجھا کہ مر کر ہی اٹھا، ۳۸۷ھ میں اس کے انتقال کے بعد امیر محمود اس کا جانشین ہوا، امیر محمود بھی ابتدا میں زیادہ خراسان ہی کی طرف رہا، اور جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو غزنہ واپس آیا، پھر ہندوستان کی طرف اس نے توجہ کی، اور ۳۹۲ھ میں ریاست وسطے ہند کو فتح کیا،[1]

[1] زین الاخبار ص ۶۰ برلن، حدود العالم ذکر ہند مطبوعہ طہران،

جو قندھار کے علاقہ میں راجہ جے پال کے ماتحت راجپوتوں کی ایک مشہور ریاست تھی،

۳۹۶ھ میں محمود نے جب ملتان پر پہلا حملہ کیا ہے، تو اس وقت ملتان کے تخت پر شیخ ابو الفتوح داؤد بن نصر تھا، پس شیخ حمید سے لے کر داؤد تک ۱۵۔۱۶ برس کا عرصہ ہوا، اس عرصہ میں ترکوں نے ملتان میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، یہ دلیل اس بات کی ہے کہ شیخ حمید اور اس کا لڑکا نصر (بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ نصر نے بھی حکومت کی) دونوں ترکوں کے مطیع اور وفادار رہے[1]

فتح ابو الفتوح داؤد بن نصر ۳۹۶ھ: معلوم نہیں کہ کب تخت نشین ہوا لیکن ۳۹۶ھ سے اس کا تخت ملتان پر قبضہ یقینی ہے، فرشتہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ شیخ حمید کے تعلقات سبکتگین کے ساتھ بڑے خوشگوار رہے، لیکن اس کا پوتا ابو الفتح (ابو الفتوح) داؤد بن نصیر (نصر) بن حمید جو ملاحدہ (اسمٰعیلیہ) میں سے تھا، ابتدا میں اس کا طرز عمل اپنے باپ دادوں کے قدم بقدم رہا، لیکن ۳۹۵ھ میں اس نے غیر وفادارانہ حرکت کی،[2]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابو الفتوح داؤد بن نصر ۳۹۵ھ یا اس سے قبل تخت نشین ہو چکا تھا،

ملتان کی سرحد سے متصل ایک مضبوط قلعہ مقام بھاٹیہ میں تھا، اگرچہ اس کا قلعہ لاہور کے تابع تھا، مگر اس کا حاکم بجے راؤ لاہور کے راجہ کی پرواہ نہیں کرتا، تقریباً اپنے کو خود مختار سمجھتا، اپنی دولت اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہو کر غزنہ کے حکام کے ساتھ کسی سرحدی معاملہ میں بدعنوانی سے پیش آیا، سلطان محمود کو جب اس کی خبر ہوئی تو ۳۹۵ھ میں ایک جرار لشکر لے کر ملتان کی سرحد سے گذرتے ہوئے بھاطیہ (بھاٹیہ) جا پہنچا، بجے راؤ نے اپنی شکست سے مایوس ہو کر خود کشی کر لی، قلعہ فتح ہو گیا، اور محمود مال غنیمت لے کر غزنہ واپس آیا،

[1] عربی تاریخوں میں اس کا نام ابو الفتوح داؤد بن نصر ہے۔ [2] فرشتہ جلد اول ص ۲۴ نولکشور،

چونکہ یہ جنگ ملتان کی سرحد پر ہوئی تھی، اس لئے سلطان محمود کو بجا طور پر یہ خیال تھا کہ ملتان کی ریاست اس معاملہ میں ہر طرح کی امداد دے گی، لیکن غالباً معاملہ اس کے برعکس ہوا، نوجوان داؤد نے اپنی ناتجربہ کاری سے ترکوں کی امداد نہ کی، بلکہ اس کے برخلاف ایسی کارروائیاں کیں جس سے محمود ناراض ہو گیا، محمود اس وقت تو کچھ نہ بولا، لیکن غزنہ پہنچکر فوجی تیاری میں مشغول ہو گیا، ۳۹۶ھ میں تازہ دم فوج لے کر ملتان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا مگر وہ خوب جانتا تھا کہ اگر میرے اس حملہ کی خبر داؤد کو ہو گئی تو وہ اپنے بچاؤ کی فوراً کوئی تدبیر کرے گا، اس لئے درۂ بولان کے قریبی راستہ کو چھوڑ کر درہ خیبر کی طرف سے دریائے سندھ پار اترنا چاہا، لاہور کے تخت پر اس وقت جے پال کا لڑکا انند پال تھا، اور یہ علاقہ اسی کے ماتحت تھا، محمود نے اس سے کہا کہ مجھے راستہ دیدو تاکہ آسانی کے ساتھ میں ملتان چلا جاؤں، انند پال نے کسی صورت سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی بلکہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا،

سوال یہ ہے کہ انند پال نے ایسا کیوں کیا؟ ممکن ہے کہ اس نے ایسا سمجھا ہو کہ محمود کی فوج جب ملک میں ایک دفعہ آ جائے تو شاید قبضہ نہ کر لے، لیکن تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ اس حملہ کی خبر ابو الفتوح داؤد کو بھی ہو گئی، وہ یہ سن کر بہت گھبرایا (اور غالباً لاہور کے راجہ سے اس کا معاہدہ تھا، کہ وقت پر ایک دوسرے کی مدد کرے) اس لئے اس نے راجہ انند پال کو اس کی اطلاع دی، اور اس نے حق ہمسایگی اور سیاسی مصلحت کی بنا پر ایک فوج لے کر محمود کا راستہ روکنے کے خیال سے پشاور پہنچا، دونوں میں جنگ ہوئی، راجہ شکست کھا کر بھاگا، ترکوں نے اس کا تعاقب دریائے چناب تک کیا، راجہ نے جب بلا اپنے پیچھے آتے دیکھی تو اس نے بھاگ کر کشمیر کے دروں میں پناہ لی،[1]

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۴ و ص ۲۵ نولکشور،

محمود نے بھی اس کا پیچھا چھوڑ دیا، اور بھٹنڈا کی راہ سے ملتان جا پہنچا، داؤد نے بچشم عبرت دیکھا کہ انند پال جو اس سے زیادہ طاقتور راجہ تھا، اس پر کیا گذری تو اس نے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، اور قلعہ بند ہو گیا، محمود نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ سات روز تک رہا، آخر شہر کے معزز لوگوں نے یہ دیکھ کر دونوں میں صلح کرا دی اور معاہدہ میں یہ طے ہوا کہ امیر ملتان ہر سال دو لاکھ درہم غزنہ بطور خراج بھیجا کرے[1]، اور غالباً یہ بھی طے ہوا کہ ملتان کا ایک حصہ جو غالباً دریائے سندھ سے متصل تھا وہ محمود کو دے دیا جائے؛

اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخوں میں درج ہے کہ دوسری دفعہ جب وہ ملتان پر حملہ آور ہوا، تو بقیہ ملک پر بھی قبضہ کر لیا[2]، اور یہ کام محمود نے صرف اس لئے کیا کہ آئندہ اگر پھر اس قسم کی ضرورت پیش آئی تو چکر کاٹ کر دوسروں کے ملکوں سے آنے کی ضرورت پیش نہ آئے، اور چونکہ دونوں کی سرحد اب متصل ہو گئی اس لئے حملہ کے وقت فوجی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکے گی،

محمود اس طرف سے اطمینان کر کے غزنہ واپس چلا گیا، لیکن یہ بات اس کے دل میں کھٹکتی ہی کہ انند پال نے مزاحمت کر کے خواہ مخواہ اس کا نقصان کیا، وہ طاقت جو ملتان کی فتح میں صرف ہوتی انند پال کے مقابلہ میں خرچ ہوئی، اس لئے انند پال کو سبق دینے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا، مگر اتفاق سے ایلک خاں ترکوں کے بادشاہ نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا، اس کی مدافعت کے لئے اس کو خراسان جانا پڑا، ترکوں پر فتحیاب ہو کر واپس ہونے ہی والا تھا کہ ربیع الآخر ۳۹۸ھ میں اس کو خبر ملی کہ سکھ پال نومسلم جس کو ملتان کے مفتوحہ ممالک کا والی بنایا تھا، باغی ہو گیا ہے اس لئے یلغار کرتا ہوا

[1] زین الاخبار ص ۶۶ و ص ۶۵ برلن، لیکن عتبی نے دو کروڑ درہم لکھا ہے اور الیٹ صاحب نے فرشتہ کے حوالہ سے بیس ہزار دینار لکھا ہے اور تحفۃ الکرام جلد دوم ص ۱۱ بمبئی میں صد ہزار دینار (دس کروڑ درہم) تحریر کیا ہے؛

[2] زین الاخبار ص ۶۷ و طبقات اکبری ص ۱۰ جلد اول کلکتہ،

غزنہ واپس گیا، جہاں باغی گرفتار کر کے لایا گیا تھا،

اب اس کو ایک گونہ اطمینان تھا، اس لئے انند پال کی گوشمالی کے لئے ایک فوج تیار کی۔ انند پال کو بھی اس کی خبر ہو گئی، اس نے دیکھا کہ تنہا محمود سے نبٹنا بہت مشکل ہے، اس لئے اس نے اس جنگ کو ایک قومی جنگ کا رنگ دے کر ہندوستان کے تمام شمالی ہند بلکہ مالوہ اور گجرات کے راجاؤں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی، ان لوگوں نے بھی اس کی دعوت پر لبیک کہا، اور کوشش کی گئی کہ اس کا جوش عوام تک پھیل جائے، چنانچہ اس تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ ملکی یا قومی جنگ کے عوض اب یہ مقدس جنگ (جہاد) قرار پائی، خواص سے لے کر عوام تک نے اس میں ہر طرح سے حصہ لیا، یہاں تک کہ عورتوں نے اپنا زیور بیچ کر، بوڑھی عورتوں نے چرخہ کات کر اور غریبوں نے مزدوری کر کے اس کے سرمایہ میں چندہ دیا، غالباً اسی جوش و خروش کو دیکھ کر ملتان کے امیر نے بھی اس میں شرکت کی، اس نے خیال کیا ہوگا کہ ہندوستان کے تمام راجوں کی متفقہ فوج کے مقابلہ میں محمود ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا، پس اگر ملکی لوگوں کا اس وقت ساتھ دیا جائے تو سیاسی اعتبار سے دو فائدے ہوں گے، اول محمود سے آزادی حاصل ہو جائے گی، اور دوسرے راجاؤں سے اتحاد ہو جانے کے باعث ان کی دست درازی سے بھی بچے رہیں گے،

غرض ہندوستانی راجاؤں کی متحدہ فوج پنجاب پہنچی، اور انند پال کے ماتحت روانہ ہو کر پشاور کے میدان میں خیمہ زن ہوئی، ان لوگوں نے خیال کیا ہوگا، کہ جس طرح ۵۲۸ء میں سفید ہنوں کے سردار مہرگل کو ہندوستان کی متحدہ فوج نے نکال باہر کیا، اور سفید ہنوں سے ہندوستان کی زمین پاک ہو گئی، اسی طرح ترکوں کے وجود سے بھی ہندوستان کی خاک پوتر ہو جائے گی،

۳۹۹ھ میں محمود بھی اپنی فوج لے کر پہنچا، اور ان کے مقابل ٹھہر گیا، چالیس روز تک آمنے سامنے دونوں خیمہ زن رہے مگر کسی نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کیا، لیکن محمود نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج

روزانہ بڑھتی جاتی ہے اور ہر طرف سے ہر روز ان کو نئی امداد مل رہی ہے، تو اس نے پہلے یہ حکم دیا کہ فوج کی دونوں جانب خندقیں کھودی جائیں، جب خندقیں تیار ہو گئیں تو ایک ہزار تیر اندازوں کو آگے بڑھنے کا حکم کیا، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوتے ہی جنگ شروع ہو گئی، اور ہر دو طرف کے سوار قوت آزمائی کرنے لگے، غزنوی فوج اس فکر میں تھی کہ ہندوستانی فوج کو آہستہ آہستہ اپنے مرکز کی طرف کھینچ لائے پھر ان کو محاصرہ میں لے لے، یا متحدہ حملہ سے ان کو پاش پاش کر دے، ترک تقریباً اس میں کامیاب ہو چکے تھے، کہ باوجود انتہائی حفاظت کے اچانک تین ہزار گکھڑ (یا کھوکھر) پہاڑی قوم خندق پار ہو کر فوج میں گھس آئی اور قتلِ عام شروع کر دیا، تین چار ہزار ترک شہید ہو گئے، فوج میں اس طرح ابتری پیدا ہو گئی کہ خود محمود کو بھی فوج سے علیحدہ ایک گوشۂ عافیت میں پناہ لینی پڑی، اور بڑی مشکل سے ان کو اسلامی لشکر سے باہر کیا، غالباً محمود نے ان کو جلد دفع کرنے کے خیال سے جنگ دوسرے دن پر موقوف کرنے کا ارادہ کیا، ابھی معرکہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اچانک شور و غل اور نفط اندازوں کی آگ سے گھبرا کر انند پال کا ہاتھی بھاگا، اس کی فوج نے شکست پر محمول کیا، وہ بھی بھاگی، دوسرے ساتھیوں نے بھی یہ دیکھ کر ان کا ساتھ دیا، اس طرح انند پال کی متحدہ فوج کو خود بخود شکست حاصل ہو گئی[1]،

غالباً سلطان محمود کو امیر ملتان کی اس روش سے بے حد غصہ آیا ہوگا، ایسے وقت میں وہ بجا طور پر اس سے امداد کا متوقع تھا، اس لئے ایسے منافق دوستوں سے ملک کو پاک کر دینا اس نے اپنا فرض سمجھا، مگر اس کی خواہش تھی کہ ۳۹۶ھ کی طرح وہ ناکام واپس نہ جائے، اس لئے وہ غالباً اس وقت اپنے غصہ کو پی گیا، اور امیر ملتان سے کوئی پرسش نہیں کی وہ چاہتا تھا کہ اچانک اس پر اس طرح حملہ کیا جائے کہ کسی طرح بچ کر نہ نکل سکے،

چنانچہ محمود توجہ پھیرنے کے خیال سے ۴۰۰ھ میں نگر کوٹ (کانگڑا) کے قلعہ بھیم کی طرف

[1] خلاصہ از فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۶ نولکشور،

روانہ ہوا، یہ ایک سرحدی مقام تھا، اور ہر فاتح اس کی اہمیت کو کافی طور پر سمجھتا تھا، اسی سبب سے عرب فاتحوں نے بھی اس پر توجہ کی تھی، دوسری صدی ہجری میں یہاں ایک ریاست چنیاپت کے نام سے تھی، اور اسی کے ماتحت یہ تمام علاقے تھے[1]، جنید والیٔ سندھ نے اس ریاست کے تمام سرحدی قلعے اپنے زیرنگیں کر لئے تھے، لیکن اس کے بعد پھر ملکی لوگ اس پر قابض ہو گئے،

محمود نے ایک تو سرحدی مقام ہونے کے باعث اس پر قبضہ ضروری سمجھا تھا، دوسرے جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ ہو جاتا ان گکھڑوں (کھوکھر) کو کافی سزا نہ دے سکتا، جس کی گوشمالی کے لئے یہ فوج کشی کی گئی تھی، کیوں کہ یہ پہاڑی قوم انہی اطراف میں رہتی تھی بلکہ ابتدائے سلطنت مغلیہ تک اسی جگہ اس کا قیام تاریخوں سے ثابت ہے، یہ بڑی ہی فتنہ انگیز اور شریر قوم تھی، اور تاوقتیکہ مسلمان ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر نہ پہنچ گئی ہمیشہ پنجاب کے حاکم کو ستاتی رہی،

غرض سلطان محمود غزنوی نے اس کو تین دن محاصرہ رکھا تھا کہ صلح سے اس پر قابض ہو گیا اور مالِ غنیمت لے کر غزنہ واپس آیا[2]،

۴۰۱ھ میں اس نے پہلے غوریوں پر حملہ کر کے فتح حاصل کی، پھر ایک بڑی فوج لے کر اس تیزی سے ملتان آ گیا کہ ملتانیوں کو تیاری کا موقع نہ مل سکا، غالباً یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، مگر محمود نے ایک زبردست اور پرزور حملہ کر کے ملتان فتح کر لیا، پھر ایک باغی شہر کا جو حال ہو سکتا تھا وہ اس کا ہوا، اس نے باغیوں کو سختی سے سخت سزا عبرت کے لئے دی، کسی کا ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالا کسی کو قتل کیا، اور بڑی تعداد کو قید کر دیا، انہی میں شیخ داؤد بن نصر بن حمید بھی تھا جس کو گرفتار کر کے محمود غزنہ لے گیا، یہ قلعہ غورک میں اس وقت تک نظر بند رہا کہ اس جہان سے چل بسا[3]،

[1] غالباً چنبہ کے نام سے آج جو ریاست ہے اور پنجاب کے ضلع کے درمیان موجود ہے یہی چنیاپت نہ ہو۔ [2] سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کا تحریر کرنا چونکہ میرا مقصود نہیں ہے، اس لئے اس کی تفصیل نظر انداز کر دی ہے۔ [3] زین الاخبار صفحہ ۷۲ برلن،

اب صوبہ ملتان پر محمود غزنوی کا مکمل قبضہ ہو گیا، یہاں اس نے ایک حاکم مقرر کر دیا، محمد بن قاسم نے جب ملتان فتح کیا تو دیکھا کہ ملتان کی آبادی اور اس کا تمول فقط اس بت کے سبب ہے جس کی جاترا کے لیے لوگ دور سے آتے ہیں اور بیش قیمت نذرانے اس کے آگے رکھتے ہیں، پس اس نے بت کے گلے میں گائے کا گوشت ڈال کر چھوڑ دیا، جس سے اس کا مقصود فقط یہ دکھانا تھا کہ اس میں خدائی کوئی طاقت نہیں،

پھر لکھتا ہے کہ محمد بن قاسم نے یہاں ایک جامع مسجد تیار کرائی، لیکن جب جلم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کیا، تو اس نے اس بت کو توڑ ڈالا، اور اس کے پجاریوں کو قتل کر دیا، اور وہ محل جو اینٹوں سے زمین کے کسی بلند حصہ پر تیار ہوا تھا، اور جس میں وہ بت تھا، جلم بن شیبان نے اسی جگہ ایک جامع مسجد تیار کی، اور محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد اس لئے بند کر دی کہ وہ بنی امیہ کے عہد کی یادگار تھی، پھر سلطان محمود غزنوی نے جب ملتان پر قبضہ کیا تو پہلی مسجد یعنی محمد بن قاسم کی مسجد کو آباد کیا اور جلم بن شیبان کی بنائی ہوئی دوسری مسجد کو بند کر دیا،[1]

منصورہ کے اسماعیلی

منصورہ پر اسماعیلی کب قابض ہوئے، اس کے متعلق کوئی صحیح بات نہیں کہی جا سکتی، ۳۷۵ھ تک تو یقینی طور پر یہاں ہباری خاندان کی حکومت تھی[2]، اور مذہبی طور پر ابو داؤد ظاہری محدث کے مقلد تھے، کیونکہ اسی سنہ میں بشاری مقدسی آیا ہے، اور بڑے اچھے الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، لیکن ابن اثیر نے ۴۱۶ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ لوگ قرامطہ (اسماعیلی) تھے[3]،

یہ تو یقینی ہے کہ منصورہ ملتان کے ماتحت نہ تھا، یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ۳۷۵ھ اور ۴۰۱ھ

[1] مگر اس کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی ہے [2] کتاب الہند بیرونی ص ۵۶ لیڈن، ۳ احسن التقاسیم ص ۴۷۹ [3] کامل جلد ۹ ص ۲۴۳ لیڈن،

کے درمیان اس پر ملتانی اسماعیلیوں نے قبضہ کیا ہو، کیونکہ ایسی صورت میں جب سلطان محمود کا قبضہ ملتان پر ہوا تو جس طرح ملتان کے تمام اضلاع اور قلعوں پر حکومت کے لئے اس نے والی بھیجے منصورہ پر بھی بھیجا ہوتا، مگر کہیں اس کا تذکرہ نظر سے نہیں گذرا، اب صرف دو صورتیں رہ گئیں،

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ ۳۷۵ھ سے لے کر ۳۹۶ھ کے درمیان زمانہ میں اسماعیلیوں نے منصورہ میں بھی ایسا ہی انقلاب کیا ہو جیسا ملتان میں کیا تھا، لیکن منصورہ کی اسماعیلی حکومت اب بھی ملتان سے الگ رہی ہو، پس اسماعیلیوں کی گویا دو حکومتیں علیحدہ علیحدہ تھیں، ایک ملتان میں، اور دوسری منصورہ میں، اس لئے سلطان محمود غزنوی کے ملتان کے حملہ کا منصورہ پر کوئی اثر نہ پڑا ہو،

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ۴۰۱ھ میں جب سلطان محمود نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور داؤد کو گرفتار کر کے غزنہ بھیج دیا تو اسماعیلیوں نے اپنی منتشر طاقت کو مجتمع کر کے اچانک منصورہ پر قبضہ کر لیا ہو، کیونکہ ہباری خاندان اس وقت بہت کمزور ہو رہا تھا، اس کے مقبوضات کے کچھ حصے پر دوسرے اس وقت قابض تھے،

ان دونوں نظریوں کے متعلق اس وقت تک کوئی علمی شہادت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ قیاس سے دوسری صورت کو ترجیح دی جا سکتی ہے،

منصورہ کی حکومت کا خاتمہ

غرض منصورہ میں ۴۱۶ھ تک اسماعیلیوں کی خود مختار سلطنت تھی، ۳۷۵ھ میں اس کے حدود یہ تھے، دریائے سندھ کے شمال مشرق میں الور تک، اور شمال مغرب میں سدوستان کا علاقہ شامل تھا، مشرقی جنوب میں کاٹھل سندھ کی سرحد تھی، اور مغربی جنوب میں دیبل، قنبلی اور ارمابیل اس کی آخری حد تھی،

۵۰ برس کے بعد سلطنت کی کمزوری سے ممکن ہے کہ حدود میں کچھ تغیر آ گیا ہو، خاص کر قنبلی اور ارمابیل کا علاقہ مکران میں شامل ہو گیا ہو، کیونکہ ان دونوں سرحدی علاقوں کے لئے اکثر مکران کے

والی لڑاتے رہے ہیں، اور جب کبھی منصورہ سے زیادہ طاقتور ہوتے تو یہ دونوں علاقے دبا لیتے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں علاقے والیٔ منصورہ کے ماتحت نہ ہوں،

تاریخ کامل میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ محمود نے منصورہ کی (قرامطہ) اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ محمود غزنوی ہندوستان کے ان تمام راجاؤں سے ایک ایک کر کے بدلہ لے رہا تھا جنھوں نے انندپال کے ساتھ مل کر محمود پر حملہ کیا تھا، اور بلا وجہ محمود کو دعوت جنگ دی تھی چنانچہ قنوج، کالنجر، گوالیار وغیرہ کو شکست دے چکا تھا، اب گجرات کے راجہ کی باری تھی، اس نے ۴۱۶ھ میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملتان اور جیسلمیر ہو کر راجپوتانہ کے صحرائے اعظم کو طے کیا، اور گجرات جا دھمکا، راجہ خود کاٹھیاوار بھاگا، محمود نے وہاں بھی تعاقب کیا، یہاں سے کنتھ کوٹ چلا گیا، سلطان وہاں بھی جا پہنچا، آخر وہ پہاڑوں میں جا گھسا، محمود فتح یاب ہو کر کچھ کے چھوٹے رن سے سندھ آیا، اور چونکہ اس راستہ میں لشکر نے پانی کے نہ ملنے سے بڑی تکلیف اٹھائی تھی، اس لئے وہ دریائے سندھ کے کنارے کنارے ملتان جانے کا قصد رکھتا تھا، مگر یہ راستہ منصورہ کی سلطنت سے ہو کر جاتا تھا اس لئے قدرتی طور پر منصورہ کے والی کو ناگوار ہوا ہوگا، اور دوسرے ان کو یہ بھی شبہہ ہوا ہوگا کہ شاید محمود اس بہانہ سے میرے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ ملتان پر وہ قبضہ کر چکا تھا، اس طرح وہ حقیقی دشمن بھی تھا، اس لئے والیٔ منصورہ نے چاہا ہوگا کہ کسی صورت سے اس کی روک تھام کرے اور محمود کو راستہ بدلنے پر مجبور کر دے، لیکن محمود کا یہ راستہ اختیار کرنا بالکل اچانک تھا، منصورہ والے قبل سے جنگ کے لئے تیار نہ تھے، انھوں نے یہ حرکت کی ہوگی کہ خود تو پس پردہ رہے، اور دریائے سندھ کے کنارے کے جاٹوں اور میدوں کو ابھار دیا ہوگا، اور حتی الامکان خفیہ طور پر ان کی

۱ دیوان فرخی ص۶۷ مطبع کابل شہر ۱۳۱۱ھ گجراتی تاریخوں میں بھی یہی ہے، مگر پروفیسر ناظم صاحب نے محمود کی لائف میں نہ معلوم کس طرح یہ قیاس کیا ہے کہ کنتھ کوٹ سے مراد جزیرہ سنگھودرہ ہے،

امداد کرتے ہوں گے، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی کابل پر حملہ کے وقت پٹھانوں نے بارہا انگریزی فوج کے ساتھ یہ حرکت کی جن کو خلیج فارس کے ذریعہ روس یا جرمنی سے برابر امداد ملتی تھی، چنانچہ محمود نے جب سندھ میں قدم رکھا، اور راستہ طے کرنا شروع کیا تو ان سندھیوں نے فوج کو بہت تنگ کیا

محمود گردیزی لکھتا ہے، کہ "سلطان محمود منصورہ کے راستہ سے دریائے سندھ کے کنارے ملتان کی طرف چلا، اس راستہ میں لشکر پر بڑی مصیبت آئی صحرا کے ریگستان اور سندھ کے جاٹوں سے بہت تکلیف پہنچی، اس سبب سے بہت آدمی اور جانور ہلاک ہو گئے[1]"

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "سندھ کے جاٹوں نے سومناتھ سے واپسی کے وقت سلطان محمود کے لشکر کو طرح طرح سے تکلیف دی، اور ان کے ساتھ سخت بدتمیزی سے پیش آئے[2]"

محمود اور اس کے لشکر نے جہاں تک ہو سکا اس کا علاج کیا، رات کو سامان وغیرہ جو لوٹ لیجاتے تھے اس کا بھی انتظام کیا، منصورہ (برہمن آباد) کے مقابل جب سلطان آیا تو غالباً اب اس کو اصل حقیقت معلوم ہوئی ہوگی، اس نے مناسب سمجھا کہ منصورہ والوں سے پہلے سمجھے، اس لئے اس نے فوراً منصورہ پر حملہ کر دیا، منصورہ والوں میں اس اچانک حملہ کو رد کرنے کی طاقت نہ تھی اس لئے اس شہر کے امیر خفیف نے وہاں سے بھاگ کر جھاڑیوں میں جان چھپانی چاہی، سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی تعاقب کرتا ہوا اس جگہ جا پہنچا، اور دو طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا، منصورہ والوں میں سے اکثر تو مارے گئے، کچھ دریا میں غرق ہو گئے اور بہت تھوڑے سے لوگ جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے، ابن اثیر نے لکھا ہے:-

"اور سلطان نے منصورہ کا قصد کیا، یہاں کا والی اسلام سے پھر گیا تھا، (یعنی اسماعیلیہ ہو گیا تھا) تو جب اس کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل گیا، اور اپنے

۱ زین الاخبار ص۸۶ برلن ۲ فرشتہ جلد اول ص۳۵ نولکشور،

آدمیوں کو لے کر جھاڑیوں میں چھپ گیا، سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا، اور دو طرف سے اس پر حملہ آور ہوا، اس میں بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب گئے، تھوڑے بچ گئے، پھر بھاٹیہ ہوتا ہوا غزنہ چلا گیا، جہاں ۱۰ صفر ۴۱۷ھ میں پہنچا۔[1]

سلطان محمود کا درباری شاعر حکیم فرخی سیستانی اس سفر میں سلطان کے ساتھ تھا اس نے واپسی کے بعد سلطان کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے، اس میں اس سفر کے واقعات بہ تفصیل لکھے ہیں، منصورہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "سلطان سومنات کے بعد کندہ (کنتھ کوٹ) کے قلعہ پر حملہ آور ہوا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، پھر منصورہ کی طرف روانہ ہوا، وہاں کا امیر خفیف نامی تھا، وہ یہ سن کر منصورہ سے بھاگ نکلا، حالانکہ اس کے پاس جنگی ہاتھی، لشکر، مال سب کچھ موجود تھا، پھر بھی وہ سلطان کا مقابلہ نہ کر سکا۔[2]

یہ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے جس پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اس نے منصورہ کے بادشاہ کا نام "خفیف" لکھا ہے، اور یہ نام ان ناموں سے مشابہ ہے جو تاریخوں میں سومرہ اسماعیلیوں کے مذکور ہیں، چنانچہ سومریوں کے ناموں میں جہاں "بھونگر"، "دودا"، "چنیسر" وغیرہ ہیں، وہاں ایک نام "خفیف" بھی ہے۔[3]

اس نام کی شباہت سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو منصورہ کے انقلاب کے متعلق میں نے اوپر تحریر کیا ہے، یعنی منصورہ کے انقلاب کو ملتان کے اسماعیلیوں سے کچھ تعلق نہ تھا، وہ خالص عرب تھے، ملتان کی تباہی کے بعد وہ پھر نہ جم سکے، بخلاف اس کے منصورہ کے اسماعیلی مقامی باشندے (سندھی مسلمان) تھے، جو عرب و سندھ کی مخلوط النسل قوم تھی، اور عرصۂ دراز سے سندھ میں یہ لوگ آباد تھے، ان کی چھوٹی بڑی زمینداریاں بھی تھیں،[4] غالباً انہی زمینداروں میں سے خفیف کا خاندان تھا

۱؎ کامل ابن اثیر جلد ۹ ص ۱۲۹ مصر ۲؎ دیوان فرخی ص ۶۷ مطبوعہ کابل ۳؎ معصومی بیان سومرہ ۴؎ تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۲۵ بمبئی۔

جو طاقتور ہو کر اچانک منصورہ پر قابض ہو گیا، منصورہ کی سلطنت ختم ہو جانے سے گو اسماعیلیوں کی ظاہری حکومت کا خاتمہ ہو گیا، مگر مصر سے روحانی تعلقات قائم رہے، کیونکہ مصری حکومت کا قاعدہ تھا کہ جہاں ظاہر حکومت نہ ہوتی، تو مرکزیت قائم رکھنے کے لئے مذہبی عمال ضرور بھیجتی، یا مقامی آدمی کو مذہبی خطاب دے کر وہاں کا حاکم تسلیم کر لیتی، جیسا کہ یمن اور گجرات میں ہوتا تھا، چنانچہ سندھ میں بھی ایسا ہی ہوا، کہ سومرہ نامی ایک طاقتور زمیندار کو ان لوگوں نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا، اور یہی وہ خاندان ہے کہ جو ... محمود غزنوی کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد میں جب سلطنت میں کمزوری کے سبب بدامنی پیدا ہوئی تو سندھ پر قبضہ کر کے خاندان سومرہ کا بانی ہوا جس کی مختلف شاخوں نے پانچ سو برس حکومت کی۔[1]

محمود کا سندھی جاٹوں پر حملہ

سلطان محمود نے منصورہ فتح کر لینے کے بعد یقیناً جاٹوں کو بھی سزا دینا چاہا مگر جاٹوں کی حالت کا اندازہ لگا کر اس کو کسی آئندہ وقت کے لئے موقوف رکھا، کیونکہ جاٹوں کے پاس پناہ کے لئے دو مقام موجود تھے، ایک تو کچھ اور مارواڑ کا ریگستان، اور دوسرا دریائے سندھ کا جزیرہ، جہاں کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ جاتے، اور محمود کے پاس اس وقت نہ تو کشتیاں تھیں اور نہ ہی اس تھکی ہوئی فوج سے اب زیادہ کام لینا چاہتا تھا، اس لئے فتح منصورہ کے بعد ملتان ہوتا ہوا غزنہ چلا گیا، لیکن ان جاٹوں کو مطیع کرنے کا خیال اس کو ہمیشہ رہا،

۴۱۸ھ میں سلطان محمود لشکر لے کر ملتان آیا، اور حکم دیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں اس طرح کی تیار کی جائیں کہ ہر ایک میں تین تین لوہے کے بڑے تیز برچھے ہوں، ایک آگے کے حصہ میں، اور دو دائیں بائیں، اور وہ اس قدر تیز ہوں کہ سخت سے سخت چیز پر بھی اگر ماریں تو اس کو وہ چیر دے،[2] کچھ دنوں کے بعد کشتیاں تیار ہو گئیں، فوج نے بھی آرام لے لیا، تو سلطان محمود نے ان کشتیوں

۱؎ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا ۲؎ زین الاخبار ص ۸۶ برلن۔

کو دریائے سندھ میں ڈال دیا، اور ہر ایک پر بیس بیس سپاہی سوار کئے جو تیر و کمان، سپر، اور نفط (نفت) اندازی کے تمام سامان سے مسلح تھے، ان کی تعداد اٹھائیس ہزار تھی، باقی فوجوں کو .... دریائے سندھ کے دونوں بازوؤں (خشکی کے راستہ) سے روانہ کیا،

سندھی جاٹوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے تمام اہل و عیال کو کشتی میں سوار کر کے کسی جزیرہ میں محفوظ مقام پر اتار دیا، اور خود چار ہزار کشتیاں (بقول بعض آٹھ ہزار) لے کر محمود سے مقابلہ کے لئے نکلے، ہر کشتی پر ایک مسلح جماعت سوار تھی، جب نزدیک آئے تو ترکوں نے ان پر تیر برسائے، اور روغن نفط سے ان کی کشتیوں میں آگ لگا دی، اور جرأت کر کے جو نزدیک آ گئے ان کو تیز آہنی شاخوں سے چیر چیر کر غرق کر دیا، اس طرح سے باوجود جاٹوں کے بہادرانہ حملوں کے ان کو ہر جگہ شکست ہوئی، بکثرت مارے گئے اور ان کی اکثر کشتیاں غرق کر دی گئیں، جو بچ گئے از دریا کے کنارے اترے، خشکی کی فوجوں نے ان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا، کشتی کے سپاہی اس طرح جزیرہ تک پہنچ گئے جہاں جاٹوں کے اہل و عیال پناہ گزیں تھے،

ترکوں نے ان کے محافظین کو قتل کر ڈالا اور اہل و عیال کو گرفتار کر لیا، اس طرح سلطان محمود غزنوی مال غنیمت اور لونڈی غلاموں کے ایک انبوہ کے ساتھ ملتان واپس آیا، اور ۴۱۸ھ کے خاتمہ سے قبل غزنہ پہنچ گیا،[1]

اس فتح سندھ کے بعد سمندر (بحر عرب) سے لے کر ہمالیہ پہاڑ تک اور مشرق میں قنوج سے غزنہ تک تمام ملک اس کے زیر اقتدار آ گئے،

۱؎ فرشتہ جلد اول ص ۔ لکھنؤ و زین الاخبار ص ۹ برلن،

---

(۴)

شاہانِ سومرہ

سومرہ کے متعلق مورخوں میں اختلاف ہے، الفنسٹن صاحب[1] نے ان کو راجپوت ہندو لکھا ہے،[2] الیٹ صاحب اور دیگر یورپین مصنفوں نے ان کو نو مسلم راجپوت قرار دیا ہے، مولانا عبد الحلیم شرر نے سامرہ فرقہ سے نو مسلم یہودی سمجھا ہے، اور حیرت ہے کہ تاریخ طاہری کے مصنف نے بھی ان کو ہندو کہا ہے،[3] ان لوگوں نے اپنے دعوے کے متعلق کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ فقط ان کے ہندوؤں کے جیسے ناموں نے مورخوں کو مشتبہ کر دیا، پس انھوں نے ان کو ہندو یا نو مسلم سمجھا، لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں ان کو عرب و ہندی مخلوط النسل قوم قرار دیا ہے، جو بالکل قرین قیاس ہے،

ہندو نہ تھے، جن لوگوں کی نظریں تاریخوں پر ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ الپ تگین، سبکتگین، التونتاش، سنجر، بلبن، تولک، الپ ارسلان، قزل ارسلان وغیرہ اسلامی (عربی) نام نہیں ہیں، حالانکہ اپنے اپنے وقت میں یہ سب بہترین اسلامی حکمران تھے، اس لئے فقط نام کی مشابہت سے سومرہ ہندو نہیں قرار دئے جا سکتے،

بات یہ ہے کہ جو ممالک براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت رہے، وہاں کے مسلمانوں کے نام یا تو سامانیوں کی طرح عربی ہو گئے، یا غزنہ اور بغداد کے ترکوں کے مثل اسلامی اور غیر اسلامی دونوں نام مشہور ہوئے، اس لئے مورخوں نے ان کو مسلمان ہی سمجھا، بخلاف ان ممالک کے

۱؎ تاریخ ہند الفنسٹن حصہ پنجم ص۳۱۰ علی گڈھ ۲؎ ، انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۵ ص ۴۳۳ (۱۱) ایڈیشن ۳؎ تاریخ طاہری،

جہاں غیر مسلموں کی حکومت قائم تھی، اور اسلامی مرکز سے دور تھے، ایسے ممالک میں جو مسلمان آباد ہوئے، ان کا تعلق جب تک مرکز سے رہا، وہ اسلامی روایات سے وابستہ رہے، اور جب یہ تعلق کسی وجہ سے منقطع ہوگیا، تو مسلمان ذاتی اور ملکی فوائد حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے اس ملک کی حاکم قوموں میں بظاہر رل گئے، انہی کے جیسے نام، اور اسی ملک کا لباس اختیار کرلیا، تاریخ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، لیکن آج بھی اگر زندہ مثال دیکھنا چاہیں تو آپ کو برہما اور چین کے مسلمانوں میں نظر آئے گی، جو آج سے تیس چالیس سال قبل اس طرح رہتے تھے کہ ان کو دیکھ کر کوئی غیر ملکی مسلمان نہیں سمجھتا تھا، گو ان ممالک میں جدید تعلیم سے آہستہ آہستہ انقلاب ہو رہا ہے، مگر گاؤں میں اس وقت بھی یہ نظارہ آپ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، کہ ان کا لباس ملکی لوگوں کی طرح ہوگا اور ان کے دو نام ہوں گے، باہر ملکی نام سے ان کو یاد کیا جائے گا، جیسے برہما میں "موں مونگ" "کوپا"، اور چین میں "ہونگ تسانگ" لیکن گھر میں ہر شخص ان کو محمد اور احمد، اسماعیل اور یونس کہے گا، انتہا یہ ہے کہ نقصان سے بچنے کے لئے وہ اپنی مسجدیں بھی ایسی بناتے ہیں کہ باہر سے غیر ملکی ان کو دیکھ کر کبھی نہ معلوم کرسکے کہ یہ مسجد ہے،

میرے خیال میں، اسماعیلیوں کا یہی حال تھا، ان کا پہلا داعی ہیثم سنہ ۲۷۰ھ میں سندھ آیا اور اپنے کام میں معروف ہوگیا، آس پاس کوئی اسماعیلی (یا شیعہ) سلطنت نہ تھی جہاں سے بروقت ان کو فوجی مدد مل سکتی، ملتان، منصورہ، مکران اور کربان وغیرہ سب سنی سلطنتیں تھیں، چونکہ خارجی اور سادات ہمیشہ انقلاب سلطنت کی فکر میں رہا کرتے تھے، اس لئے ان کی حیثیت ہر جگہ باغیوں کی جیسی تھی، جہاں یہ خود یا ان کے داعی رہتے، حاکموں کی چوکنی نگاہ ہر وقت ان پر پڑی رہتی، اس واسطے ان کے پاس کوئی طریقہ اس کے سوا نہ تھا کہ سندھ اور گجرات میں ہندو راجاؤں کے تحت امن سے رہیں،

سنہ ۴۴۳ھ کے بعد انقلاب سلطنت میں یہ کامیاب ہوئے، اس سو برس کی مدت میں چینیوں کی طرح یہ بالکل ملکی (سندھی) بن گئے،

دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ شیعوں میں عموماً اور اسماعیلیوں میں خصوصاً تقیہ کا دامن اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ اس کے نیچے ہر چیز چھپ جاتی ہے، اس لئے جہاں وہ رہے اپنے کو مضرت سے بچانے کے لئے تقیہ کرتے رہے، اور ملکیوں میں اس طرح مل جاتے کہ لباس، زبان اور نام تک ان کا اختیار کرلیتے،[1] اس کی مثال آج بھی ملتان اور گجرات (پالن پور اور کھمبائت) میں موجود ہے، اس سے ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ میں بڑی مدد ملتی، بلکہ بعض شاطر مبلغوں نے تو ہندوؤں کو قریب تر کرنے کے لئے اپنے اماموں کو بھی ان کے دیوتاؤں کا اوتار قرار دیدیا،

پس مندرجہ بالا تحریر سے یہ تو روشن ہوگیا کہ سومرہ کو محض لباس اور ناموں کے سبب سے غیر مسلم نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ اسماعیلی آج بھی انہی اوصاف کے ساتھ موجود ہیں،

سومرہ مسلمان تھے

(۳) آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سیوستان (سندھ کے مغربی کنارے) آیا ہے، تو سومریوں کے متعلق لکھتا ہے،

"اسی شہر میں سامری امیر انار جس کا ذکر اوپر گذرا، اور امیر قیصر رومی رہتے ہیں، اور یہ دونوں سلطان دہلی کی ماتحتی میں ہیں، اور ان دونوں کے ساتھ اٹھارہ سو سوار تھے، اور یہاں ایک ہندو رہتا تھا جس کا نام رتن تھا، جو حساب و کتاب میں بڑا ماہر تھا، وہ بعض امراء کے ساتھ سلطان کے دربار میں گیا، سلطان نے اس کو پسند کیا، اور اس کو سندھ کا راجہ خطاب اور راجگی کے ماہی مراتب دے کر سیوستان بھیجا، اور اسکو جاگیریں دیدیا، جب وہ وہاں پہنچا تو انار اور قیصر کو یہ برا معلوم ہوا، کہ ایک کافر کو ان پر فوقیت دیجائے انھوں نے باہم مشورہ کرکے اس کو قتل کرڈالا[2]

[1] اسماعیلی ص ۹ اور جنوری سنہ ۱۹۳۰ء [illegible] [2] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ ص ۴ مصر،

اس بیان سے اس قدر تو معلوم ہو گیا کہ سومری (دانا رم) ہندو نہ تھا، اور نہ ہندو کا فرکی باتحتی پسند کرتا تھا، لیکن اس سے زیادہ واضح وہ خط ہے جو دروزیوں کے امام کی طرف سے سومرہ کے لڑکے کے نام آیا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے:۔

"ملتان اور ہندوستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومر راجہ بل (پال) کے نام خصوصاً" پھر آگے چل کر کہتا ہے "تاکہ تقدیس (شرک سے) اور توحید کے ماننے والے جہالت، ضد اور سرکشی و بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں"۔

اس تحریر سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ سومرہ نہ بت پرست تھے، اور نہ مشرک، بلکہ خالص موحد تھے، اور خالص توحید تمام دنیا کے مذاہب کے برخلاف صرف اسلام میں ہے، پھر سندھ کا یہ مورخ لکھتا ہے کہ سومرہ نے سعد نامی زمیندار کی لڑکی سے شادی کی، اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو مسلمان اپنی لڑکی کا ذکر کس طرح دیتا،[1] اس لئے یقینی طور پر سومرہ مسلمان تھے،

| اسماعیلی شیعہ تھے | (۳) سومری اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ ایک ہمعصر کی شہادت سے

آپ کو بالکل واضح ہو جائے گا، دروزیوں کا امام سلطان محمود اور سلطان مسعود کا ہمعصر ہے سلطان محمود نے جب ملتان فتح کر لیا، تو جلم بن شیبان کے خاندان کو غزنہ لیتا گیا، اور وہاں کے کسی قلعہ میں قید کر دیا، محمود کے مرنے پر سلطان مسعود نے اس خاندان کے لوگوں کو جو زندہ رہ گئے تھے آزاد کر دیا، یہ ملتان واپس آئے اور دوبارہ اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے اس میں ابو الفتوح داؤد کا نواسہ عبداللہ زیادہ سرگرم تھا، لیکن اسماعیلیوں میں حکومت اور مذہبی جماعت بغیر امام کی اجازت کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے[2] عبداللہ کی یہ سرگرمی اسماعیلیوں کے منشا کے خلاف تھی،

[1] تاریخ ایلٹ جلد اول صفحہ ۲۹۱ [2] تحفۃ الکرام جلد سوم بمبئی صفحہ ۳۵،

جب تک ملتان کی حکومت قائم رہی، مذہبی اور ملکی عہدہ یہاں کے حکام کو حاصل رہا، لیکن تباہی کے بعد مذہبی عہدہ یہاں کے ایک طاقتور رئیس کو عطا کیا گیا، اور یہ عہدہ شیخ کا تھا، اس شیخ کا نام سومرہ تھا، اور اس کے بعد اس کا لڑکا پال ہوا، جس کے نام دروزیوں کے امام نے خط بھیجا ہے، اس خط کا ایک حصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"ملتان اور ہندوستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومرہ راجہ پال کے نام خصوصاً ...... اے معزز راجہ پال! اپنے خاندان کو اٹھا، موحدین اور داؤد اصغر کو سچے دین میں واپس لا، کہ مسعود نے جو اسے حال ہی میں قید اور غلامی سے آزاد کیا ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس فرض کو انجام دے سکے، جو تجھ کو اس کے بھانجے عبداللہ اور ملتان کے تمام باشندوں کے برخلاف انجام دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ تقدیس اور توحید کے ماننے والے جہالت، ضد، سرکشی اور بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں،

دروزی جبل دروز (شام) کے رہنے والے ہیں، اسماعیلیوں کا یہ فرقہ الحاکم بامر اللہ متوفی سنہ ۴۱۱ھ (فاطمی مصر) کے عہد سے ظاہر ہوا، اور اب تک موجود ہے، اس خط میں خاندان سومرہ، ملتان والے اور سرحدی ہندوستان کے ہم مذہب اسماعیلیوں کو جوش دلا کر ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ملتان اور سندھ کی اسماعیلی حکومت پھر قائم ہو جائے، اس سے ظاہر ہو گیا کہ سومرہ، ملتان والے اور دروزی ہم مذہب تھے،

محمود غزنوی کی فتح ملتان سے قبل ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت تھی، اس کے متعلق بشاری مقدسی لکھتا ہے،

"ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہتے ہیں اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں، ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں اور اسی کے حکم

[1] اسماعیلی بوہروں میں یہ عہدہ آج بھی موجود ہے۔

یہاں کا بندوبست ہوتا ہے، اور یہاں سے برابر تحفے تحائف مصر کو بھیجے جاتے ہیں[1]،

مقدسی کی اس شہادت سے معلوم ہوگیا کہ ملتان والے اسماعیلی شیعہ تھے اور سومرہ ان کے ہم مذہب، پس بلاشک و شبہہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ سومرہ مسلمان، اسماعیلی شیعہ تھے، جن کا تعلق مصر کے فاطمی اماموں سے تھا،

سومرہ نو مسلم ہندو نہ تھے — سومرہ کس نسل سے تھے۔ یہ امر قابل غور ہے، ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

"اس کے بعد ہم جنانی پہنچے، جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے، اور جس میں خوشنما بازار ہیں، یہاں کے باشندے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ (سومرہ) کہتے ہیں، جو یہاں اس وقت بسے اور ان کے بزرگ یہاں آباد ہوئے جب حجاج کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا تھا، جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں[2]،

اس سے معلوم ہوا کہ سومرہ اپنے کو عربی النسل سمجھتے تھے، اور اپنی آبادی کو حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد کی طرف منسوب کرتے تھے، اور اس زمانہ کے مورخوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، سندھ میں عربی النسل قبائل، تمیم بلکہ ثقفی تک موجود تھے، جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے، ۶۱۳ھ میں چچ نامہ کا مصنف (مترجم) لکھتا ہے۔

"اور جب اس کام کے لئے میں نے تکلیف اٹھائی اور اُچھ جیسے مبارک شہر سے الور (اروڑ) اور بکھر آیا، جہاں کے شرفاء حسب و نسب عرب ہیں، تو امام قاضی کمال الملۃ والدین اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان ثقفی سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے سندھ کی تاریخ لکھنے کا مشورہ لیا، انھوں نے کہا کہ عربی زبان میں میرے بزرگوں نے ایک تاریخ لکھی ہے، جو وراثت میں ایک دوسرے کو ملتی چلی آئی ہے، جو

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۱ و ص۴۸۵ لیڈن [2] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص۷ مصر،

میرے پاس موجود ہے، عربی ہونے سے اس کی شہرت نہ ہوئی[1]؛

تحفۃ الکرام میں ہے کہ گنگا نامی ایک عورت جو بنی تمیم میں سے تھی، بچپن سے عمر سومرہ کے ساتھ منسوب رہی، لیکن کسی وجہ سے اس نے ناپسند کیا، اور وہ بنی تمیم کے ایک نوجوان سے بیاہ دی گئی، جو عمر سومرہ کا مصاحب تھا، لڑکی کے شباب کا پیمانہ جب لبریز ہوگیا تو اس کے گل حسن کی خوشبو عمر سومرہ کے مشام تک پہنچی، اب اس نے چاہا کہ اس سے اپنے شبستان حرم کو معطر کرے، اس لئے مصاحبوں کے مشورہ سے تمیمی نوجوان پر بڑی عنایت کرنے لگا، لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا، جواب ملا کہ عمر سومرہ کی خواہش ہے کہ اپنی بہن سے تمہاری شادی کردے[2]،

ان دونوں شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اُچھ، اروڑ، برہمن آباد اور بھکر وغیرہ میں تمیم اور ثقیف وغیرہ کے متعدد قبائل آباد تھے، اور ان عرب قبائل میں سے بعض اسماعیلیہ ہوگئے تھے، جیسا کہ بنی تمیم کا ذکر اوپر گذرا، کیونکہ بنی تمیم اگر اسماعیلیہ نہ تھے تو عمر سومرہ اپنی بہن دینے کے لئے نہ کہتا، اور نہ بنو تمیم اس کا یقین کرتے، کیونکہ اسماعیلی اپنی لڑکی کسی دوسرے کو نہیں دیتے، جیسا کہ آج بھی گجرات اور ملتان کے علاقہ میں یہ دستور موجود ہے، دوسری جگہ تحفۃ الکرام میں سندھ کے قبائل کے نام درج کرکے لکھا ہے کہ ان کی اولاد اس وقت تک موجود ہے، آل ثقیف، آلِ مغیرہ، آلِ تمیم، عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، آلِ حارث، بنی اسد، آلِ عقبہ، آلِ جریہ الغفاری، پھر سندھی تلفظ کے باعث ان کے نام اصلیت سے دور جا پڑے ہیں، مثلاً مغیرہ کو موہیہ کردیا[3]؛

پس ان حالات کی موجودگی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سومرہ ہندو راجپوت نہ تھے، بلکہ وہ عرب تھے، جو ہندوستان میں آباد ہوگئے تھے، اور پشت در پشت یہاں رہ کر

[1] چچ نامہ قلمی ص۳ کتبخانہ دارالمصنفین اعظم گڈھ [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص۴۰ و ص۴۱ بمبئی [3] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص۵ مصر [4] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۳۱ و ص۳۲ بمبئی،

ہندی نژاد بن گئے، جس کی صحیح مثال ہندوستانی سادات ہیں،

لفظ سومرہ کی اصلیت

(۵) لفظ سومرہ کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ لفظ دراصل "سوم رائے" ہے، سوم کے معنی چاند اور رائے کے معنی راجہ، جس کا ہم معنی لفظ "چندر رائے" ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے موہن رائے، اور لاجپت رائے وغیرہ، اگر معرب یا مفرس ہوکر یہ لفظ "سومرہ" ہوگیا، اس کی مثال عربی تاریخوں میں بکثرت ملے گی، مثلاً ولھب رائے کو تمام مورخین اور سیاح اپنی کتابوں میں "بلہرا" لکھتے ہیں[1]، اسی طرح مسعودی نے قنوج کے مشہور راجہ بھوج رائے کا نام "بؤورہ" لکھا ہے[2]، پس جن مصنفوں نے سومرہ کو سامرہ (سرمن رائے) کا عرب باشندہ سمجھا جو والی سندھ تمیم کے ساتھ سندھ میں آکر آباد ہوگئے تھے[3]، تو میرے خیال میں ان کو سخت مغالطہ ہوا، سامرہ کا شہر معتصم یا متوکل عباسی کا آباد کردہ ہے، اور تمیم سندھ کا والی اس وقت ہوا ہے، جب بغداد، سامرہ خلافت عباسیہ میں سے کسی کا وجود دنیا میں نہ تھا،

والی سندھ تمیم کا تعلق بنی امیہ سے ہے، جس کی حکومت ۱۱۱ھ میں تھی، یہ خاندان ان لوگوں میں سے تھا جو محمد بن قاسم کے ساتھ عرب سے آئے تھے، اور سندھ ہی میں آباد ہوگئے تھے، اسی طرح یہ خیال بھی مضحکہ خیز ہے کہ سومرہ قوم یہودیوں کے فرقہ سامرہ میں سے ہے، جو شمرون پہاڑ سے آکر یہاں آباد ہوگئی تھی، غالباً یہ شبہ محض ناموں کے سبب سے پیدا ہوا، جو سومرہ کو تحریف کرکے سامرہ بنادیا گیا ہے، حالانکہ اس وقت تک اس کے متعلق کوئی علمی دلیل نہیں ملی ہے،

سومرہ ذاتی نام تھا

(۶) محمود غزنوی سے پہلے سومرہ کسی خاندان کا نام نہ تھا، بلکہ سومرہ یا سوم رائے ایک شخص کا ذاتی نام یا لقب تھا، کیونکہ کسی تاریخ میں اس سے قبل کسی سومرہ کا ذکر نہیں آتا ہے، منصورہ کا والی جس سے محمود نے منصورہ چھینا، اس کا نام بالکل "سومریوں" کی طرح ہے، جس سے قیاس کیا جاتا ہے

[1] سلسلۃ التواریخ پیرس ص ۳۵ [2] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۲ لیڈن [3] ایلیٹ ڈ ہسٹری جلد اول ص ... تاریخ سندھ مصنفہ ...

کہ وہ بھی اسی خاندان سے ہوگا، پھر بھی کسی نے اس کو سومرہ تحریر نہیں کیا، بلکہ قرامطہ یا ملحد وغیرہ لکھا ہے،

قاعدہ یہ ہے کہ جس قوم کی سلطنت جاتی رہتی ہے، تو اطراف ملک میں متعدد چھوٹی بڑی حکومتیں، ریاست اور زمینداری کی شکل میں قائم ہوجاتی ہیں، یہاں بھی یہی ہوا کہ ملتان سے حکومت ختم ہوجانے کے بعد خفیف، سومرہ، سمہ وغیرہ کی بڑی بڑی زمیندارانہ حکومتیں قائم ہوگئیں،

مراۃ مسعودی میں ہے کہ ملتان سلطان محمود کے فتح کرلینے پر ویران ہوگیا، وہاں کے زمیندار اور امرا سب اچھ چلے آئے، اسی کو آباد کرکے پایہ تخت بنایا، اس وقت یہاں کا راجہ انگ پال تھا[1]،

تحفۃ الکرام میں ہے[2] کہ خاندان سومرہ کی کل مدت حکومت (۵۰۵) پانچ سو پانچ برس ہے، اس حساب سے ان کی حکومت کی ابتدا ۲۴۶ھ ہوئی، حالانکہ ان کا پہلا داعی ہیثم ۲۷۰ھ میں سندھ آیا، اس لئے اگر تحفۃ الکرام کی روایت صحیح مان لی جائے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عمر ہباری کے عہد میں یہ ریاست قائم ہوئی، اور اس وقت یہ لوگ سنی تھے، اور غالباً منصورہ کے ماتحت، ۳۷۵ھ میں ملتان اور مکران مصری خلفاء کے ماتحت ہوگئے تھے، اسی وقت اس خاندان نے داعیوں کی کوشش سے اسمٰعیلی مذہب قبول کیا ہوگا، اور منصورہ کے خلاف بغاوت کرکے خودمختاری حاصل کی ہوگی، اور شاید اسی کو مطیع کرنے کے لئے والی منصورہ نے عضدالدولہ کے لڑکے والی شیراز سے امداد طلب کی تھی[3]، لیکن عضدالدولہ خود شیعہ اور فاطمیوں کے زیر اثر تھا، اس لئے اس نے امداد نہ دی، اور کیا تعجب ہے کہ اسی نے ۴۰۱ھ میں موقع پاکر منصورہ پر قبضہ کرلیا ہو، جس کا خاتمہ محمود نے کیا،

مصری ائمہ فاطمیین کا دستور تھا کہ جہاں ان کی حکومت نہیں رہتی، وہاں بھی مرکزیت قائم رکھنے کے لئے اپنا داعی یا والی بھیجا کرتے، جو بظاہر وجود معطل نظر آتا، مگر درحقیقت قوم کے ملکی اور

[1] مراۃ مسعودی ص ۳۶ و ص ۳۷ قلمی حبیب گنج لائبریری [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۳۴ بمبئی [3] احسن التقاسیم ص ۴۸۵ لیڈن

مذہبی امور کا مکمل طور پر اس کو اختیار رہتا،

مصری ائمہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر مصر سے کسی کو بھیجنا نامناسب خیال کرکے مقامی آدمی کا انتخاب ضروری سمجھا، غالباً سومرہ کا خاندان ائمہ مصر کے نزدیک زیادہ ممتاز تھا، چنانچہ دروزی خط میں سومرہ کے اجداد "ہودل ہیلا" اور "بھوتردا" وغیرہ لوگوں کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اسی بنا پر سومرہ نامی اس خاندان کا حاکم تمام سندھ اور ملتان کے اسمٰعیلیوں کا شیخ قرار پایا، اور یہ سوم رائے محمود غزنوی کا ہمعصر تھا، اور میرے خیال میں یہی اول سومرہ ہے جس کے نام سے اس کا خاندان مشہور ہوا، اور اسی لئے میں اس کو سومرہ اول کے نام سے یاد کروں گا، سومرہ کا اصلی نام غالباً پال کے ساتھ ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ اننگ پال اور راجہ سوم رائے اس کا خطاب ہو،

سومرہ اول

اس کی حکومت کب سے شروع ہوئی، تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ فتح ملتان کے بعد سے اس کا انتخاب ہوا ہوگا[1]، اور اس طرح اس کی حکومت کا زمانہ ۴۰۱ھ سے قرار دیا جا سکتا ہے، محمود غزنوی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے اس نے بظاہر کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا، اور سکون کے ساتھ خاموش زندگی بسر کردی،

راجہ پال ابن سومرہ

سومرہ کا کب انتقال ہوا، اور اس کا لڑکا راجہ پال کب تخت نشین ہوا؟ اس کا پتہ کسی تاریخ سے نہیں ملتا، لیکن دروزی خط میں چونکہ راجہ پال ہی کو مخاطب کیا گیا ہے، اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ سومرہ کی جگہ اس کا لڑکا پال ہی تخت نشین تھا، اور اسی خط میں سلطان مسعود کا بھی ذکر ہے، اس لئے سلطان مسعود اور راجہ پال دونوں ہمعصر ہوئے، اس طرح قیاس کیا جا سکتا

[1] مراۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے دوسری دفعہ کے حملہ میں ملتان کو لوٹ کر بالکل تباہ کردیا، اس لئے [illegible] کے امراء اور عام خوشحال آبادی منتقل ہوکر "اچھ" چلی گئی، اسی وقت سے اچھ بڑا آباد شہر ہوگیا، اس وقت کا راجہ اننگ پال تھا، اور یہی شہر اس کی راجدھانی تھی، سالار مسعود غازی نے اس پر حملہ کرکے لوٹ لیا، یہ اننگ پال کون تھا؟ قابل غور مسئلہ ہے، اسی کا خطاب "سوم رائے" تو نہ تھا، یہ واقعہ تقریباً ۴۲۰ھ کا ہے:

ہے کہ ۴۲۲ھ/۱۰۳۲ء سے قبل سومرہ وفات پا چکا تھا، اور اس کا لڑکا جانشین ہوا،

دروزی خط کے القاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب ریاست ہونے کے علاوہ ملکی اقتدار بھی رکھتا تھا، اور لوگ اس کو راجہ کہتے تھے، مذہبی اعتبار سے بھی اس کا درجہ عوام سے بلند تھا کیونکہ مصری ائمہ نے تمام سندھ کا مقتدا تسلیم کرکے غالباً اس کو "شیخ" کا خطاب دیا تھا،

راجہ پال کے عہد میں اسمٰعیلی حکومت تمام سندھ پر قائم کرنے کی بارہا کوشش کی گئی، جیسا کہ ملتان اور سندھ میں بار بار بغاوت سے ظاہر ہوتا ہے، مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی،

سومرہ دوم

بیس برس تک یہ لوگ برابر اس معاملہ میں کوشش کرتے رہے، ادھر غزنوی سلطنت خانہ جنگی سے دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ سلطان عبدالرشید متوفی ۴۴۴ھ کے زمانہ میں، اسمٰعیلی کامیاب ہوگئے، اور سومرہ نامی ایک شخص سندھ کا والی و حاکم بنایا گیا، اس دن سے خاندان سومری کی حکومت مستقل طور سے تمام سندھ میں قائم ہوگئی، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص کون تھا، آیا سومری خاندان کا کوئی فرد تھا، یا راجہ پال کا لڑکا، قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ پال لاولد مر چکا تھا، یا حکومت کے لائق اس کی اولاد نہ تھی، کیونکہ منتخب التواریخ مولفہ محمد یوسف کے حوالہ سے مؤلف تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ جب سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی کی حکومت ہوئی[1] تو سندھ کے لوگوں نے اس کو کمزور پایا، ۴۴۵ھ/۱۰۵۳ء میں سومرہ قبیلہ والوں نے "تھری" ضلع ٹھٹھہ میں جمع ہوکر "سومرہ" نام ایک شخص کو بادشاہ بنایا[2]،

انہی اطراف (زیریں سندھ) میں ایک طاقتور زمیندار "سعد" نامی تھا، اس کی لڑکی سے سومرہ نے شادی کرلی، اسی سے اس کا لڑکا "بھونگر" ہے جو اپنے باپ کے بعد وارث تخت ہوا[3]،

لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ موجودہ مطبوعہ نسخہ میں یہ نہیں ہے، بلکہ مصنف تحفۃ الکرام نے

[1] الیٹ جلد اول ص ۳۴۴ [2] معصومی قلمی، و منتخب التواریخ مولفہ محمد یوسف قلمی،

بجنسہ یہی واقعہ اس سومرہ کی نسبت تحریر کر دیا ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں تھا، اس کے[1]

بعد اس کا سلسلہ اس طرح جاری کیا ہے کہ بھونگر پھر اس کا لڑکا دودا ہوا، اور چونکہ دودا کا لڑکا

سنگھار (سنگھر) صغیر السن تھا، اس لئے اس کی بہن نے حکومت سنبھالی، جب بالغ ہوا تو خود

حکمرانی کرنے لگا، لاولد ہونے کے سبب اس کے دو سالوں نے تھری، اور طور میں مقیم رہ کر حکومت

اپنے ہاتھ میں لی، پھر دودا نامی ایک سومرہ نے ان سے حکومت چھین لی، اور ان سے دودا پھٹو

(پھٹو) نے، اس کے بعد اس کا لڑکا خیرا، اور اس کا جانشین ارمیل ہوا جس سے سمہ خاندان نے سنہ ۷۵۲ھ

میں حکومت لے لی،[2] اس حساب سے سومریوں کی حکومت کل ۳۰۰ برس ہوئی، حالانکہ مصنف نے دوسرے

سومرہ حکمرانوں کے نام دوسری جگہ تحریر کئے ہیں، مثلاً عمر سومرہ، حمیر (امیر) سومرہ، چنیسر سومرہ، دودا

سومرہ وغیرہ،

دراصل مصنف کا خیال یہ ہے کہ قوم سومرہ کی متعدد شاخوں نے (جن میں سے بعض کو ہندو

سمجھتا ہے) سندھ کے مختلف اضلاع پر مختلف اوقات میں حکومت کی، ان میں سے بعض

خود مختار تھے، اور بعض دہلی یا ملتان کی مرکزی حکومت کے زیر نگرانی، مصنف کا یہ بیان شہاب الدین

غوری کے بعد کے لئے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن سلطان عبد الرشید سے لے کر شہاب الدین

غوری تک جو وقفہ ہے، اس کے متعلق صحیح بات یہی ہے کہ تمام سندھ اور ملتان انہی اسماعیلیوں کے

ماتحت تھا، اور سندھ پر یقینی طور سے سومرہ خاندان حکمراں رہا، اور انہی سے غوری نے ملک لیا تھا جیسا کہ

تمام تاریخوں میں مذکور ہے،

تحفۃ الکرام یا معصومی نے مندرجۂ ذیل فہرست سومرہ کے حکمرانوں کی دی ہے۔

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۳۴ و صفحہ ۳۵،

[2] فرشتہ جلد اول صفحہ ۔ نولکشور، طبقات ناصری کلکتہ صفحہ ۱۴۹،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات
	سومرہ	زمانۂ دراز تک	۰	۲	بھونگر بن سومرہ	۱۵ سال	سنہ ۴۶۱ھ[1]
۳	دودا اول بن بھونگر	۲۴ سال	سنہ ۴۸۵ھ	۴	سنگھر	۱۵ سال	سنہ ۵۰۰ھ
۵	خفیف	۳۳ سال	سنہ ۵۳۳ھ	۶	عمر (زانار)	۴۰ سال	سنہ ۵۷۳ھ
۷	دودا دوم	۱۴ سال	سنہ ۵۸۶ھ	۸	پاتھو (پھٹو)	۳۳ سال	سنہ ۶۲۰ھ
۹	گنہرا اول	۱۶ سال	سنہ ۶۳۶ھ	۱۰	محمد تور	۱۵ سال	سنہ ۶۵۱ھ
۱۱	گنہرا دوم	چند سال	سنہ ۶۵۴ھ	۱۲	دودا سوم	۱۴ سال	سنہ ۶۶۸ھ
۱۳	تائی	۱۵ سال	سنہ ۶۸۳ھ	۱۴	چینسر	۱۰ سال	سنہ ۷۰۱ھ
۱۵	بھونگر دوم	۱۵ سال	سنہ ۷۱۶ھ	۱۶	خفیف دوم	۱۸ سال	سنہ ۷۳۴ھ
۱۷	دودا چہارم	۲۵ سال	سنہ ۷۵۹ھ	۱۸	عمر سومرہ (انار)	۳۵ سال	سنہ ۷۹۴ھ
۱۹	بھونگر سوم	۱۰ سال	سنہ ۸۰۴ھ	۲۰	حمیر (امیر یا ارمیل)	۶ سال	سنہ ۸۱۰ھ

۳۵۵ مع اضافہ قیاسی ۳۶۴

اس فہرست کے غیر تشفی بخش ہونے کے مختلف وجوہ ہیں،

(۱) اس فہرست میں بعض نام رہ گئے ہیں جن کو ان کے معاصروں یا مورخوں نے لکھا ہے،[2]

(۲) ان کی سلطنت سلطان عبد الرشید متوفی سنہ ۴۴۴ھ سے لے کر محمود شاہ تغلق کی وفات محرم

سنہ ۷۵۲ھ تک ہے،[3] اس لئے کل مدت ۳۰۶ سال ہونی چاہئے، حالانکہ مندرجہ فہرست کی رو سے ۳۵۵ سال

[1] سنہ وفات حساب لگا کر آسانی کے خیال سے، راقم الحروف نے تحریر کر دیا ہے [2] فرشتہ جلد دوم

صفحہ ۳۱۳ نولکشور، سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۷ مصر [3] چونکہ محرم سال نو کا پہلا مہینہ ہے جس کے شروع

میں محمد تغلق کا انتقال ہوا ہے اس لئے حساب میں سنہ ۷۵۱ھ تک شمار کیا ہے،

ہوتے ہیں، اور اگر ان اضافوں کو شامل کر لیا جائے جو فقط خانہ پری کے لئے اندازاً تحریر کر دئے گئے ہیں، تو ۳۶ ہوتے ہیں، اس لئے میرے اندازے کے مطابق ۵۰ برس ان کی مدت حکومت زیادہ ہوتی ہے،

(۲) سومرہ جو اس خاندان کا اول حکمراں ہے، اس کی مدت سلطنت تحریر نہیں کی گئی، اور مدت دراز تک سلطنت کی "کی" کے لکھنے سے اگر ۱۵ سال قیاس کئے جائیں تو بھی تقریباً ۴۰ برس ہو جاتے ہیں، اس لئے مقرر کردہ مدت حکومت صحیح نظر نہیں آتی،

(۴) اسلامی حکمرانوں میں کوئی خاندان ایسا نہیں گذرا کہ مسلسل کئی پشت تک ان کی اولاد لائق اور قابل گذری ہو اور طویل مدت تک ہر ایک نے حکومت کی ہو، سوائے مغلیہ خاندان کے، جس میں بابر سے عالمگیر تک چھ حکمراں مسلسل لائق نکلے، لیکن سومرہ خاندان کے حکمرانوں میں جن کی تعداد ۲۰ ہے، اکثروں نے ۱۴-۱۵ سال سے کم حکومت نہیں کی، جو بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہ مدت سلطنت قطعاً مشکوک اور غیر تشفی بخش ہے،

دوسرے سومرہ کی مدت حکومت

عالم مورخین لکھتے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا کہ سلطان عبد الرشید غزنوی کے عہد میں اسماعیلیوں نے خاندان سومرہ میں سے سومرہ نامی ایک شخص کو تھری (ضلع ٹھٹھہ) کے مقام میں اپنا سردار مقرر کیا، اور سعد نامی زمیندار کی لڑکی سے شادی کی جس سے بھونگر پیدا ہوا، اور یہ بھی لکھا ہے کہ سومرہ کے بعد اس کا لڑکا تخت نشین ہوا جس نے ۱۵ سال حکومت کر کے ۴۶۱ھ میں انتقال کیا، اس صورت میں اگر سومرہ نے ۴۲۲ھ میں شادی کی تو ۴۲۵ھ میں بھونگر پیدا ہوا اور ۴۴۶ھ میں تخت نشین ہوا ہوگا، کیونکہ کل عمر اس کی ۳۱ سال کی ہوئی جس میں سے ۱۵ برس اس نے حکومت کی ایسی اس صورت میں سومرہ کی مدت حکومت صرف دو سال ہو سکتی ہے، یعنی ۴۴۶ھ میں انتقال ہوا، بھونگر کے بعد اس کا لڑکا دودا ۲۴ سال حکومت کر کے ۴۸۵ھ میں مرا، اس لحاظ سے اس کی

ولادت ۴۵۹ھ میں ہونی چاہئے، اور بوقت وفات اس کی عمر کل ۲۶ سال کی تھی، یہ نوجوان بلند ہمت تھا، اس نے زیریں سندھ کے مشرقی حصہ پر اپنی سلطنت جمائی، اور نصر پور (برہمن آباد کے متصل) تک اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا اصلی نام داؤد ہو جو بگڑ کر دودا بن گیا ہو، اس کا ایک لڑکا سنگھر یا سنگھار (سنگھ راے) صغیر السن تھا، اس لئے اس کی بہن نے زمام حکومت ہاتھ میں لی، تحفۃ الکرام میں اس کا نام "تاری" ہے، اور معصومی نے ۳ نمبر پر "تالی" لکھا ہے، اگر میرے نزدیک دراصل یہ لفظ "بائی" ہے، جو بیگم کا ہم معنی ہے،

ابن بطوطہ (اردو) کے محشی نے اس لفظ کو (طا عربی سے "طائی") لکھا ہے، غالباً وہ اس کو مرد سمجھتا ہے، حالانکہ تحفۃ الکرام میں تصریح ہے کہ سنگھر کی بہن تھی،

جب یہ بچہ بالغ ہوا تو اس نے سلطنت خود سنبھالی، سلطنت سنبھالنے کے لئے بلوغت کے معنے اٹھارہ برس رکھے جائیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے باپ کے مرنے کے وقت اس کی عمر [illegible] برس کی تھی، اس لئے اس کی ولادت [illegible]ھ ہوگی، اور پندرہ برس اس کی بہن "بائی" کی حکومت رہی، اس حساب سے [illegible]ھ میں سنگھر یا سنگھار (سنگھ راے) تخت نشین ہوا، اس نے بھی پندرہ برس حکومت کی، اور [illegible]ھ میں ۳۳ سال کی عمر پا کر انتقال کر گیا، اپنے باپ کی طرح یہ بھی بلند ہمت تھا اس نے اپنی سلطنت کو مغربی جانب مکران کے نانک مقام تک وسعت دی،[1]

تحفۃ الکرام میں ہے کہ سنگھر کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اس کے بعد اس کی بیوی ہیمو نے اپنے دو بھائیوں کی مدد سے سلطنت کا انتظام کرنا شروع کیا، ان دونوں بھائیوں کا نام اس کتاب میں نہیں ہے، لیکن معصومی کی مندرجہ بالا فہرست کے نمبر ۵ اور ۶ پر دو نام ملتے ہیں، ایک خفیف، دوسرا عمر (یا انار)، خفیف کی مدت سلطنت ۳۳ سال قرار دی گئی ہے جس کو تسلیم کرنے

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۳۴ بمبئی [2] ایضاً

میں بظاہر کوئی اشکال نظر نہیں آتا، پس اس کی وفات ۵۶۵ھ میں ہوئی، لیکن اس کے بھائی "انار" (عمر) کی مدت سلطنت چالیس سال کسی طرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کی حکومت ۵۷۰ھ تک ہونی چاہئے، حالانکہ شہاب الدین غوری ۵۷۱ھ میں ملتان اور اچھ پر قابض ہو چکا تھا، اور ۵۸۰ھ تک وہ تمام سندھ کا مالک تھا،

پایہ تخت ان کا پایہ تخت "تھری" تھا، جیسا کہ اوپر گذرا، لیکن تحفۃ الکرام کے مصنف نے لکھا ہے[1] کہ سنگھر (سنگھ راے) کی بیوی "ہیمو" نے اپنے دونوں بھائیوں کو شہر طور اور تھری میں بھیجا، طور سے مراد وہ مشہور شہر "محمد طور" تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ محمد طور اس وقت تک آباد ہی نہیں ہوا تھا اس لئے کہ اس شہر کو محمد طور سومرہ نے آباد کر کے اپنا پایہ تخت بنایا، جو ساتویں صدی میں تھا، جیسا کہ خود مصنف نے اس کو لکھا ہے[2]، پس ممکن ہے کہ طور کوئی دوسرا شہر ہو، لیکن اس کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا،

محمد غوری کے حملہ کے وقت تین بڑے شہر نظر آتے ہیں،[1] سندھ کے شمال میں ملتان اور اچھ، اور جنوب میں دیبل، اچھ ملتان سے قریب ہے، اور تھری دیبل سے نزدیک، اچھ سے نزدیک احمد پور، ایک مقام آج بھی موجود ہے، ممکن ہے کہ وہ دراصل احمد طور ہو، بہرحال قیاس یہی چاہتا ہے کہ بڑا بھائی خفیف خود تو پایہ تخت تھری میں رہا ہو، اور انار کو طور (متصل اچھ) بھیجدیا ہو، اور خفیف کے مرنے پر بھی اچھ ہی پایہ تخت رہا ہو،[2] کیونکہ ملتان اور دیبل کی فتح کے متعلق کسی راجہ کا ذکر نہیں آتا ہے، بخلاف اچھ کے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۔ [2] واضح رہے کہ سندھ میں برہمن آباد، منصورہ، الرور وغیرہ شہر بھی موجود تھے، مگر ان کی کوئی جنگی اہمیت باقی نہیں رہی تھی (طبقات ناصری ص۱۴۶)، [3] مرأۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے ملتان کو تباہ اور ویران کر ڈالا، اس لئے اس جگہ کے لوگ اچھ آ گئے اور اسی کو پایہ تخت بنا کر آباد کیا، ص۳۰ قلمی کتبخانہ حبیب گنج،

غوری کا حملہ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۱ھ میں ملتان پر حملہ کیا،[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی والی، انار سومرہ کی طرف سے رہتا تھا، جس نے شکست کھائی، سلطان ملتان پر قابض ہو کر آگے بڑھا، اور اچھ پر حملہ آور ہوا، اچھ کا راجہ (حاکم) اپنی کمزوری محسوس کر کے قلعہ بند ہو گیا،

محمد غوری عرصہ تک قلعہ اچھ کا محاصرہ کئے رہا، مگر بظاہر کوئی کامیابی نظر نہ آئی، تو اس نے دوسری تدبیر کی، جاسوسوں کے ذریعہ رانی کو مطلع کیا، کہ اگر تمھارے ذریعہ سے یہ قلعہ فتح ہو گیا، تو میں تم سے شادی کر کے ملکہ جہاں بناؤں گا، اس کے علاوہ بھی طمع دلانے کے لئے بہت سے وعدے کئے، رانی نے اس کا جواب دیا کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں، مگر میری ایک جوان خوبصورت لڑکی ہے، اس سے تم شادی کر سکتے ہو، سلطان نے خوشی سے اس کو قبول کر لیا، رانی کو جب اس کا یقین ہو گیا تو اس نے چند دن کے اندر زہر دے کر اس کا کام تمام کر دیا، اور چونکہ وہ راجہ پر غالب تھی اس لئے اس کا اقتدار دوسروں پر بھی تھا، اس نے اپنے حکم سے لڑائی بند کرا دی، اور قلعہ سلطان غوری کے سپرد کر دیا،[2] سلطان نے علی کرماخ کو سندھ کا والی مقرر کیا، اور خود واپس چلا گیا،

کیا یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنے واقعہ کا اعادہ کرتی رہتی ہے، تقریباً اسی قسم کا واقعہ فاتح سندھ محمد ابن قاسم سے قبل راجہ سندھ کے ساتھ پیش آیا تھا، کہ اس کی رانی نے راجہ کو مار کر چچ نامی برہمن سے جو اس کا وزیر تھا، شادی کر لی،

معلوم ہوتا ہے کہ اچھ کی رانی راجہ سے خوش نہ تھی، اور اس کے کوئی لڑکا بھی نہ تھا، جو والی اور وارث تخت کا ہوتا، اس لئے اس نے اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ دشمنوں سے مل کر آرام کی زندگی بسر کرے، تاریخ میں اس راجہ کا نام نہیں لکھا ہے، لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ راجہ "انار" تھا جو خفیف کے بعد پایہ تخت اچھ میں حکمراں ہوا، اور اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ہندو نام سے مغالطہ میں نہ پڑنا

---

[1] طبقات ناصری ص۱۱۶ کلکتہ، لیکن فرشتہ نے اس کو ۵۷۲ھ میں تحریر کیا ہے، [2] ظفر والہ ص۶۷۶ جلد دوم لندن،

چاہئے تو اس سے اس واقعہ کی ایک گونہ تائید ہوتی ہے، سنگھو (سنگھو رائے) کی بیوی ہیمو نے جب اپنے بھائیوں کو حکمراں بنایا تو اس وقت اس کے چھوٹے بھائی عمر انار کی عمر کم از کم اٹھارہ برس ہونی چاہئے، خفیف نے ۵۱۰ھ سے ۵۲۰ھ تک حکومت کی، اس وقت انار کی عمر ۲۸ سال کی تھی، اس کے بعد اس نے خود اپنی حکومت شروع کی، جو ۵۲۰ھ سے ۵۶۱ھ تک رہی، اس وقت اس کی عمر ۶۹ سال کی ہوئی، یہ واقعہ بالکل غیاث الدین بلبن کے مثل ہے جس نے وزارت اور سلطنت عرصہ تک کرکے بڑی عمر میں انتقال کیا،

۴۰ سال کے بوڑھے راجہ کی غالباً یہ سب سے چھوٹی رانی تھی، اور یہ دونوں بھائی چونکہ سنگھر (سنگھر رائے) کی اولاد سے نہ تھے، اس لئے قدرتی طور پر اپنے سوتیلے لڑکوں اور سنگھر (سنگھر رائے) کے خاندان والوں سے خوفزدہ ہوکر اپنی زندگی محفوظ کرنے اور شاندار مستقبل کے خیال نے ان کو دشمنوں سے مل جانے پر مجبور کیا ہوگا،

غرض شہاب الدین محمد غوری اچھ فتح کرنے کے بعد رانی اور اس کی لڑکی کے ساتھ غزنہ آیا، حسب وعدہ اس لڑکی سے شادی کرلی، دین اسلام (سنی مذہب) اور قرآن کی تعلیم کے لئے ایک معلمہ مقرر کردیا، لیکن سلطان اس کی ماں کی غدارانہ کارروائی سے بیحد متنفر ہوگیا تھا، اور اسی سبب سے اس کی بیٹی کی طرف بھی وہ متوجہ نہ ہوا، اس کی ماں کو جب اس کا احساس ہوا تو اسی غم میں جلد مرگئی، اس کی لڑکی اس کے بعد دس برس زندہ رہی، اس عرصہ میں سلطان نے اس سے کبھی ملاقات نہ کی، اور نہ اس نے سلطان کو کبھی دیکھا، آخر وہ غریب بھی اسی غم میں ایک دن چل بسی، سلطان نے اس کی قبر پر ایک گنبد بنوا دیا، اہل غزنہ اس کی مظلومانہ موت کے باعث ایک ولیہ کی قبر کی طرح اس کی زیارت کو آتے ہیں[2]،

---

[1] اور مسلّم ہے کہ اچھ سومریوں ہی سے محمد غوری نے لیا ہے جیسا کہ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۱ میں درج ہے، [2] ظفر الوالہ جلد ۳ صفحہ ۴۱ لیدن

سومرہ یہاں سے بھاگ کر تھری یا دیبل میں جمع ہوئے، اور دودا ان کا سردار مقرر ہوا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ دودا نامی سومرہ نے جو قلعہ دہلہ کا حاکم تھا، اپنے لوگوں کو جمع کرکے ہیمو کے دونوں بھائیوں خفیف اور انارم سے سلطنت چھین لی[1]،

ممکن ہے کہ جس زمانہ میں سلطان محمد غوری نے اچھ پر حملہ کیا، اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور بغاوت کرکے زیریں سندھ پر قبضہ کرلیا ہو، غرض واقعہ جو بھی ہو مگر اس پر اتفاق ہے کہ دودا نامی سومریوں کا سردار بنا، اس کا پایہ تخت اس وقت دیبل تھا، جو سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی، ۵۷۸ھ میں شہاب الدین غوری نے دیبل پر حملہ کیا[2]، سمندر کے کنارے تک اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کر ڈالا، مال غنیمت حاصل کرکے واپس آیا[3]، اور اس طرح سومریوں کی جو مرکزی حکومت قائم ہوئی تھی، وہ بھی جاتی رہی، دیبل تباہ ہوگیا، اور اس کی جگہ ٹھٹھہ نے لے لی،

فرشتہ کو ابوالفضل کی تحریر سے مغالطہ ہوگیا، اور اس نے غلطی سے دونوں کو ایک سمجھا ہے[4]،

دیبل جنوب مغرب سمندر میں کراچی سے متصل واقع تھا، اور ٹھٹھہ جنوب جانب، دریائے سندھ کے کنارے سمندر سے دور اس طرح آباد تھا کہ ایک حصہ دریا کے مشرقی کنارے (دہلی کے رخ) اور دوسرا حصہ دریا کے مغربی کنارے (مکران کے رخ) تھا، بخلاف دیبل کے کہ اس کی تمام آبادی یکجا تھی،

فہرست مذکورہ میں دودا جو ساتویں نمبر پر ہے اس کی مدت سلطنت ۱۴ برس لکھی ہے جو میرے خیال میں صحیح نہیں ہے، اس کی اصلی مدت صرف چار برس ہے اور غایت احتیاط کی جائے تو (۶ یا ۸) برس ہوتی ہے،

تحفۃ الکرام میں ہے کہ دودا کے بعد "پھتو" نے کچھ لوگوں کو جمع کرکے اپنی حکومت قائم کرلی[5] فہرست مذکورہ

---

[1] ظفر الوالہ جلد سوم ص ۲۳۵ [2] فرشتہ نے یہ واقعہ ۵۷۵ھ میں تحریر کیا ہے [3] طبقات ناصری ص ۱۱ کلکتہ [4] فیروز شاہی عفیف سراج ص ۱۹۹ کلکتہ [5] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۲۵ بمبئی،

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

میں اس نام کا تلفظ "پاتھو" لکھا ہے، جو زیادہ صحیح نظر آتا ہے، اور جو اسی "بھٹو" کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اور اب یہ لفظ "بھٹو" بائے ہندی موحدہ سے ہے نہ کہ بائے معجمہ سے مستعمل ہے، کیونکہ بھٹو کا خاندان سندھ میں آج بھی موجود ہے، اور ان کا شمار معزز خاندانوں میں ہے،

سلطان شہاب الدین غوری نے فتح ملتان اور اچھ کے بعد سپہ سالار علی کرماخ کو سندھ کا والی بنایا تھا، جو ۵۸۲ھ تک رہا، اور لاہور فتح ہونے کے وقت سلطان نے اس کا تبادلہ لاہور کو کر دیا، اس طرح وہ ۱۱ برس سندھ کا حاکم رہا، ممکن ہے کہ ملتان اور اچھ کے ساتھ دیبل کا علاقہ بھی فتح کے بعد اس کو دے دیا گیا ہو، مگر کتابوں سے کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان دیبل کو لوٹ مار کر چلا آیا، اور اس کا کوئی انتظام نہ کیا، چنانچہ ناصر الدین قباچہ والی سندھ کے عہد ۶۰۲ھ میں بھی اس علاقہ کو ہم آزاد ہی دیکھتے ہیں، اس لئے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ بھٹو سومرہ نے ۶۱۱ھ تک سلطنت کی، تو بظاہر کوئی اشکال نظر نہیں آتا،

یہ بھٹو دودا بن بھونگر کے خاندان سے تھا، خفیف اور انار کی زبردست شخصیت کے باعث غالباً یہ خاندان خاموش تھا، سلطان غوری کے حملہ سے جب ملک میں بدامنی پیدا ہوئی تو اس کو اٹھنے کا موقعہ مل گیا، ۳۲ برس حکومت کر کے ۶۱۱ھ میں غالباً انتقال کر گیا،

ناصر الدین قباچہ

ناصر الدین قباچہ، سلطان قطب الدین ایبک متوفی ۶۰۷ھ تک تو دہلی کے ماتحت رہا، اس لئے اس کی ساری توجہ مرکزی حکومت کے زیر اثر رہی، لیکن اس کے بعد وہ خود مختار ہو گیا، اس نے سندھ کے اکثر غیر مفتوح قلعے فتح کئے، ٹھٹھہ کا علاقہ چھوڑ کر جس میں موجودہ کراچی تک کا غیر آباد حصہ شامل ہے، سب پر اس نے قبضہ کر لیا، اور چونکہ سومرہ قوم اس ملک میں بہت با اثر تھی، اس لئے اس نے ان کو کمزور کرنے کی بیحد کوشش کی، اس نے ان کی زمینداریاں چھین لیں، اور صرف کاشتکار رہنے پر ان کو مجبور کر دیا، اس طرح ہر جگہ سے سومرہ قوم کا اثر جاتا رہا، صرف مقام ٹھٹھہ

میں ایک ریاست ان کی قائم رہی[1]،

بھٹو کے بعد گنہرا دکھن رائے[2] تخت نشین ہوا جس کو تحفۃ الکرام کے مصنف نے خیرا لکھا ہے، جو دکھن را کی بگڑی ہوئی شکل ہے،

مصنف کے انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھٹو کا لڑکا تھا، جو باپ کے بعد بلا مزاحمت ملک کا وارث ہوا، فہرست مندرجہ بالا میں اس کی مدت سلطنت ۱۶ برس لکھی ہے، لیکن اس کی صحت میں کلام ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی سلطنت کا خاتمہ ۶۲۷ھ میں ہو، حالانکہ جلال الدین خوارزم شاہ نے جب ٹھٹھہ پر حملہ کیا ہے تو اس وقت خاندان سومرہ کا ایک دوسرا شخص حکمراں تھا، اس لئے بظاہر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدت سلطنت صرف ۶ سال رہی ہو، اور تصحیف کاتب کی بدولت ۶ سے ۱۶ ہو گیا، اس بنا پر اس کا سال وفات ۶۱۷ھ ہوگا،

خوارزم شاہ سندھ میں

فرشتہ نے لکھا ہے کہ جب جلال الدین محمد خوارزم شاہ چنگیز خان سے شکست کھا کر سندھ آیا اور لوٹ مار کرتا ہوا لاہور پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش نے اس کو ملک خالی کرنے کے لئے کہا، اس لئے مجبوراً وہ ملتان اور اچھ ہوتا ہوا ٹھٹھہ آیا، اس وقت ٹھٹھہ میں راجہ جیسی خاندان سومرہ میں سے تھا، جب اس نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو تمام مال و اسباب اور اہل و عیال کو لے کر ایک کشتی کے ذریعہ کسی جزیرہ میں چلا گیا،

۶۲۰ھ میں خوارزم شاہ نے ٹھٹھہ میں مستقل قیام کیا، اور آس پاس کے شہروں اور گاؤں کو خوب لوٹا، بندرگاہ دیبل جو پہلے ہی بہت کچھ تباہ ہو چکا تھا، جلال الدین نے اس کو لوٹ کر بالکل بے چراغ کر دیا، اور وہاں کے دیول کو گرا کر مسجد بنائی، اسی عرصہ میں اس نے ایک فوج گجرات کی طرف روانہ کی جو لوٹ مار کر واپس آگئی، چنگیزی فوج کی آمد کی خبر جب جلال الدین کو ہوئی،

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۲ لکھنؤ [2] اس قسم کے نام جوناگڑھ کے راجوں کے ہوتے تھے جو سمہ قوم سے تھے،

تو وہ مکران ہو کر عراق چلا گیا[1]،

فرشتہ کی تاریخ مطبع نولکشور میں طبع ہوئی ہے، جس میں کتابت کی بے انتہا غلطیاں[2] ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سومرہ خاندان کے حاکم ٹھٹھہ کا نام جو اس نے جلشی تحریر کیا ہے، وہ در اصل جیسی (جیسیہ) ہوگا جو جے سنگھ کا معرب ہے، چنانچہ اس قسم کی مثالیں بلاذری، کامل ابن اثیر، چچ نامہ وغیرہ میں بکثرت آپ پائیں گے، بادشاہوں کی عموماً تیسری پشت کم ہمت اور عیش پرست ہوتی ہے، اس لئے خیال گذرتا ہے کہ ممکن ہے کہ لکھن رائے کا لڑکا ہو، اس کی مدت سلطنت بھی میرے خیال میں صرف تین برس رہی، کیونکہ جلال الدین خوارزم شاہ کے چلے جانے کے بعد ناصر الدین قباچہ نے ٹھٹھہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اور پھر خلجیوں کے حملے شروع ہو گئے، جو غزنی سے سیوستان کے راستہ منصورہ اور دیبل آئے تھے، اور اس کے بعد شمس الدین التمش سے جنگ شروع ہو گئی، جس نے سنہ ۶۲۴ھ میں ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا[3]،

پس جے سنگھ سنہ ۶۲۰ھ تک سلطنت پر قابض رہا، اس کے بعد کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے، ممکن ہے کہ اس خانہ جنگی میں مر گیا ہو، یا اس نے اس جزیرہ پر قناعت کر لی ہو اور عرصہ کے بعد مرا ہو،

اسماعیلیوں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ایک مرکز تباہ ہوا تو فوراً دوسرا مرکز تیار کر لیتے ہیں، غرض مرکز کے ساتھ رہنا ان کو بہت محبوب ہے، جیسا کہ مصر، یمن، گجرات اور خراسان میں بارہا ہوا، سندھ میں بھی ایسا ہی ہوا،

---

[1] فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۱۶ لکھنؤ [2] ترجمہ فرشتہ اردو مطبوعہ حیدرآباد میں اس نام کو "راجہ سی جشنی" لکھا ہے؛ لیکن نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ حبیب گنج میں فرشتہ کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں اس نام کو اس طرح لکھا ہے کہ جیسی اور جیسیہ دونوں پڑھ سکتے ہیں [3] طبقات ناصری صفحہ ۱۴۲ کلکتہ،

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے مرنے پر سومرہ قوم نے پھر سر اٹھایا، اور آہستہ آہستہ تمام سندھ پر قابض ہو گئی[1]، سومریوں نے دیکھا کہ ان کا پایہ تخت ٹھٹھہ بھی ان سے چھن گیا اور سمندر تک غیروں کا قبضہ ہو گیا، تو مجبوراً جنوب مشرق کی طرف ہٹ گئے، اور محمد تور نامی سومرہ کو سب لوگوں نے سردار بنایا، محمد تور سومرہ سردار نے اپنے نام سے ایک گاؤں آباد کیا، جس کا نام "محمد تور" (محمد طور) رکھا جس کو سندھی زبان میں تماتم تور کہتے ہیں،

یہ مقام ڈیگ دوک کے پرگنہ میں ہے، جو موجودہ پرگنہ چاچ گم اور بادین کی جگہ تھا اور یہ پارکرا اور ڈنگا بازار کے بیچ میں ہے[2]، سومریوں نے اس مقام کا انتخاب کچھ تو مجبوری اور کچھ ہوشیاری سے کیا تھا، کیونکہ سندھ دریا کے مشرقی اور مغربی کنارے اور جنوبی مغربی حصہ جو نہایت زرخیز جگہ تھی، ان تمام مقامات پر دہلی کے حاکم قابض ہو گئے تھے، اور سوائے اس جنوبی مشرقی علاقہ کے کوئی دوسری جگہ ایسی نہ تھی جہاں خود مختار حکومت قائم کی جاتی، اس مقام کا شمالی علاقہ دریائے سندھ کی ایک شاخ مشرقی نارو کے سبب کچھ زرخیز تھی، باقی سب ریگستان، جس کے ایک جانب کچھ کا علاقہ، اور دوسری طرف بیکانیر، جیسلمیر اور جودھپور کی سرزمین تھی،

غرض محمد تور نے اس مقام کو پایہ تخت بنا کر حکومت کرنی شروع کر دی، اور تمام سومریوں کا مرکز بھی ہو گیا، اس لئے کب تک سلطنت کی اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا فہرست مندرجہ بالا میں اس کی مدت سلطنت ۱۵ برس لکھی ہے، جے سنگھ سومرہ سنہ ۶۲۰ھ میں ٹھٹھہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، اگر محمد تور نے اسی وقت حکومت قائم کر لی، جیسا کہ قرائن سے اس کا یقین ہوتا ہے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نے سنہ ۶۳۵ھ تک سلطنت کی، کیونکہ اسماعیلی ہمیشہ سے اس بات کے

---

[1] فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۱۶ نولکشور [2] عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۲۶۶، الٰہ آباد، لیکن ان ناموں میں سے کوئی نام بھی موجودہ جغرافیہ میں نہیں ہے، صرف نگر پارکر البتہ ایک مقام ہے،

عادی ہیں کہ دشمنوں کی پھوٹ یا خانہ جنگی سے فوری فائدہ اٹھائیں، اور ایسے مواقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، اس لئے اغلب یہی ہے کہ محمد تور نے فوراً اس ریگستانی علاقہ میں اپنی حکومت قائم کر لی ہو گی

اسماعیلیوں کا دہلی میں فساد

اب اسماعیلیوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں ہر جگہ سے ان کی سلطنت مٹادی گئی، تو انھوں نے قدیم روش کا پھر اعادہ کیا، اور جس طرح ملتان اور منصورہ پر قبضہ کیا تھا، دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہا، کیونکہ سنہ ۶۳۳ھ میں جب سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا تو خانہ جنگی کے سبب نظام سلطنت جاتا رہا، سلطان کا لڑکا فیروز چند ماہ تخت نشین رہا کہ رضیہ سلطانہ ترکوں کی مدد سے سلطنت پر قابض ہو گئی، اسماعیلیوں نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت تخت پر ایک عورت ہے اور ملک میں خانہ جنگی بپا ہے غالباً انقلاب آسانی سے ہو جائے گا، پہلے نور ترک نامی داعی دہلی آیا، اور کام میں مصروف ہو گیا، اور کچھ دنوں کے بعد جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو ایک دن وقت مقررہ پر انقلاب کرنے کا ارادہ مصمم کر لیا، چنانچہ ۶ رجب یوم جمعہ سنہ ۶۳۴ھ میں عین نماز جمعہ کے وقت یہ لوگ مسلح ہو کر نکلے، ان کی تعداد اس وقت ایک ہزار تھی، ان میں سے نصف تو مسجد میں گھس گئے، اور باقی مدرسہ معزیہ میں پہنچے، اس وقت مسلمان خاموشی کے ساتھ خطبہ سن رہے تھے، کہ اچانک ان لوگوں نے قتل عام شروع کر دیا، کچھ لوگ تو ان کی تلواروں سے اور کچھ اس مجمع کثیر کے پیروں کے نیچے روند کر موت کے گھاٹ اترے جب شہر والوں نے یہ غوغا سنا تو فوراً امرائے شہر مسلح ہو کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گئے، اب ایک طرف سے مسلح سپاہیوں نے اور دوسری طرف سے عام مسلمانوں نے پتھروں اور اینٹوں سے ان کی تواضع شروع کر دی، یہاں تک کہ ایک ایک شخص اس فتنہ میں مارا گیا، اور امن قائم ہو گیا، نور ترک کے ہمراہی زیادہ تر سندھی اور گجراتی تھے، کچھ گنگا اور جمنا کے بھی باشندے تھے، اور دہلی کے اطراف میں جو لوگ رہتے تھے، وہ بھی اس کے شریک بن گئے، اگرچہ سب

ناکامیاب رہے، [۱]

محمد تور کے بعد گنہرا (کھن رائے) دوم تخت نشین ہوا، اغلب یہ ہے کہ کھن رائے (خیرا) دوم محمد تور کا لڑکا تھا، اس نے غالباً تھوڑے دنوں سلطنت کی، جیسا کہ فہرست مندرجہ بالا میں چند سال درج ہے، اور اس کی تائید تاریخوں سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ سنہ ۶۳۹ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے دربار کا ایک امیر ملک عز الدین بلبن بزرگ اولو العزم اور بااثر رکن تھا، وہ تخت دہلی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، لیکن تمام امراء اس کے خلاف ہو گئے، اس لئے وہ ناکام رہا، اور علاء الدین مسعود تخت نشین ہو گیا، جو شمس الدین التمش کا پوتا تھا،

امرائے دربار نے اشک شوئی کے لئے ایک بڑا علاقہ جاگیر میں بلبن کو دیا، جس میں اجمیر، ناگور (مارواڑ) اور سندھ شامل تھا، [۲] اچھ پر حاکم ملتان نے حملہ کر دیا، سندھ سے اجمیر قریب ہے، اور اجمیر سے سندھ جانے کا راستہ وہی ہے، جس راستہ میں محمد تور پڑتا ہے، وہ اسی راستہ سے سندھ (اچھ) گیا، [۳]

ملک عز الدین بڑا باہمت تھا، ممکن ہے کہ اس نے محمد تور پر بھی حملہ کر دیا ہو، اور اس جنگ میں کھن رائے (خیرا) دوم مارا گیا ہو، اس لئے اس کی سلطنت صرف چار برس رہی،

فہرست مندرجہ بالا کے مطابق اس کے بعد دودا سوم تخت نشین ہوا، اس کی مدت سلطنت چودہ برس لکھی ہے، جو ممکن ہے کہ صحیح ہو، کیونکہ ادھر مرکزی حکومت میں بڑی خانہ جنگی رہی، سنہ ۶۴۳ھ میں چنگیزی مغل اچھ پر آپڑے، اور تمام سندھ لوٹ مار کر واپس چلے گئے، سنہ ۶۴۴ھ میں ترکوں کی خانہ جنگی کے باعث سلطان علاء الدین معزول ہوا، اور ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا، سنہ ۶۴۴ھ میں

---

[۱] طبقات ناصری ص ۱۸۹ کلکتہ [۲] طبقات اکبری ص ۱۰ کلکتہ، فرشتہ جلد اول ص ۷، بدایونی جلد اول ص ۷، و ص ۸۱ کلکتہ، مآثر رحیمی جلد اول ص ۳۰ کلکتہ [۳] طبقات ناصری ص ۲۱۵ کلکتہ،

سلطان نے ملبن بزرگ کو سندھ اس کی جاگیر پر رخصت کیا، وہ اچھ آکر جنگی کارروائی میں مصروف ہوگیا،
۶۴۹ھ میں ملبن بزرگ باغی ہوگیا، دہلی سے شیر خان حاکم ملتان اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا،
جس نے اچھ کا محاصرہ کرلیا، مجبور ہو کر ملبن بزرگ نے اچھ کا قلعہ شیر خاں کے حوالہ کردیا، شوال
۶۵۰ھ میں خود سلطان ناصر الدین ملتان اور اچھ کی طرف روانہ ہوا، مگر بعض سیاسی امور کے باعث
دہلی واپس آگیا، اس خلفشار سے فائدہ اٹھا کر سندھیوں نے بغاوت کردی، اور بہت ممکن ہے
کہ سومرہ کی قوم اس میں شامل ہو، شیر خاں والی سندھ نے بہت کوشش کی کہ بغاوت رفع ہو مگر
سندھیوں نے کچھ ایسا زور باندھا کہ شیر خاں کی فوج کو شکست ہوئی، شوال ۶۵۱ھ میں سلطان
ناصر الدین دہلی سے چل کر دریائے بیاس کے پاس ٹھہرا، اور ارسلان خان کو سندھ کا علاقہ سپرد
کرکے واپس آیا، اور کچھ دنوں کے بعد ملک عز الدین کشلیخان[1] کے سپرد سندھ کا علاقہ ہوا،
۶۵۳ھ میں حاکم سندھ نے قتلغ خان جاگیردار اودھ کے ساتھ مل کر بغاوت کی، سلطانی لشکر نے
اس کو شکست دی، قتلغ خاں بھاگ کر راجہ جیت پور (غالباً راجپوتانہ یا مارواڑ) کے پاس چلا گیا،
اور وہاں سے لشکر لے کر سندھ آیا، ۶۵۵ھ میں حاکم سندھ بھی اس سے متفق ہوگیا، اور دونوں سمانہ
پہنچے، شاہی لشکر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا، اس درمیان میں دہلی کے لوگوں نے ان باغیوں
کو خط لکھ کر دہلی طلب کیا، یہ خبر بادشاہ کو ہوگئی، اس نے ان لوگوں کو قید کردیا، اور بعضوں کو ان کی
جاگیروں پر روانہ کردیا، جب یہ باغی دہلی کے قریب آئے تو اصل حقیقت سے آگاہی ہوئی، بہت
گھبرائے، اور آخر بھاگ کھڑے ہوئے، ملک عز الدین کشلیخان حاکم سندھ واپس سندھ آگیا، اور
الغ خان بلبن کے ذریعہ معافی مانگ کر سندھ کی نظامت پر برقرار رہا،

اسی سال کے آخر میں تاتاری مغل پھر اچھ اور ملتان پر حملہ آور ہوئے، سلطان کو خبر ہوئی تو

[1] طبقات ناصری میں اس کا نام کشلو خاں لکھا ہے ص ۲۲۳،

فوج لے کر روانہ ہوا، مغل شاہی فوج کی آمد سن کر لوٹ مار کرکے جلد واپس چلے گئے،[1]

سندھ اور مرکزی حکومت کے حالات تحریر کرنے کا منشا صرف یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہوجائے
کہ اندرونی خانہ جنگی اور مغلوں کے حملوں سے سندھ میں امن و سکون نہ تھا، اور سومرہ ایسے ہی مواقع
کے منتظر رہتے تھے، اس لئے دودا سوم نے سومریوں کو مجتمع کرکے اپنی طاقت میں اضافہ کرلیا ہو اور
اطمینان کے ساتھ ایک عرصہ تک سلطنت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،

مذکورۂ بالا حالات پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۶۵۱ھ میں سندھیوں نے جو بغاوت
کی تھی اس میں دودا اور اس کی قوم سومریوں کا ہاتھ ضرور تھا، اور اسی جنگ میں غالباً دودا مارا گیا، اگر
اس کو تسلیم کرلیا جائے تو دودا کی مدت سلطنت ۱۲ سال ہوتی ہے، اور اس کی موت ۶۵۱ھ میں واقع ہوئی،
تحریر کردہ فہرست میں اس کے بعد تاتی کا نام آتا ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ لفظ دراصل بائی
ہے، جو آج بھی بمبئی اور گجرات کی اسماعیلی عورتوں کے نام کے ساتھ موجود ہے، اس کی مدت سلطنت
۱۵ برس لکھی ہے، جس کے تسلیم کرلینے میں بظاہر کوئی امر مانع نظر نہیں آتا،

معلوم ہوتا ہے کہ دودا کے مرنے پر کوئی بالغ لڑکا نہ تھا، اس لئے اس کی بیوی یا بہن سلطنت
پر قابض ہوگئی، یہ وہ وقت ہے کہ مرکزی سلطنت خانہ جنگی، بغاوتوں اور مغلوں کی یورش کی مدافعت
میں ہمہ تن مصروف رہی، اس لئے نہ تو کسی جدید ملک کا اضافہ ہوا، اور نہ خود اپنے صوبوں میں کسی
اصلاح یا تنظیم کا موقع پاسکی، اس لئے میرے خیال میں امن کے ساتھ بائی نے ۶۶۶ھ تک سلطنت کی،
غالباً اسی خلفشار سے سومریوں نے موقع دیکھ کر دیبل پر قبضہ کرلیا، اور بائی نے اپنی طرف سے
ایک حاکم مقرر کردیا، حکمرانوں کے سلسلہ میں بائی کے بعد چنیسر کا نام آتا ہے، جو گنیش رائے کا معرب ہے،
چنیسر (گنیش رائے) بائی کا یا تو وزیر تھا، یا سردار فوج جس نے بائی کے بعد سلطنت کی،

[1] فرشتہ جلد اول ص ۷۲، و ص ۷۳،

قبضہ جمایا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ چنیسر بڑا خوبصورت اور خوشرو جوان تھا، اور اس کی شادی لیلا نام ایک حسین عورت سے ہوئی تھی، اور دونوں میں بڑی محبت بھی تھی،

پربت کے پاس ایک راجہ تھا جس کا نام گنہگار تھا، اور اس کی رانی کا نام مرکھن، اس کی ایک لڑکی بڑی خوبصورت تھی، ایک دن اس کی سہیلی "جمنی" نے طعنہ دیا کہ تو تو ایسے نخرے اور ناز کرتی ہے کہ گویا چنیسر دگنیش رائے کی رانی بن گئی ہے،، اس طعنہ سے اس کے دل میں چوٹ لگی اور اس نے چنیسر سے شادی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا، اپنی ماں کے ذریعہ باپ کو اطلاع دی، اور آخر مشورہ کر کے راے یہ طے پائی کہ ماں بیٹی کو لے کر جس کا نام "کوزو" تھا، دیول جائے،

چنانچہ سوداگری کا مال لے کر ایک تاجر کی طرح یہ سب دیول آئے، اور ایک مالن کے ذریعہ چنیسر کے وزیر "بے سکرا" دیا جے شنکر تک رسائی حاصل کی، اور اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی، وزیر نے چنیسر سے کوزو کی بڑی تعریف کی، مگر چنیسر نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، اور کہہ دیا کہ لیلا کے ہوتے مجھے کسی دوسری عورت کی حاجت نہیں، اب مرکھن نے دوسری ترکیب کی اہتمام اسباب تجارت فروخت کر ڈالا، اور بلا توسط لیلا کے پاس آئی، اور اپنی غربت بیان کر کے ملازمت کی درخواست کی، اس نے ماں اور بیٹی دونوں کو ملازم رکھ لیا، آہستہ آہستہ کوزو چنیسر کے کمرہ کی فراشی کرنے لگی، کچھ مدت کے بعد اپنی ناکامی اور وطن کی یاد نے اس کو بے قرار کر دیا، اور وہ رو پڑی، چنیسر نے دریافت کیا تو کہدیا کہ چراغ کا تیل ہاتھ میں لگ گیا تھا، اور اسی سے آنکھ کھجلائی اسی سبب سے آنکھوں میں پانی آگیا، لیکن لیلا نے جب یہ واقعہ سنا تو اس کو شک ہو گیا، اور اس نے اس کو اصل حال کہنے پر مجبور کر دیا، کوزو نے بھی تمام حقیقت کھول کر رکھ دی، لیلا کو یقین نہ آیا، کہ یہ راجہ کی لڑکی ہے، کوزو نے نولکھا ہار نکال کر دکھایا، لیلا اس کو دیکھ کر متحیر ہو گئی، اور زبردست خواہش اس کو حاصل کرنے کی اس کے دل میں پیدا ہوئی، کوزو نے اس شرط پر اس کو دینے کا عہد کیا

کہ چنیسر دگنیش رائے، کو ایک رات کے لئے کوزو کے حوالہ کردے، لیلا نے اس کو قبول کر لیا، اور بدمستی کی حالت میں ایک رات کوزو کو اپنی جگہ دیدی، کوزو رات بھر چنیسر کے ساتھ بستر پر لیٹی رہی، اور جب صبح کو چنیسر کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ حیران ہو گیا، کہ کوزو اس کے بستر پر لیٹی ہے، مرکھن نے اپنی بیٹی کی ناکامی دیکھ کر بلند آواز سے کہا، کہ عجب حال لیلا کا ہے، کہ صرف ایک ہار کے معاوضہ میں چنیسر جیسے شائق شوہر کو بیچ ڈالا، اور خود چنیسر اس سے بے خبر ہے، ورنہ لائق شوہر کب ایسی عورت کو منہ لگاتا ہے،

چنیسر کو جب کوزو کی زبانی اس کی مفصل کیفیت معلوم ہوئی تو لیلا سے اس کو نفرت ہو گئی، اور کوزو کی دلدہی کر کے اس کے ساتھ رہنے لگا، ادھر لیلا جب ہر طرح سے مایوس ہو گئی تو اپنے ماں باپ کے گاؤں چلی گئی، اور عرصہ تک اسی غم میں گھلتی رہی، ادھر وزیر جسکرہ دیا جے شنکر کی نسبت اسی گاؤں میں ایک لڑکی سے تھی، لیلا کے ساتھ اس واقعہ کے پیش آنے سے لڑکی کے ماں باپ نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، وزیر بہت گھبرایا، لیلا نے کہا کہ اگر چنیسر کو اس گاؤں میں لے آؤ، تو میں ذمہ لیتی ہوں کہ تمہاری شادی اس لڑکی سے ضرور کرا دوں گی، وزیر بڑی منت سماجت سے چنیسر کو اس گاؤں میں لایا، لیلا تبدیل لباس کے ساتھ منہ پر نقاب ڈال کر چنیسر کی مجلس میں پہنچی، اور لیلا کے ساتھ بے وفائی کرنے پر اس کو سخت ملامت کی، اور کچھ اس طرح شیریں الفاظ اور ناز و انداز کے ساتھ گفتگو کی کہ چنیسر اس کی طرف مائل ہو گیا، اور کہا کہ لیلا کا ذکر چھوڑو، تم خود لیلا سے کیا کم ہو، بتاؤ کہ تم کون ہو، کیونکہ میرا دل تمہاری طرف مائل ہو گیا ہے، اس نے کہا کہ تمہارے جیسے بیوفا کے ساتھ کون دل لگائے گا، چنیسر نے چاہا کہ خود اٹھ کر اس کا نقاب اٹھائے، یہ دیکھ کر لیلا جو خود بھی بیچین تھی اپنا نقاب چہرہ سے ہٹا کر سامنے آگئی، چنیسر دگنیش رائے، یہ دیکھ کر کہ یہ خود لیلا ہے، اس قدر متاثر ہوا کہ آہ سرد بھر کر زمین پر گرا

اور جان دے دی، لیلا بھی چیخ مار کر اس پر گری اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئی، لوگوں نے رسم و رواج کے مطابق دونوں کو جلا دیا،[1]

اس قصہ کو پڑھ کر میرا خیال ہوتا ہے کہ چنیسر (گنیش رائے) سومرہ قوم میں سے نہ تھا، کیونکہ اسماعیلیوں کا کوئی فرقہ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) مردہ کو جلاتا نہیں ہے، بلکہ دفن کرتا ہے، شاید یہ ہندو وزیر تھا جس نے بائی کے زمانہ میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا، اور پھر خود مختار ہو گیا، اور غالباً اسی وجہ سے اس نے بجائے محمد طور کے اپنا پایہ تخت دیبل (دیول) قرار دیا، اس کی مدت سلطنت ۱۸ سال لکھی ہے، اور یہ پورا زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہے، پس چنیسر (گنیش رائے) کی موت ۶۸۲ھ میں ہوئی؛

اسی سال ۶۸۲ھ میں مغلوں کا ایک بڑا حملہ ملتان اور سندھ پر ہوا، اس وقت ان صوبوں کا حاکم محمد خان، سلطان غیاث الدین کا بڑا لڑکا تھا، جو اسی جنگ میں شہید ہو گیا، اور اگلے سال خود بلبن چل بسا، اور اس کے بعد کیقباد کی بدمستی اور خانہ جنگی نے مرکزی حکومت کو بہت ہی کمزور کر دیا، ادھر چنیسر (گنیش رائے) کی اچانک موت اور مغلوں کے حملوں سے جو ابتری سندھ میں ہوئی اس سے سومروں نے پھر فائدہ اٹھایا، اور بھونگر (دوم) نامی کو اپنا سردار بنا کر تقریباً تمام سندھ پر قبضہ کر لیا، بھونگر کی مدت حکومت ۱۵ برس لکھی ہے، اور واقعات کو دیکھتے ہوئے اس کی صحت کا خیال ہوتا ہے، اس لئے اس کی موت ۶۹۷ھ میں سمجھنی چاہئے،

اس کے بعد خفیف دوم اس کا جانشین ہوا، اور اس درمیان میں معز الدین کیقباد کے مرنے پر جلال الدین خلجی ۶۸۹ھ میں تخت پر بیٹھا، ۶۹۱ھ میں اس کا بڑا لڑکا ارکلی خان ملتان کا حاکم ہوا، جس کے ماتحت تمام سندھ تھا، ۶۹۵ھ میں علاء الدین خلجی دہلی کا بادشاہ ہوا، لیکن بلبن ہی

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۳۱، ۳۲ و ۳۳ بمبئی سنہ ، فرشتہ جلد اول ص ۹۴،

کے عہد سے دستور یہ ہو گیا تھا کہ اصل حاکم (حاکم اعلیٰ) دیبال پور (دیوپال پور) میں رہتا، اور اس کے ماتحت ملتان، اچھ اور سیوستان کے حاکم ہوتے، اچھ اور سیوستان کے حاکم صرف شہر اور قلعہ پر متصرف رہتے، باقی تمام علاقہ ملکی (خصوصاً سومری) لوگوں کے قبضہ میں ہوتا، ان حاکموں کی حیثیت فوجی قلعہ دار اور ریذیڈنٹ (RESIDENT) کی ہوتی، لیکن جب ۶۹۵ھ میں علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا تو ارکلی خاں خود مختار ہو گیا، سندھ کا جدید انتظام اس طرح کیا کہ اچھ، بھکر، ٹھٹھہ، سیوستان ہر جگہ اپنا حاکم مقرر کیا، اور یہ انتظام آسانی اور مغلوں کی روک تھام کے لئے کیا گیا،

معصومی نے خفیف کی حکومت ۱۰ سال تحریر کی ہے، جو صحیح نظر نہیں آتی، جس کی وجہ آگے آتی ہے، اس لئے اگر صرف ۱۰ سال تسلیم کریں تو ۷۰۷ھ میں اس کی وفات ہوگی،

فہرست مندرجہ بالا میں خفیف کا جانشین دودا چہارم لکھا ہے، اور حکومت ۲۵ سال درج ہے، اور پھر عمر سومرہ کا نام تحریر کر کے اس کی حکومت ۳۵ سال بتائی ہے، میرے خیال میں یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ جیسا اوپر تحریر کیا گیا ہے کہ کسی خاندان کے افراد عہد قدیم میں یکے بعد دیگرے طویل مدت تک سلطنت نہیں کرتے تھے، اور بجز نادر مثال کے کوئی روایت تاریخ ہند میں نہیں ملتی، اس کے علاوہ اگر مرقومہ مدت تسلیم کریں، تو بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ امار (عمر) سومرہ جو علاء الدین خلجی کا ہمعصر ہے، اس کی مدت سلطنت بہت دور جا پڑتی ہے، اس لئے قیاس اور تاریخی تطابق سے ان کا سنہ مقرر کیا گیا ہے، اور تاوقتیکہ ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی نہ مل جائے، اسے صحیح تسلیم کرنا چاہئے، پس میرے خیال میں دودا نے ۵ برس سلطنت کر کے ۷۱۲ھ میں انتقال کیا،[1]

دلورائے تحفۃ الکرام کے مصنف نے حکمرانوں کے سلسلہ میں دلورائے نامی ایک حاکم کا اضافہ کیا ہے،

[1] کیونکہ زیادہ رکھنے سے امار (عمر) سومرہ علاء الدین خلجی کا ہمعصر نہیں رہتا ہے،

جو فہرستِ مندرجۂ بالا میں نہیں ہے، اس نے صاف طور پر یہ بھی تحریر نہیں کیا ہے کہ وہ کب تھا، یا کس وقت تک اس کی حکومت رہی، لیکن اس کے ایک جملہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ دلورائے غالباً عمر سے پہلے تھا، راجہ دلورائے کی حکومت شمال میں ڈیرہ غازی خاں اور جنوب میں موجودہ حیدرآباد کے قریب تک تھی۔[1] اس کا پایہ تخت اروڑ تھا، جو آج کل ایک معمولی قصبہ ہے۔[2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھونگر دوم کے آخری عہد یا خفیف دوم کے زمانہ میں اس نے ملک پر قبضہ کر لیا، یہ شخص بڑا ظالم تھا، ہر تاجر جو اس کے ملک سے گذرتا اس کا نصف مال لے لیتا، ہر خوبصورت عورت بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچتی، کہتے ہیں کہ ایک تاجر یا شاہزادہ بہ لباسِ تاجر حج کی نیت سے اس ملک میں وارد ہوا، جس کا نام سیف الملوک اور اس کی بیوی بدیع الجمال تھی، دلورائے نے اس کی بیوی کو بھی چھین لینا چاہا، تاجر بہت پریشان ہوا، اور تین دن کی مہلت طلب کی، اس نے دعا و زاری کے ساتھ تدبیر و زر سے بھی کام لیا، مشہور ہے کہ مایوس انسان کبھی کبھی مافوق الفطرت کام بھی کر جاتا ہے، سیف الملوک نے بھی ایسا ہی کیا، کہ کثیر دولت خرچ کر کے بے شمار مزدوروں کے ذریعہ ایک رات میں پہاڑ (ٹیلہ) کھود کر اتنا راستہ بنا لیا جس سے ایک کشتی نکل سکے، چنانچہ وہ اسی پر سوار ہو کر بھاگ نکلا، اس نے چلتے وقت ایک پشتہ بھی بنوایا جس سے وہ ندی جو اروڑ کے پاس بہتی تھی اس کا رخ دوسری طرف ہو گیا،

دلورائے کو جب معلوم ہوا تو اس نے سیف الملوک کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا، دلورائے کے ظلم سے تاجروں کی آمد بند ہو گئی، ادھر دریا کا رخ بدل جانے سے جو زراعت کو نقصان پہنچا، وہ بہت ہی تباہ کن تھا، کچھ ہی دنوں کے بعد شہر میں خاک اڑنے لگی اور لوگ

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۱۶ [2] ایضاً ص۱۴ [3] دریائے سندھ کے رخ پھیر دینے سے اروڑ ویران ہو کر تباہ ہو گیا، یہ دہرتی جو اس کے بعد آباد ہوا جنوب شرق میں پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اور اب اروڑ کی حیثیت ایک گاؤں کی ہے،

اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے، آخر یہ شہر ویران ہو گیا، دلورائے بھی وہاں سے برہمن آباد چلا آیا،

برہمن آباد کا اصلی نام "بم ہن وا" ہے،[1] آج کل ضلع نواب شاہ میں ایک ویران جگہ ہے، جو منجھوڑو تعلقہ میں واقع ہے،[2] اسی کو برہمن آباد کا ویرانہ سمجھتے ہیں، تحفۃ الکرام میں اس کا نام "بھانبرا" لکھا ہے،

دلورائے کا ایک چھوٹا بھائی جس کا اصلی نام امرانی (امرارین) تھا،[3] لیکن پیار سے لوگ اس کو چھوٹا (چھوٹو) کہتے تھے، وہ اسی کے ساتھ رہتا تھا، تو سو برس سے زیادہ ہوا کہ سندھ میں سنیوں کی اعلیٰ حکومت چلی آ رہی تھی، بھکر (منصورہ) جو برہمن آباد سے بہت نزدیک واقع ہے، یہاں سُنّی خاندان صاحب علم ہمیشہ سے رہتے تھے، غالباً انہی لوگوں کے فیضِ صحبت سے امرانی متاثر ہوا، اور چھوٹی عمر سے اسلام (سُنّی مذہب) کی طرف مائل تھا، چنانچہ دوسرے شہر (غالباً بھکر منصورہ) جا کر اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، اور حافظ ہو کر واپس آیا، اس کے گھر والوں نے شادی پر مجبور کیا، مگر اس نے صاف انکار کر دیا، اس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا، کہ یہ تو ملکِ عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کریں گے، غالباً یہ بات اس کے دل میں کھب گئی، امرانی حج کے سلسلہ میں چلا گیا، اور وہاں پہنچ کر غالباً اس کی تلاش کی، ایک دن کسی دکان پر ایک عورت قرآن پڑھنے میں مشغول تھی، یہ کھڑا ہو کر سننے لگا، اس عورت کے دریافت کرنے پر تجوید قرآن سیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، اس نے کہا کہ میں نے تجوید فلاں عورت سے حاصل کی ہے، تم اگر چاہتے ہو تو زندہ لباس

---

[1] کتاب الہند بیرونی ص۹۲ ایڈن [2] جغرافیۂ سندھ ص۱۶۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۳۳ء [3] سندھی زبان کے حروفِ تہجی میں سے ایک حرف "ڙ" (ڑان موافوہ) ہے جس کا تلفظ مسلمان بہت مشکل سے کر سکتے ہیں، سندھی ناموں کے آخر میں یہ حرف بکثرت آتا ہے، اردو زبان میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے، اس لئے زیادہ تر (ی) مستعمل ہے جیسے گڈوانی، کرپلانی، امرانی اور بانی،

بدل کر میرے ساتھ چلو، امرانی دوسرے دن اس کے ساتھ گیا، اور پھر روزانہ وہاں جا کر تعلیم حاصل کرنے لگا، ایک دن کوئی عورت آئی اور اس نے اپنی لڑکی کے لئے جس کی نسبت قرار پا چکی تھی معلمہ سے سعد و نحس دریافت کیا، جس میں اس کو مہارت حاصل تھی، عورت کے جانے پر امرانی نے معلمہ سے کہا کہ تم دوسروں کا ستارہ دیکھتی ہو خود اپنا بھی تو دیکھو، چنانچہ اس نے دیکھ کر کہا کہ میری شادی کسی سندھی سے ہوگی، اس نے پوچھا کہ کب؟ جواب دیا کہ بہت جلد، امرانی نے سوال کیا کہ کس شخص سے؟ اس نے استخراج کر کے کہا کہ تجھ سے،

معلمہ نے اس کو تاکید کر دی کہ کل سے وہ نہ آئے، اور میرے باپ سے جا کر میرے ساتھ شادی کا پیغام دے، چنانچہ وہ شادی کر کے اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا، اور برہمن آباد میں رہنے لگا، امرانی بڑا نیک بخت اور پارسا تھا، دلورائے کو برابر نصیحت کرتا، اور نیکی کی طرف مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتا، لیکن دلورائے اپنی بد چلنی سے باز نہ آتا،

ایک دن کسی نے امرانی کی بیوی فاطمہ کے حسن کی بڑی تعریف کی، دلورائے نے موقع تاک کر جب کہ امرانی گھر میں موجود نہ تھا، فاطمہ کے دیکھنے کا ارادہ کیا، چنانچہ جب وہ گیا تو امرانی کو بھی خبر لگ گئی، وہ بھی پہنچا، اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے باہر نکل گیا، اور اس نے اعلان کرا دیا کہ دلورائے کی شامت اعمال سے یہ شہر دھنس جائے گا، آخر تیسری رات کو جب کہ لوگ میٹھی نیند میں مست تھے، زلزلہ سے یہ شہر زمین کے اندر دھنس کر ایسا برباد ہوا کہ بجز ایک مینار کے کوئی چیز نہیں بچی،[1] غرض حاکم اور محکوم سب ہی موت کے گھاٹ اتر گئے، اور غالباً دلورائے کا خاتمہ بھی اسی کے ساتھ ہوا،[2] ضلع تھرپارکر میں ایک پہاڑ کارونجھر ہے، جو غالباً کسی زمانہ میں آتش فشاں تھا، یہاں اکثر زلزلہ اب بھی آتا ہے،[3] اس کا اثر کبھی کبھی دور تک ہوتا ہے، سانگھڑ کا علاقہ اسی ضلع میں شامل ہے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۲۶ بمبئی [2] ایضاً ص۳۵ و ۲۶ [3] جغرافیہ سندھ ص۱۳ کراچی ۱۹۳۲ء،

اور اسی سے متصل برہمن آباد ہے، اس لئے کبھی کبھی برہمن آباد کا بھی اس سے متاثر ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں،

انار سومرہ — معصومی نے دودا چہارم کے بعد عمر سومرہ کا ذکر کیا ہے، تحفۃ الکرام میں بھی عمر (انار) کا ذکر موجود ہے، انار (عمر) علاء الدین خلجی کا ہمعصر ہے، سندھ کی تمام حکومت دہلی کے ماتحت تھی، اور بڑے مقاموں میں شہنشاہ دہلی کی طرف سے حاکم (دہائی گشنر) رہتے، عمر سومرہ ان کے ماتحت تھا، اور اس کا پایہ تخت محمد تور،

ماروی کا قصہ — ماروئی (ماہرو) نامی ایک عورت ایک مرد سے منسوب تھی، لیکن اس کے والدین نے کسی سبب سے دوسرے کے ساتھ اس کی شادی کر دی، وہ شخص دل میں بہت جلا، اور اس کا انتقام اس نے اس طرح لیا کہ عمر سومرہ کے پاس جا کر یہ کہا کہ فلاں عورت جو مجھ سے منسوب تھی، اس کی شادی دوسرے سے کر دی گئی ہیں تو اس سے دست بردار ہو گیا، لیکن آپ اس کو دیکھیں اور پسند ہو تو بیشک وہ آپ کے محل کے لائق ہے،

انار (عمر) سانڈنی پر بیٹھ کر فوراً اس گاؤں میں پہنچا، اس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل محبت سے لبریز ہو گیا، اور موقع پا کر اس عورت کو محل میں لے آیا، محل میں اس کے آرام و آسائش کا تمام سامان مہیا کر دیا، مگر اس عورت نے ذرا توجہ نہ کی، اور دن رات اپنے شوہر کی یاد میں روتی پیٹتی رہی، انار (عمر) نے بارہا اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی، جب ایک سال تک یہی حال رہا تو مجبور ہو کر اس نے اس کے شوہر کو طلب کر کے عورت اس کے حوالہ کر دیا، اور بہت انعام و اکرام دیا، مگر اس کے شوہر نے سوء ظنی سے اس کو خوب مارا، اور لوگوں نے بھی طعنہ دینا شروع کیا،

یہ خبر جب انار کو ہوئی تو غصہ ہو کر اس نے اس قبیلہ والوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، ماروئی اس خبر کے سنتے ہی اپنے قبیلہ والوں کو تسلی دے کر انار کے پاس لائی اور کہا کہ خطا تمہاری ہے، تم بیگانہ عورت

کو سال بھر اپنے گھر میں رکھو تو کون آدمی اس کی پاکدامنی کا یقین کر سکتا ہے، انار پر اس کا بہت اثر ہوا، اس کے شوہر کو طلب کر کے کہا کہ بیشک اس عورت کا میں طلبگار رہا، مگر یہ کسی طرح راضی نہ ہوئی، اور یہ بڑی نیک اور پاکدامن ہے، اب جس طرح تمھاری تسلی ہو وہ کہو میں کرنے کو تیار ہوں، عورت نے کہا کہ قصور میری جانب منسوب ہے، اس لئے لوہا تپا کر میرے ہاتھ پر رکھو، غرض قوم کے سامنے آتشیں امتحان میں عورت کامیاب ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی،[1]

عمر (انار) سومرہ کو غالباً تعمیرات کا زیادہ شوق تھا، اس نے محلات کے علاوہ ایک شہر بھی آباد کیا جس کے ساتھ ایک قلعہ بھی تھا، اس کا نام عمر کوٹ رکھا،[2] آج بھی یہ شہر موجود ہے، یہ آبادی ضلع تھرپارکر میں واقع ہے، جو میر پور خاص سے قریب ہے، یہاں کے لوگ مویشی بکثرت پالتے ہیں، اور گھی کی تجارت سے بڑا نفع اٹھاتے ہیں، ہندوستانی نقشوں میں اس کا املا الف سے کرتے ہیں، یعنی امر کوٹ لکھتے ہیں، یہ وہی مقام ہے جہاں ہندوستان کا شاہنشاہ اکبر اعظم پیدا ہوا تھا، وہی سبب ہے اس کی شہرت بہت زیادہ ہے،[3]

گنگا کا قصہ گنگا نامی ایک لڑکی خاندان بنی تمیم کی انار (عمر) کے ساتھ منسوب تھی، چونکہ وہ ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، اس لئے اس کی صورت انار کو ناپسند ہوئی، اور اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ تمیم خاندان کے ایک مرد سے جو انار کا مصاحب تھا، اس کی شادی ہو گئی، جب اس کا گل رخسار کھل گیا، اور اس کے حسن کا شہرہ دور دور پہنچا تو انار نے بھی اس کو دیکھنے کی خواہش کی، لوگوں کے مشورہ سے شکار کے بہانے وہاں گیا، اور یہ معلوم کر کے کہ گنگا کا شوہر گھر میں نہیں ہے، ایک کبوتر اس کے گھر میں چھوڑ دیا، اور پھر تیر لینے کے حیلہ سے اس مکان میں جا کر اس کو دیکھا، دیکھتے ہی اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا،

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۴۳ [2] جغرافیہ سندھ ص ۵۶ ۱۹۳۲ء [3] طبقات اکبری و بدایونی و تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۶۳،

واپس آکر مصاحبوں کے مشورہ سے اس کے شوہر پر بڑی مہربانی کرنے لگا، خلاف معمول جو اس پر مراحم خسروانہ شروع ہوئے تو اس نے لوگوں سے اس کی وجہ دریافت کی، مصاحبوں نے کہا کہ عمر (انار) کا خیال ہے کہ تمھارے ساتھ اپنی بہن کی شادی کر دے،

ایک دن مجلس شراب کی گرم ہوئی جس میں گنگا کا شوہر بھی شریک تھا، جب مستی کے آثار نمودار ہوئے تو مصاحبوں نے اس سے کہا کہ انار اپنی بہن سے تمھاری شادی کر دینے کو تیار ہے، مگر تمھارے پاس پہلے سے ایک بیوی موجود ہونے کے سبب وہ متردد ہو گیا ہے، تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر انار کے حوالہ کر دو تاکہ جس سے مناسب سمجھے اس کی شادی کر دے، تو پھر انار کو کوئی عذر نہ ہوگا، اس سادہ لوح نے گنگا کو طلاق دے دی، اور جب انار کی خواہش کے مطابق تمام باتیں ہو گئیں تو اس کو ذلت کے ساتھ مصاحبوں نے دربار سے نکال دیا، اور کہا کہ جب تو ایسی وفادار عورت کو بغیر کسی قصور کے محض حب جاہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے تو پھر تیرا کیا بھروسا، تو ہرگز اس لائق نہیں ہے، کہ تیرے ساتھ سردار کی لڑکی بیاہی جائے،

مرد تمیمی جب صبح ہوش میں آیا، اور رات کے واقعہ کا علم ہوا تو اس نے سر پیٹ لیا، اور فریادی بن کر دہلی سلطان علاء الدین خلجی کے پاس گیا،[1] علاء الدین نے ایک فوج سالار خاں سپہ سالار کے ماتحت عمر (انار) کی گوشمالی کے لئے روانہ کر دی، سومریوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے اہل وعیال کو سندھ سے مکران کے علاقہ دار الامارہ کیچ روانہ کر دیا، اور خود مع تمام سومرہ جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا، سلطانی فوج قبضہ کرتی ہوئی محمد تور تک آگئی، تو ان لوگوں نے بھی خوب داد شجاعت دی، مگر آخر شکست کھا کر مکران کی طرف بھاگ نکلے اور ان کا سردار بھی سرہو سومرو مارا گیا،[2] شاہی لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا ان کے پیچھے چلا، لیکن مکران میں تمہ قوم کے سردار ابرہ (ایرانی) نے

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۴۳ [2] ایضاً ص ۴۴،

شاہی لشکر سے مل کر ان کے اہل وعیال پر چھاپہ مارا، اور پھر متعدد جنگ کے بعد سومرہ منتشر ہو گئے اور غالباً بلوچستان کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، اور شاہی لشکر واپس آیا، پایہ تخت محمد تور تباہ ہو گیا، اور اینٹ سے اینٹ اس کی بج گئی، ان دونوں مغلوں کی آمد کا ہمیشہ خطرہ رہتا، اس لئے ملک غازی تغلق سرحدی حاکم ہمیشہ فوجی دورہ کرتا رہتا، اس خوف سے سومرہ قوم کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ حکومت کریں،

۷۱۶ھ میں علاء الدین کے بعد قطب الدین تخت نشین ہوا، لیکن اس کی عیش پرستی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر وزیر خسرو خان گجراتی ۷۲۰ھ میں خود تخت پر قابض ہو گیا،

محمد تغلق کا عہد

ملک تغلق غازی کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے فوج کشی کا ارادہ کیا، اس وقت اس کے ماتحت تین حاکم تھے، ملتان، سندھ اور سیوستان، اس نے ملتان اور سندھ کے حاکم کو لکھا کہ فوج لے کر میری مدد کرو، لیکن ملتان کے حاکم مغلطی نے انکار کر دیا، غالباً وہ اس سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہونے کا خیال رکھتا تھا، ملک غازی نے سندھ کے حاکم بہرام ایبہ کو لکھا کہ فوج لے کر ملتان کے حاکم کو نکال دو، چنانچہ بہرام فوج لے کر ملتان گیا، حاکم ملتان مارا گیا، اور بہرام کی فوج غازی تغلق سے مل گئی جس نے خسرو خاں کو قتل کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا، اور پھر خود بادشاہ ہو گیا، اور بہرام سندھ اور ملتان کا حاکم،

اس خلفشار اور خانہ جنگی سے سومرہ قوم نے پھر فائدہ اٹھایا جو لوگ ادھر منتشر ہو گئے تھے سب کو جمع کر کے سرداروں نے ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا، اور پھر محمد تور کو دوبارہ آباد کیا اور حسب سابق حکومت کرنے لگا، اور غالباً دہلی کی مرکزی حکومت سے بھی اس نے صلح کر لی، اور حسب دستور سابق ایک حاکم اعلیٰ ان کا نگراں رہا،

۷۲۵ھ میں ملک غازی کا لڑکا سلطان محمد تغلق تخت نشین ہوا، اور اس کے ابتدائی عہد میں ملتان کے حاکموں نے بار بار بغاوت کی جس کے باعث عرصہ تک بدامنی رہی، اور سومرہ قوم کو ابھرنے کا کافی موقع ملا،

الور اور برہمن آباد کی تباہی سے سومرہ قوم کی آبادی زیادہ تر جنوبی سندھ اور دریا کے مغربی ساحل پر ہو گئی تھی، کیونکہ سیوستان کے پاس دریا ہٹ آنے سے زرخیزی اور شادابی بڑھ گئی تھی، اس کے علاوہ شاہی فوج سے شکست کھانے کے بعد جو لوگ مکران اور بلوچستان چلے گئے تھے وہ بھی غالباً اسی طرف آ کر آباد ہو گئے، چنانچہ ۷۳۴ھ میں جب ابن بطوطہ سندھ آیا تو وہ سومریوں کے ایک بڑے آباد شہر میں مقیم ہوا، جس کو اس زمانہ میں جنانی کہتے تھے، اور اس وقت سومریوں کا امیر ونار (انار یا عمر) تھا،[1]

ان دنوں انار سیوستان میں رہتا اور اس کے ساتھ امیر قیصر رومی (ہائی کمشنر) تھا، اس شہر کا باشندہ رتن نامی ایک ہندو حساب کتاب میں بڑا ہوشیار نکلا، کسی امیر کے توسط سے دربار شاہی تک رسائی پیدا کی، محمد شاہ تغلق نے اس کی لیاقت کو دیکھ کر راجہ کا خطاب اور سیوستان کا حاکم بنا دیا، راجہ ملک رتن جب سیوستان پہنچا تو انار اور قیصر رومی کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ ایک ہندو کو مسلمانوں پر حاکم بنا کر بھیجا، اس لئے ان دونوں نے مل کر اس کو قتل کر ڈالا، اور سلطان سے باغی ہو گئے، انار کو ملک فیروز کا خطاب دے کر لوگوں نے اپنا بادشاہ بنایا، اور شاہی خزانہ جس میں بارہ لاکھ اشرفی تھی، ان لوگوں نے لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لی،

ملتان کے حاکم اعلیٰ عماد الملک سرتیز کو جب اس کی خبر ہوئی، تو وہ فوج لے کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوراً روانہ ہوا، ملک فیروز انار ڈرا، کیونکہ اس کے پاس صرف اٹھارہ سو سوار تھے، اس لئے اپنے رشتہ داروں اور ہمراہیوں کو لے کر اپنے قبیلہ کی طرف چلا گیا، تب لوگوں نے امیر قیصر کو اپنا سردار بنایا، جس کو عماد الملک نے شکست کے بعد گرفتار کر کے

[1] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۲۰۰ مصر،

قتل کر ڈالا۔[1]

اب قابلِ تحقیق یہ امر ہے کہ ابن بطوطہ نے جس انار کا ذکر کیا ہے، وہ وہی انار (عمر) ہے جو علاءالدین کا ہمعصر تھا، یا کوئی دوسرا ہے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ علاءالدین خلجی کے افسر سالار خاں کے ساتھ جنگ کرنے میں عمر سومرہ کا سپہ سالار سپر سومرہ مارا گیا، خود انار کی نسبت کچھ نہیں ہے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً وہ زندہ رہ گیا، اور خسرو خاں گجراتی کے فتنے سے اسی عمر سومرہ نے فائدہ اٹھا کر دوبارہ اپنی سلطنت قائم کرلی اور غالباً یہی انار (عمر) سومرہ ہے جو ابن بطوطہ کا ہمعصر ہے، اس کی تائید ایک طرح سے معصومی کے بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنی فہرست میں انار کی مدتِ سلطنت ۳۵ سال لکھی ہے، لیکن یہ مدت اگر ہم تسلیم کرلیں، تو خاندانِ سومرہ کا خاتمہ تقریباً ۷۵۲ھ میں ہوتا ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں، مگر اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ انار (عمر) نے عرصہ دراز تک حکومت کی، اس لئے بہت ممکن ہے کہ علاءالدین اور تغلق دونوں کا ہمعصر ایک ہی انار (عمر) ہو۔

ملک فیروز کا شاہی فوج سے مقابلہ نہ کرنا اور بھاگ کر اپنے قبیلہ میں چلے آنے سے بھی اس خیال کو تقویت ہوتی ہے، کہ عمر ایک دفعہ شاہی فوج سے شکست کھا کر اپنے ملک کی بربادی دیکھ چکا تھا، اس لئے قیصر رومی کے اثر سے وہ بغاوت میں شریک تو ہو گیا مگر جب اس نے اپنی کمزوری محسوس کی تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ اس کا ملک برباد ہو،

ملک فیروز انار (عمر) بھاگ کر بھکر پہنچا، اور خاموشی کے ساتھ اس نے چند سال حکومت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں نے اس کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، اس کے علاوہ سمہ قوم کا

[1] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۹ (ملخص)، ابن بطوطہ نے اس سومرہ کا نام "ونار" ف سے لکھا ہے، لیکن عفیف سراج نے (ص ۱۹۹ کلکتہ میں) اس نام کو الف سے "انار" لکھا ہے، میرے خیال میں (انار) انّر صحیح لفظ ہے، کیونکہ عفیف دہلی میں اکثر رہے ہیں اس لئے عفیف نے اس کا لفظ صحیح لکھا ہوگا، بخلاف ابن بطوطہ کے جس نے اس کا ذکر محض شبہۃً کیا ہے،

اثر اب بہت بڑھ گیا تھا، کیونکہ وہ مکران پر قابض ہو کر مغربی سندھ میں پھیل چکے تھے، اور جنوب کی طرف بھی آگئے تھے، غرض کاہہ بن تماچی، ملک فیروز انار (عمر) اور علی شاہ کو بھکر سے گرفتار کر بہرام پور لایا، پہلے علی شاہ کو قتل کیا، اور تین دن کے بعد ملک فیروز انار کو دوسروں نے مار ڈالا،[1]

اس کی مدتِ حکومت ان وجوہات سے جیسا کہ اوپر میں نے تحریر کیا ہے، اگر ۳۵ برس تسلیم کرلیں تو اس کا سنہ وفات ۷۳۰ھ ہوگا، اس کے بعد بھونگر سوم اس کا جانشین ہوا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کافی ترقی کی، دریائے سندھ کا مشرقی حصہ جو علاءالدین خلجی کے عہد میں نکل گیا تھا، اس نے پھر اس پر قبضہ کرلیا، کیونکہ ملتان میں بار بار کی بغاوت سے خلل پیدا ہو گیا تھا، پھر مغلوں کے حملوں نے بھی اس میں اضافہ کردیا، ادھر سلطان محمد تغلق بنگال اور مالوہ کی بغاوت کے علاوہ قحط و وبا سے بحد پریشان تھا، اس لئے سندھ کی انتظامی حالت اچھی نہیں رہی، اور سومرہ قوم کو اس پر قبضہ کرنے کا کافی موقع مل گیا، اور چونکہ یہ سلطان کے باجگزار ہونے کا اقرار کرتے، اس لئے کوئی پرسش ان سے نہ ہوتی،

بھونگر کی مدتِ حکومت معصومی نے دس برس لکھی ہے، اس حساب سے اس کی وفات ۷۴۰ھ میں ہوئی، اس عہد میں سومرہ قوم نے کافی ترقی کرکے اپنے ملک کو وسیع کر ڈالا، اور اچھ تک اس کے قبضہ و اقتدار میں تھا، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، لیکن ان کا اصلی زوال انار سومرہ کے عہد سے شروع ہو گیا تھا، معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی حیثیت سے یہ قوم بہت نیچے گر گئی جیسا کہ آگے آئیگا،

حضرت مخدوم جہانیاں اور سومرہ حاکم اچھ

فرشتہ نے سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کے حالات میں اچھ کے سومرہ حاکم کے متعلق ایک حکایت لکھی ہے کہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری ایک دن

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۴۱ [2] ایضاً ص ۴۹،

رمضان کے مہینہ میں مسجد میں معتکف تھے، اور مریدوں اور درویشوں کا ہجوم تھا، اُچھ کا حاکم جو سومرہ
تھا، وہ آپ سے ملنے کے لئے آیا، غالباً کسی درویش سے کوئی ایسی حرکت ہوئی جو اس کے حاکمانہ خیال
کے مطابق درست نہ تھی، اس لئے اس نے مسجد سے اس کو نکال دیا، سید موصوف کو جب اس کی
خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سومرہ شاید دیوانہ ہوگیا ہے، سومرہ واقعی دیوانہ ہوگیا، اور شہر میں غل
مچ گیا، اس کی والدہ یہ معلوم کرکے فوراً سید موصوف کے پاس حاضر ہوئی، اور بڑی عاجزی سے
عرض کیا کہ میری پیرانہ سالی پر رحم فرما کر اس نوجوان کو معاف کردیں، غرض چند شرائط کے ساتھ
اس کو معاف فرمایا، وہ ہوش میں آکر آپ کے قدموں پر گرا، اور آپ کا مرید ہوگیا۔[1]

یہ واقعہ کس سومرہ کے عہد میں ہوا، یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے، شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی
راوی ہیں کہ سید مخدوم برسوں ان کی خدمت سے فیضیاب ہوکر مکہ، مدینہ اور دیگر اسلامی ممالک
کی سیاحت کو نکلے[2]، اور ۷۶۲ھ میں وہ ہندوستان واپس آئے اور اُچھ میں مقیم ہوگئے، پس یہ واقعہ
سیاحت کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ [illegible] سے بہت پہلے سومرہ خاندان ختم ہوچکا تھا، اس لئے یہ
تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے قبل کا واقعہ ہے،

شیخ رکن الدینؒ کا انتقال ۷۳۵ھ میں ہوا[3] اس وقت سید موصوف کی عمر ۲۸ برس کی تھی کیونکہ
ان کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی ہے، اور چونکہ شیخ رکن الدینؒ اپنی زندگی ہی میں ان کا سفر کرنا بیان
کرتے ہیں اس لئے اغلب یہ ہے کہ ۲۰ برس کی عمر تک میں یہ واقعہ ہوا ہوگا، اس لحاظ سے یہ عہد انار دنرا
کا آخری زمانہ یا بھونگر سوم کا ابتدائی عہد ہوگا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عہد میں سومریوں کا قبضہ
اُچھ تک تھا، اور امیر کی طرف سے کوئی حاکم یہاں رہتا ہوگا،

بھونگر کے بعد سومرہ قوم کا آخری حکمراں ہمیر امیرا ہوا جس کا املا بعضوں نے غلطی سے

[1] فرشتہ جلد دوم ص۴۱۶ نولکشور، [2] ایضاً ص۴۱۷ [3] مرآۃ الاسرار مولفہ عبدالرحمن چشتی،

"حمیر" لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہندی میں امیر کو ہائے ہوز سے لکھا جاتا تھا، جیسا کہ سلطان محمود
غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے ہندی سکوں میں درج ہے،

تحفۃ الکرام میں اس کا نام "ارمائیل" لکھا ہے[1]، جو غالباً اس کا اصلی نام تھا، مگر پھر خیال گزرتا ہے کہ کہیں
یہ امیر المومنین ہی کا تحریف شدہ لفظ تو نہیں ہے؟

گوجر رانی کا قصہ

امیر ارمائیل کی نسبت تحفۃ الکرام میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک گوجر رانی نے جو
اپنے باپ کے بعد خود حکمراں تھی، ایک قصر طلسمی طور پر تیار کیا، اور مشہور کیا کہ جو کوئی اس میں داخل ہوکر
تخت پر جلوس کرنے کی جراُت کرے گا میں اسی سے شادی کروں گی، اس ہوس میں بہت لوگوں نے جان دی،
ایک دن ہمیر (امیر) اپنے مصاحبوں کے ساتھ شکار کرتے ہوئے رانی مومل کے قصر تک پہنچا،
ان مصاحبوں میں ایک شخص رانا میندرہ اس کا برادر نسبتی بھی تھا، قصر کی تعریف سن کر پہلے دن خود
امیر ارمائیل دیکھنے کے لیے گیا، مگر طلسمی آب کو دیکھ کر آگے جانے کی ہمت نہ پڑی، ناکام واپس آیا،
دوسرے دن ایک مصاحب گیا اور تیسرے دن دوسرا گیا، لیکن سب ناکامیاب رہے، چوتھے
دن رانا میندرہ جراُت کرکے قصر کے اندر تخت پر جا بیٹھا، رانی مومل نے اس کو شرف باریابی بخشا،
رات گذار کر صبح کو واپس آیا، اور قصہ سب لوگوں کو سنایا، امیر سومرہ نے کہا کہ اب تو وہ تمھاری
ہوچکی، مگر ذرا مجھے بھی ایک دفعہ دکھا دو، چنانچہ دوسری رات اپنے ساتھ لے گیا، امیر سومرہ کو یہ ناگوار
گذرا کہ ایسی عورت اور یہ پا جائے، غرض میندرہ کو شہر میں لاکر نظر بند کردیا، تاہم وہ ہر شب سانڈنی
پر سوار ہوکر رانی مومل سے ملتا اور صبح کو واپس آجاتا،

ایک دن رانی مومل کسی رشتہ دار سے ملنے چلی گئی، رانا میندرہ حسب دستور جب گیا تو
ملاقات نہ ہوئی، بدگمان ہوکر واپس آگیا اور پھر نہ گیا، رانی بیقرار ہوکر رانا میندرہ کے شہر میں آئی اور

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۴۵،

اس کے محل سے متصل اپنا محل بنایا کہ شاید کسی وقت اس پر نظر پڑ جائے، مگر رانا نے کبھی کھڑکی نہ کھولی، جو اس کو دیکھ سکے، رانی آخر مایوس ہو کر دنیا سے چل بسی، رانا مہیدرہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی اس کا ساتھ دیا اور جان شیریں جاں آفریں کے سپرد کی[1]،

محمد تغلق کا محاصرہ ٹھٹھہ

سلطان محمد تغلق کے عہد میں "طغی" نامی ایک غلام تھا جس نے بغاوت کر کے گجرات پر قبضہ کرنا چاہا تھا، مگر سلطان محمد تغلق کی فوج نے اس کو شکست دے دی اور وہ بھاگ کر سندھ پہنچا، سومریوں نے اس کو ٹھٹھہ میں پناہ دی، جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ایک بڑی فوج لے کر "ماندل" اور وہاں سے تھری تک آیا تھا کہ بیمار ہوگیا اس لئے خود ماندل واپس آیا، جب صحت ہوگئی تو پھر تھری واپس ہوا، اور یہاں سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا،

۱۳ر محرم ۷۵۲ھ میں سلطان ٹھٹھہ سے ۱۴ کوس پر آپہنچا، فوج حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار تھی کہ یکایک سلطان علیل ہوگیا، ادھر سومریوں نے جو یہ آفت دیکھی تو اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر قلعہ بند ہوگئے[2]، لیکن ۲۱ر محرم ۷۵۲ھ میں جب سلطان کا انتقال ہوگیا، اور ملک فیروز شاہ تغلق تمام فوج کے ساتھ دہلی چلا تو سومریوں کی جان میں جان آئی[3]، اور انھوں نے فوج کا تعاقب شروع کیا، اور دو تین دن تک خوب لوٹ مچائی، اور غالباً سومریوں کی سرحد سے نکل جانے پر وہ لوگ واپس آئے،

سومریوں کی حکومت کا خاتمہ

اس سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ سمہ قوم ان دنوں بڑی طاقتور ہوگئی تھی، مکران کے علاوہ مغربی سندھ سے جنوبی سندھ تک پھیل گئی تھی، اور گو اس وقت تک محکوم کی حیثیت رکھتی تھی، مگر ہر وقت حاکم بننے کے لئے تیار تھی، ادھر سومریوں کی اخلاقی حالت بہت خراب ہو چکی تھی، اور رائی سومرہ کے ظلم سے بھی لوگ تنگ آگئے تھے[1]، کہ اسی زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا،

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۰۳ [2] فرشتہ صفحہ ۱۴۳ جلد اول نولکشور [3] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۳۵،

جس نے انقلاب حکومت کے لئے راستہ صاف کر دیا، سومرہ قوم شراب کثرت سے استعمال کرتی اور گزک کے لئے بھینس کا گوشت ان کو بہت پسند تھا، ایک دن کسی سومرہ نے بھینس کا ایک پڑوا کسی سمہ کے گھر سے جبراً لے کر ذبح کر ڈالا، اور شراب و کباب سے اپنی محفل کو آراستہ کیا، سمہ اس وقت گھر میں نہ تھا، جب واپس آیا تو اس کی عورت نے اس واقعہ کی اطلاع دے کر اپنے شوہر کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ سومریوں نے تو یہ خوب دستور مقرر کر لیا ہے کہ جس کا مال چاہیں جبراً چھین لے جائیں، آج پڑوا اٹھا لے گئے ہیں تو کیا تعجب کہ کل سمہ قوم کی عورتوں کو جبراً پکڑ لے جائیں؛

سمہ کو اس سے بڑی غیرت آئی، اس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے متعدد سومری سرداروں کو قتل کر دیا، اور پھر سب ریگستان کی طرف بھاگ نکلے، سومریوں نے ان کا تعاقب کر کے بہت کوشش کی کہ ان کو گرفتار کر لیں مگر ناکام رہے، غالباً سومری سمہ قوم کی طاقت سے واقف تھے، اس لئے خوفزدہ ہو کر ان سے صلح کر لینے کی سعی بھی کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا[1]،

ادھر سمہ نے ایک مقام پر جمع ہو کر مشورہ کیا اور انڑ (اُنّار) نامی ایک شخص کو سب نے مل کر سردار بنایا، اس نے اپنی مسلح قوم سے غالباً اچانک سومریوں پر حملہ کر دیا، سومریوں کی شکست پر انار سمہ نے پایہ تخت محمد طور اور ٹھٹھہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا، لیکن محمد طور کو شاہی لشکر نے لوٹ کر تباہ کر دیا تھا، اس لئے اس کو منحوس سمجھ کر انار سمہ نے پایہ تخت بنانے کے لئے ایک اور شہر آباد کیا، جس کا نام "ساموئی" رکھا[2]،

انار بن بابنیہ سمہ نے تھوڑے ہی دنوں میں سُنی مسلمانوں کی مدد سے[3] امن قائم کر کے تمام سندھ پر قبضہ کر لیا، دریائے سندھ کے شمالی مغربی حصے جو ابھی تک ملک رتن کے آدمیوں کے پاس تھے، انار سمہ نے ان سے لے لیے، اور اس دن سے سمہ قوم کی مستقل حکومت سندھ میں قائم ہو گئی؛

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۱۰ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۴ [3] فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۲۰ نولکشور،

غرض ۷۵۲ھ میں سومرہ قوم کی حکومت تباہ ہوگئی[1] اور یہ لوگ عام رعایا کی طرح رہنے لگے، گو ان میں جماعت کے ساتھ ایک سردار کے ماتحت رہنے کی خو آخر تک باقی رہی جیسا کہ آگے آئے گا، مگر پھر ان میں سیاسی قوت کبھی نہ آئی، جس سے یہ دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت واپس لیتے، بدقسمتی سے تمام دنیائے اسلام میں اسماعیلیوں کی مرکزی حکومتیں تباہ ہوچکی تھیں، کیونکہ ۵۲۴ھ میں آمر باحکام اللہ کے انتقال پر اسماعیلیوں میں جو پھوٹ پڑی تو یمن کا علاقہ خودمختار ہوگیا، ہند اور سندھ اسی کے زیر نگرانی تھے[2] پس ۵۲۴ھ سے سندھ کا تعلق مصر سے جاتا رہا اور کچھ ہی دنوں کے بعد مصر پر صلاح الدین ایوبی قابض ہوگیا، ادھر سندھ یمن کے داعیوں کے ساتھ وابستہ ہوگیا، ۶۴۷ھ میں وہی سیدنا علی شمس الدین بن ابراہیم کے عہد میں خانہ جنگی اس درجہ ہوئی کہ خزانہ خالی ہوگیا، اور سندھ جیسے دور دراز صوبہ کی خبرگیری نہ ہوسکی، پھر سیدنا داعی اعلیٰ شمس الدین وابن عبداللہ متوفی ۶۳۲ھ کے عہد میں ملا جعفر پٹنی کے سبب سے ایسی شورش ہوئی کہ تمام گجرات میں ہلچل مچ گئی، ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتاری نے نزاری سلطنت کو بھی تباہ کردیا تھا، جس کے باعث سیاسی طاقت جاتی رہی،

ان اسباب کی بناء پر ان کو کسی جگہ سے سیاسی مدد نہ مل سکی، بلکہ مذہبی دُعاۃ جو یمن سے آتے تھے غالباً اس سے بھی محروم ہوگئے، کیونکہ دسویں صدی میں جو داعی گجرات میں ہوئے ان کی یہ بات بوہروں کی تاریخ میں موجود ہے کہ عرصۂ دراز سے سندھ کی کوئی خبر نہیں سنی گئی، اس لئے وہاں کا دورہ کرنا ضروری ہے[3]۔

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۱۹ بمبئی۔ [2] اسماعیلی شیعہ بوہروں کی تاریخ میں بار بار سندھ اور ہند کے تحت ہونے کا ذکر آتا ہے، اس لئے ان کا تعلق مستعلویہ طیبیہ سے تھا، نزاریہ (حسن بن صباح کے فرقہ) سے نہ تھا، کیونکہ نزاریوں کے سب سے پہلے داعی سندھ میں شمس الدین سبزواری متوفی ۷۵۷ھ میں آئے تھے (اسماعیلی ۵ جنوری ۱۹۴۷ء بمبئی)
[3] کوکب فلک بنیئی بابان سیدنا داؤد

سومریوں پر محمود گجراتی کا حملہ

۴۱۶ھ میں سلطان محمود اول گجراتی کو یہ خبر ملی کہ کچھ کی سرحد پر سومرہ قوم ڈاکہ زنی کرتی ہے، اس لئے ان کی تنبیہ کے لئے وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر یلغار کرتا ہوا جا پہنچا، سومریوں کی تعداد ۴ ہزار سواروں کی تھی، ان کو جب خبر ہوئی تو فوراً جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے، وہ سمجھے کہ شاید کل فوج بھی ہے۔ مگر جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور مناسب سمجھا کہ جنگ سے پرہیز کریں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے حاجب (وزیر) کو بھیجکر اپنی خدمت میں طلب کیا، ان کے سردار جب حاضر دربار ہوئے تو ان کے حالات ان سے دریافت کئے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں مگر تعلیم نہ ہونے کے سبب اسلام کے مسائل سے بے خبر ہیں، اور اسی سبب سے ہم غیر مسلموں سے ربط و ضبط رکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، یہ سن کر سلطان نے ان پر رحم کھایا اور ان کو اپنی ملازمت کی ترغیب دی، انھوں نے بھی قبول کرلیا، چنانچہ سلطان کے ساتھ وہ جوناگڈھ آئے، سلطان نے ان کو آراضی کاشت کے لئے اور مکانات رہنے کے لئے عنایت فرمائے اور ایک معلم رکھ کر ان کی تعلیم کا مکمل بندوبست کیا[1]، غالباً جوناگڈھ میں آج جو سندھی نسل کے لوگ ہیں، ان کی بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے، جن میں سے متعدد خاندان زیور علم سے آراستہ ہوکر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اور اب صدیاں گذرنے پر بالکل کاٹھیاواری ہوگئے ہیں، لیکن یہ تھوڑے سے لوگ تھے، ورنہ بڑی تعداد سندھ ہی میں مقیم رہی،

سومریوں کی آغاخانیوں سے مخالفت

اب یہ لوگ زیادہ تر کاشتکاری اور شکار میں مصروف رہتے، سیاسی کاموں میں حصہ نہ لیتے اور پرامن زندگی بسر کرتے، لیکن تنظیم حسب سابق باقی تھی، چنانچہ ۹۶۲ھ میں حکومت سندھ دو حصوں میں ہوگئی تھی، سلطان محمود بھکر میں، اور عیسیٰ خاں ترخان

[1] لیکن فرشتہ نے یہ واقعہ ۴۱۸ھ کا لکھا ہے۔ ظفر الوالہ ص ۱۲۰ دفتر اول لیڈن،

ٹھٹھہ میں حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی سومرہ قوم منظم تھی، ان کا ایک سردار محمد سومرہ نامی تھا جس کے ماتحت یہ لوگ کام کرتے، دینی حرارت بھی کافی تھی، کیونکہ آغا خانی امام کی طرف سے جب سید داؤد پیر دیکیل (داعی) بن کر سندھ آئے تو یہی محمد سومرہ تھا جس نے انھیں سندھ میں ٹھہرنے نہ دیا اور وہ مجبور ہو کر کچھ چلے گئے، پھر بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا، اور ان کے دو بھائی عاص دین اور جردو دین کو فتح باغ میں قتل کرا دیا[1]،

مندرجۂ بالا تحریر کے مطابق سومرہ حکمرانوں کی مدت سلطنت اور ناموں کی فہرست اس طرح ہوگی،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
۱	سومرہ اول (یا راجہ سوم رائے)	[illegible] سے [illegible] تک	۴۲۲ھ	نسل سومرہ کا یہ پہلا حکمران خاندان ہے،
۲	راجہ پال	۱۶ سال	[illegible]	
۳	سومرہ دوم	۲	۴۴۶ھ	یہ دوسرا خاندان ہے،
۴	بھونگر	۱۵	۴۶۱ھ	اس کی حکومت زیر نگرانی وزراء ہوئی کیونکہ کم عمر ۱۰ برس کی تھی،
۵	دودا یا داؤد بن بھونگر اول	۲۴	۴۸۵ھ	مدت عمر ۲۴ سال، زیر نگرانی وزراء اس کی حکومت تھی،
۶	بائی (تاری یا تاری)	۱۵	۵۰۰ھ	یہ دودا کی لڑکی تھی،
۷	سنگھو رائے (سنگھیا سنگھار) بن دودا	۱۵	۵۱۵ھ	یہ لاولد تھا، بعض لوگوں نے اس کا نام (سنجرا) بھی لکھا ہے لیکن میرے نزدیک یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے، ان کا نام عربی یا سندھی ہو سکتا ہے، نہ کہ ایرانی، کیوں کہ ان کا تعلق عرب سے رہا، ایران سے کبھی نہیں ہوا،

[1] اسماعیلی ص ۲۵، بمبئی ۱۹۳۶ء،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
۸	خفیف	۳۳ سال	۵۴۸ھ	نسل سومرہ میں سے یہ تیسرا خاندان ہے،
۹	اُمار (عمر)	۲۳	۵۷۱ھ	عمر ۴۰ سال، شہاب الدین غوری سے جنگ کے اثنا میں مر گیا،
۱۰	دودا (یا داؤد) دوم	۸	۵۷۹ھ	یہ سومرہ کسی قلعہ کا حاکم تھا آخر میں بادشاہ ہو گیا،
۱۱	بھٹو، دودا ابن بھونگر کی اولاد سے	۳۳	۶۱۱ھ	یہ سومرہ دوم کے خاندان سے ہے، اس کا نام پاتھو یا پھتو بھی لکھا ہے،
۱۲	کھن رائے (کھنرا)	۶	۶۱۷ھ	بعض لوگوں نے اس کا نام خیرا لکھا ہے،
۱۳	جے سنگھ (جلبسی یا جیسہ)	۳	۶۲۰ھ	
۱۴	محمد تور	۱۵	۶۳۵ھ	یہ سومرہ نسل سے ہے اور اپنے خاندان کا بانی ہے،
۱۵	کھن رائے (کھنرا) دوم	۴	۶۳۹ھ	
۱۶	دودا (یا داؤد) (سوم)	۱۲	۶۵۱ھ	غالباً یہ لاولد تھا،
۱۷	بائی	۱۵	۶۶۶ھ	
۱۸	گنیش رائے (چنیسر)	۱۸	۶۸۴ھ	غالباً یہ کسی قلعہ کا حاکم یا وزیر تھا جو بائی کے بعد سلطنت پر قابض ہو گیا، جیسے خسرو خاں خلجی عہد میں ہو گیا تھا،
۱۹	بھونگر (دوم)	۱۵	۶۹۹ھ	یہ سومرہ دوم یا محمد تور کے خاندان سے معلوم ہوتے ہیں،
۲۰	خفیف (دوم)	۸	۷۰۷ھ	

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
۲۱	رودا (یا داؤد) (چہارم)	۵ سال	۶۱۲ھ	٥
۲۲	وتورائے	٠	٠	یہ کسی ضلع کا حاکم یا باغی تھا جس نے تمام بالائی مشرقی سندھ پر قبضہ کر لیا تھا،
۲۳	اُنّاڑ دمڑا دوم	۲۵	۶۳۷ھ	غالباً یہ بھونگر دوم کے خاندان سے تھے،
۲۴	بھونگر (سوم)	۱۰	۶۴۷ھ	
۲۵	امیر (ہمیر) ارمائیل	۵	۶۵۲ھ	سومرہ خاندان کا آخری تاجدار حکمران رہے

سومریوں کے متفرق حالات

۱۔ سومرہ قوم میں بعض رسمیں بہت عجیب تھیں جن کا ذکر تاریخوں میں خاص طور پر کیا گیا ہے، میں بھی ناظرین کی ضیافت طبع کے درج کرتا ہوں،

ان رسوم میں سے ایک رسم "داغ" کی تھی، یعنی بادشاہ (حاکم) اپنے بھائیوں اور دوسری رعایا کے لڑکوں کو "داغ" دیتے تھے، اور یہ علامت غلامی کی تھی، خود ان کا قول بھی یہی تھا کہ میں سردار، اور یہ سب ہمارے غلام ہیں[1]،

لباس میں خصوصیت سے ان کے سردار پگڑی باندھتے، مگر دوسروں کو اس کی اجازت نہ تھی، عوام کے لئے حکم تھا کہ دھجیوں سے دبے ہوئے کپڑوں کی پگڑی استعمال کریں، چنانچہ اس کا رواج سندھ کے دیریں حصہ میں جو مارواڑ اور راجپوتانہ سے متصل ہے ابھی تک موجود ہے،

ان میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ ہاتھ اور پیر کے ناخن لیتے اور کہتے کہ ہم سردار وں اور دوسروں میں اس قدر فرق (امتیاز) کافی ہے، اسی طرح یہ لوگ شراب کے بھی عادی تھے بھینس کے گوشت کے ساتھ شراب خواری ان میں اس درجہ عام ہو گئی تھی کہ دوسری قوم کا بھی خیال نہ کرتے،

علماء کے فقدان اور مرکز سے دور ہونے کے سبب سے ان میں علم کا چرچا نہ رہا تھا، اور اسی باعث ان کے عوام بالکل جاہل ہوتے، لیکن فوجی قابلیت ہونے کے باعث فوجی خدمت اچھی طرح انجام دیتے، جیسا کہ زوالِ سلطنت کے بعد بھی محمود بیگڑہ کے مقابل ۴۴ ہزار فوج لانے سے معلوم ہوتا ہے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۶۱،

عام طور پر ان کا وقت کاشتکاری میں گزرتا تھا،

ایک دلچسپ رسم یہ بھی کہ کپڑا ایک دفعہ استعمال کرنے کے بعد سومرہ کے امیر پھر دوبارہ استعمال نہیں کرتے ، اور ایسا کرنے کو بہت بڑا عیب خیال کرتے تھے، یہی خیال عورت کے متعلق بھی تھا، کہ ایک دفعہ بچہ جننے کے بعد پھر عورت قابلِ استعمال نہیں سمجھی جاتی تھی،

اتفاق سے ایک دفعہ ایک عورت جس کو اپنے شوہر سے بے انتہا محبت تھی، حاملہ ہوگئی، جب ولادت کے دن قریب آئے تو اس کو بڑی فکر ہوئی، وہ اسی سوچ میں تھی کہ اسے ایک تدبیر سوجھی، اس نے ایک چادر جو ایک دفعہ استعمال میں آچکی تھی، دھوبی کو دے کر تاکید کی کہ خوب اچھی طرح دھوئے، جب دھوبی واپس لایا تو اس کو بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑا، کچھ دنوں کے بعد جب اس کا شوہر غسل سے فارغ ہوا تو وہی چادر استعمال کے لئے دی، اب وہ نرم اور چمکیلی بھی ہوگئی تھی، اس کو بہت پسند آئی، استعمال کرکے بہت خوش ہوا، اس نے دریافت کیا کہ کیا سوتی تھان کی چادر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہی چادر ہے جس کو تم ایک دفعہ استعمال کرکے رد کر چکے ہو، تم لوگ اس قدر تنگ دل اور کم حوصلہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرا دیتے ہو، بات اس نے لگتی ہوئی کہی، اس لئے اس کے شوہر نے اس کو قبول کرلیا، اس نے خود بھی اس عادت کو ترک کردیا، اور دوستوں سے بھی اس کا ذکر کیا انھوں نے بھی اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا

عورت نے دیکھا کہ یہ تدبیر تو کارگر ہوئی، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد عورت نے پھر اس کا ذکر اپنے شوہر سے چھیڑا، اور اثنائے گفتگو میں اس نے کہا جس طرح کپڑا دھونے کے بعد بھی اچھا اور قابلِ استعمال رہتا ہے، یہی حال عورت کا ہے کہ بعد ولادت تندرست ہونے پر وہ پہلے ہی کی طرح اچھی اور قابلِ استعمال رہتی ہے، چونکہ اس کی پہلی بات صحیح ثابت ہوچکی تھی، اس لئے اس نے اس کا بھی تجربہ کرنا چاہا، چنانچہ ولادت کے بعد اس کو علٰحدہ نہیں کیا، اور تندرست ہو جانے

پر اس کے قول کو صحیح پایا، اس نے اس کا تذکرہ بھی اپنے دوستوں سے کیا، انھوں نے بھی اس کی آزمائش کی اور درست پاکر اس رسم بد سے تائب ہوئے، آخر یہ رواج اس قوم سے اٹھ گیا[1] یہ لوگ رنگین کپڑے کی بہ نسبت سفید کپڑے کو زیادہ پسند کرتے، غیر سومرہ (اسماعیلی) میں یہ لوگ شادی نہیں کرتے، چونکہ حلال وحرام کے متعلق دوسرے اسلامی فرقوں سے اختلاف رکھتے ہیں، اس لئے دوسرے کے ساتھ بہ نظر احتیاط کھانا نہیں کھاتے[2]، مردہ مچھلی نہیں کھاتے جیسا کہ عام مسلمان کھاتے ہیں، بلکہ زندہ مچھلی بسم اللہ کے ساتھ ان کے ہاتھ میں مرے تب اس کو کھاتے ہیں۔

[1] تحفۃ الکرام ص۱۴ جلد سوم بمبئی [2] سفرنامۂ ابن بطوطہ جلد دوم مصر ص۲ ،
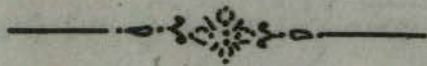
(حصۂ دوم)

سندھ کی تمدنی تاریخ

سندھ میں کوئی بلند پہاڑ نہ ہونے کے سبب بارش کا وہ سلسلہ جو دوسرے ملکوں میں ہے یہاں نہیں ہے اسی سبب سے یہاں کی زمین مختلف قسم کی کہی جا سکتی ہے۔

(۱) شمال کا وہ علاقہ جو سندھ کی عام سطح سے بلند واقع ہے، سندھ کی زبان میں اس کو سرو (یا بلند) کہتے ہیں، چونکہ یہاں پانی بکثرت ملتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔

۲۔ وسطی علاقہ، یعنی وہ زمین جس پر دریائے سندھ بہتا ہے، چونکہ اس علاقہ کو بھی پانی بافراط ملتا ہے، اس لئے یہ علاقہ بہت ہی زرخیز ہو گیا ہے۔

۳۔ ریگستانی علاقہ، جو سندھ کے مشرق اور جنوب مشرق میں واقع ہے، یہاں پانی کی بڑی قلت رہتی ہے، اسی سبب سے اس علاقہ کی پیداوار بہت کم ہے۔

۴۔ کوہستانی علاقہ۔ اس علاقہ میں پہاڑوں کے سبب گرمی اور سردی بہت پڑتی ہے اور قابلِ کاشت ہموار زمین بہت کم ہے۔

۵۔ نشیبی علاقہ، جس کو سندھ میں لاڑ کہتے ہیں، پانی بھرے رہنے کے باعث وہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے، مگر سیرابی کے سبب سے قابلِ کاشت زمین بہت ہے۔

سیاسی اعتبار سے سندھ کی تقسیم دوسری صدی کے آخر میں اس طرح تھی کہ سندھ کے تین حصے ہو گئے تھے، اول ملتان کا علاقہ جس کی جنوبی حد ارور سے ملتی تھی۔ اور مشرقی حد پنجاب سے

یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی،

دوسرا علاقہ شمال میں ارور (روہڑی) سے شروع ہوکر جنوب میں منصورہ (برہمن آباد) پر ختم ہوتا، مغرب میں دریائے سندھ اور مشرق میں جیسلمیر (راجپوتانہ) اس کی حد تھی، اس پر کبھی مسلم اور کبھی غیر مسلم کی حکومت ہوتی،

تیسرا علاقہ منصورہ کی حد سے شروع ہوکر جنوب جانب دہانہ تک، مشرق میں راجپوتانہ اور بیابان کچھ پر اس کی حد ختم ہوتی، پھر دریائے سندھ کے اس پار مغربی جانب کا کل علاقہ یعنی جنوب میں دیبل سے لے کر شمال میں جیکب آباد تک اور مغرب میں بلوچستان بلکہ مکران تک اس کی حد تھی، طوران اور بدھ کا علاقہ بھی اکثر منصورہ کے ماتحت ہی سمجھا جاتا،

زراعت ان تینوں علاقوں میں زراعت کے سبب ہر جگہ سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے چنانچہ جس قدر عرب سیاح سندھ آئے ہیں سب نے اس کا اعتراف کیا ہے،

یوں تو سندھ کے مختلف اضلاع میں ہر قسم کی پیداوار ہوتی تھی، مگر مندرجہ ذیل اشیاء کی پیداوار زیادہ تھی، غالباً اسی سبب سے تقریباً ہر سیاح نے اس کا تذکرہ کیا ہے،

کافور، نیل، بید، کیلا، ناریل، قسط (کٹ)، نیزہ، کھجور، نیشکر، لیموں، آم، بادام، اخروٹ[1]، نرکل، گیہوں، چاول،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کافور اور نیل کی پیداوار سندھ کے اطراف میں تھی[2]، اور غالباً بڑے پیمانہ پر تھی، کیونکہ اس کی برآمد باہر ملکوں میں بکثرت ہوتی، چنانچہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) سے قبل تک ریاست خیرپور میں اس کی کاشت ہوتی تھی، اسی طرح کامہل میں کیلا اور ناریل بہت ہوتا تھا، اور یہ سندھ کا آخری شہر تھا جس کے بعد سے ہندوستان (کاٹھیاوار و گجرات) کی سرحد شروع ہو جاتی تھی[3]،

۱؎ کتاب البلدان لابن فقیہ ص۱۱ لیڈن ۲؎ جغرافیہ سندھ ۱۹۲۹ء لاہور ۳؎ نزہۃ القلوب ص ۵۹-۳ لیڈن

بدھ کا علاقہ ملک سندھ کا وہ حصہ ہے جو دریائے سندھ سے شمال مغرب میں تھا، اس میں ایک مقام جس کو آج کل کشمور (یا کشمر) کہتے ہیں وہاں قسط ہندی، نیزہ اور بید کی پیداوار خوب ہوتی تھی کیونکہ یہاں سے دور ملکوں میں بھیجا جاتا تھا، یہ خطہ زرخیز ہے اور پانی کے افراط کے باعث یہ چیزیں اچھی طرح ہوتی تھیں، خصوصاً قسط ہندی کی کاشت بافراط تھی[1]، قسط ہندی ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جو دوا میں کام آتی ہے۔ اس کو کٹ کہتے ہیں

منصورہ (برہمن آباد) کے علاقہ میں کھجور، گنا، لیموں، آم بہت ہوتے تھے، اور پیداوار کی کثرت سے سبب ارزاں فروخت ہوتے، کیونکہ یہ ملک بڑا شاداب اور زرخیز تھا، البتہ سیب، امرود، شفتالو، انگور منصورہ میں نہ ہوتے تھے، غالباً ان کے لیے زمین مناسب نہ تھی[2]، پانی کا استعمال کنواں اور دریا دونوں سے کرتے ہیں،

دے ہند جو کبھی خود مختار اور کبھی باجگزار رہا ہے، یہاں کی زمین خصوصاً پھلوں کے لئے بیحد مفید تھی، اور اسی سبب سے یہاں پھل اور ترمیوہ کی بڑی بہتات رہتی، نرکل خوب پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اکثر سیاحوں نے اس کو لکھا ہے، کنوج میں چاول و گیہوں ہوتا تھا، اور حیدرآباد سے نیچے اور کی زمین خصوصیت سے چاول کے لئے زیادہ مشہور ہے،

باغیچے گو اس ملک میں باغوں کی کثرت نہ تھی، پھر بھی جہاں جہاں زرخیزی تھی باغیچے بکثرت تیار کرے گئے،

چنانچہ "دے ہند" میں مختلف میووں کے باغ لگائے گئے تھے، بعض اخروٹ کے بعض بادام کے، بعض کیلے کے، اس کے علاوہ ایسے بھی باغ تھے جہاں ترمیوے جیسے نارنگی، سیب وغیرہ پیدا کئے جاتے، نرکل کے درختوں کا جنگل بھی تھا، اور غالباً لوگ اپنے باغوں کی باڑھ اسی سے

۱؎ المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص۵۷ لیڈن ۲؎ سفرنامہ ابواسحاق اصطخری ص۱۷۳ لیڈن

دیتے تھے، جیسا کہ آج کل بھی کہیں کہیں دیکھا جاتا ہے[1] بشاری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ یہاں تروتازہ بکثرت باغ ہیں جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں...... یہاں کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہیں اور پھل اچھے،...... تمام شہر اخروٹ اور بادام کے درختوں سے ڈھکا پڑا ہے، کیلا اور دوسرے ترمیووں کی کثرت ہے،

باغوں کے لئے قنوج بھی ایک مشہور جگہ تھی، کیلے کی پیداوار بہت زیادہ تھی اور اسی لئے بہت ہی ارزاں ہوتے تھے، اسی باعث تقریباً ہر سیاح نے اس کو محسوس کیا ہے[2]، بشاری لکھتا ہے کہ باغوں سے یہ شہر گھرا ہوا ہے، یعنی شہر کے چاروں طرف باغ ہی باغ ہے...... یہاں کی ہوا خوشگوار ہے، باغ بڑے پاکیزہ ہیں، پایہ تخت کے امراء گرمیوں میں اسی جگہ رہتے ہیں،

ملتان بھی اپنے ہمسایہ ملکوں سے پیچھے نہ تھا، یہاں بھی ناریل، کیلا اور کھجور کے بہت باغ تھے[3]، کھجور کے درختوں کی کثرت تو آج تک موجود ہے،، راقم الحروف جب ملتان میں تھا تو اس کو عینی مشاہدہ کا بارہا اتفاق ہوا، لیکن یہ کھجور عرب جیسے نہ تھے، ان کے پھلوں میں رس کم تھا، شاید اس زمانہ میں جب کہ ان درختوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی تھی، پھل بھی اچھے آتے ہوں،

قزدار (قصدار) جو طوران (سندھ کا ایک ضلع) کا پایہ تخت تھا، یہاں کی زمین انگور کے لئے بڑی مناسب تھی، اسی سبب سے انگور کے باغوں کی کثرت تھی، انار کے باغ بھی یہاں زیادہ تھے، اور اس کے علاوہ دوسرے سرد میوے بھی تھے جن کی پیداوار غالباً کمتر تھی[4]،

تجارت | سندھ میں تجارت کو بھی بڑا فروغ تھا، کاٹھیاوار، گجرات، مالابار، مدراس، بنگال وغیرہ میں عربوں کی جو تجارت تھی، وہ اس قدر کامیاب نہ تھی جس قدر سندھ میں اس کو عروج حاصل تھا، اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ان ممالک میں عرب تاجروں کی تجارت صرف بندرگاہ اور

[1] سفرنامہ بشاری مقدسی ص۴۸۰ لیڈن [2] ایضاً [3] ایضاً [4] سفرنامہ ابن حوقل بغدادی ص۲۲۶ لیدن،

پایہ تخت تک محدود رہتی تھی، اور ملکی تاجران سے مال لے کر تمام ملک میں پھیلاتے تھے، بخلاف سندھ کے، جو عربوں کا مفتوحہ ملک تھا، اس میں ایک سرے سے لے کر دوسرے کنارے تک برابر تجارتی اغراض سے سفر کرتے رہتے، اور اس طرح وہ بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے،

سندھ کا علاقہ خشکی کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے ملا ہوا ہے، اس سبب سے قافلے برابر آتے رہتے، اور اس کے دو راستے تھے، ایک تو قندھار ہو کر خراسان، دوسرا بلوچستان مکران ہو کر ایران جاتا۔

ابو زید سیرافی لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ملک خراسان سے ملا ہوا ہے، اور قافلے متواتر سندھ سے خراسان تک جاتے ہیں، اور اسی طرح خراسان سے ہندوستان تک، اور یہ دونوں ہند اور سندھ کے قافلے زابلستان (قندھار) کے مرکز پر مل جاتے ہیں، جہاں سے خراسان چلے جاتے[1]،

خشکی کا راستہ | خشکی سے عرب تاجروں کا قافلہ عراق سے کرمان ہوتے ہوئے یا تو تیز مکران کی بندرگاہ میں پہنچتا، اور وہاں سے پایہ تخت کیز (کیچ) چلا جاتا، اور کیز سے فنزپور (پنجپور پنجگور) اور جو شخص بندرگاہ یا پایہ تخت نہ جانا چاہے تو وہ کرمان سے کسرکند (قصرقند) وہاں سے پھر بند، اصفقہ، پھل پورہ، راسک، درک ہوتے ہوئے پنجگور آ جاتا، یہاں سے قزدار اور پھر کیز کان (قلات) ہو کر قندھار جاتا، یہ مکران سے طوران کا راستہ ہوا جس کا پایہ تخت قزدار تھا،

اب جو قافلہ بدھ کے ملک میں جانا چاہے تو وہ پایہ تخت بدھ قندادیل (گنداوی) قزدار سے چلا جاتا، قندادیل سے سیبی (قدیم سیوی) اور وہاں سے شال (کوئٹہ) ہوتے ہوئے قندھار یہی قافلہ اگر سندھ جانا چاہتا تو گنداوی سے سیوستان ہو کر منصورہ اور وہاں سے ملتان پہنچتا، پھر جو قافلہ مکران سے براہ راست سندھ جانا چاہے تو وہ قصر قند یا تیز سے پایہ تخت کیز (کیچ) آتا،

[1] کتاب الہند والسند ص۱۲۴ پیرس،

اور کیز سے کلوانی، راہوق، ارمائیل (ارمن بیلہ) قنبلی کے راستہ دیول (دیبل) بندرگاہ سندھ آجاتا، اور یہاں سے نیرون، مخاپوری، مسواہی، بہرج، سیوستان ہوکر گندادی جاتا، اور جو دریا کو عبور کرنا چاہتے تو دیول سے نیرون، مخاپوری، اور یہاں دریائے سندھ کو عبور کرکے منصورہ پایہ تخت سندھ پہنچتے، پھر یہاں سے بزوی، کالری، انری، اروڑ، بسمد، ملتان تک چلے جاتے، اور اس کے بعد کسی کا جی چاہتا تو کنوج کا بھی چکر لگا آتا مگر زیادہ تر ملتان ہی سے واپس ہو جاتے اب اگر کوئی قافلہ ہندوستان جانا چاہتا ہے تو وہ منصورہ سے برہمن آباد، بانیہ، کاہل، سندان ہوتے کھنبایت چلا جاتا،

بحری راستہ | خشکی کی طرح سمندر میں بھی عرب تاجر ہر جگہ نظر آتے ہیں، وہ بغداد سے اٹھتے اور چین تک چلے جاتے، سندھ چونکہ نزدیک تر ملک تھا اس لیے اس جگہ آمد و رفت زیادہ تھی، وہ بغداد یا ملک کے دوسرے حصہ سے بصرہ یا سیراف آتے، وہاں سے جزیرہ خارک جو پچاس فرسخ ہے، پہنچ جاتے، پھر یہاں سے اسی فرسخ پر جزیرہ لاوان، یہاں سے سات فرسخ پر جزیرہ ابرون پھر، فرسخ پر جزیرہ خین، پھر، فرسخ پر جزیرہ کیس (قیس) پھر، پر جزیرہ ابن گاوان، اور پھر، پر ہرمز تھا، اس جگہ سے سات دن کے فاصلہ پر وہ مقام آتا تھا جس کو "تارا" کہتے تھے، یہی وہ جگہ تھی جو سندھ (مکران) اور فارس کی حد تھی، آج کل کے نقشہ میں یہ جگہ نہیں ملتی، البتہ "لاشار" ایک مقام ہے جو فارس اور مکران کی حد پر واقع ہے، جہاں سے قصر قند کی سرحد نظر آتی ہے،

پھر جو شخص مکران کے بجائے براہ راست سندھ جانا چاہے تو وہ ہرمز سے سیدھا دیبل (دیول) بندرگاہ سندھ پر جا اترتا، اور وہاں سے نیرون، پھر نیرون سے ملک بدھ میں یا منصورہ چلا جاتا، اور پھر اگر ہندوستان (گجرات دکن) جانا ہوتا تو کھنبایت، بھروچ، سوپارہ ہوکر نکل جاتا۔[1]

[1] المسالک والممالک لابن خردادبہ ص۶۱،

غیر ممالک میں آمد و رفت کے لئے جس طرح مکران میں صرف ایک ہی بندرگاہ "تیز" تھا، اسی طرح سندھ کا واحد بندرگاہ دیول (دیبل) تھا، اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی متعدد بندرگاہ تھے، مگر بڑے جہاز وہاں نہیں جا سکتے تھے، اس زمانہ میں یہاں کے جہاز بصرہ ہوکر بغداد تک جاتے تھے بلکہ بعض مدائن بھی جا نکلتے تھے،[1]

تجارتی مرکز | سندھ میں تجارتی منڈیاں متعدد تھیں جہاں ملکی اور غیر ملکی تاجر اپنے اپنے تجارتی مال لاکر جمع کرتے، اور جب فروخت کا موقع آتا تو بیچ کر نفع اٹھاتے،

سندھ کے اندر جس میں مکران شامل ہے سب سے پہلی منڈی کیز دیکھا ہے، اس کے بعد سندھ کا بندرگاہ دیول ہے، جہاں ملکی اور غیر ملکی تاجر ہمیشہ مجتمع رہتے، اور بڑی مقدار میں برآمد کے لیے مال جمع رکھتے ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ تجارت کی سب بڑی منڈی ہے، اور یہاں مختلف قسم کی تجارتیں ہوتی ہیں،[2] یہ صوبہ کا بندرگاہ ہے، یہاں زراعت کم ہوتی ہے، وہ ایک خشک شہر ہے، صرف تجارتی اہمیت اس کو حاصل ہے۔

اصطخری کہتا ہے کہ دیبل (دیول) سندھ کا بڑا بندر اور تجارتی مرکزی شہر ہے، سمندر کے پاس دریائے سندھ کے مغربی جانب یہ شہر آباد ہے، آس پاس نہ کوئی زراعت ہے، نہ کوئی درخت ہے، یہ ایک بنجر زمین ہے، جو صرف تجارت کے سبب آباد ہے۔[3]

(۳) منصورہ، سندھ کا یہ تیسرا تجارتی مرکز (منڈی) تھا، پایہ تخت ہونے کے سبب اس کی تجارت رونق پر تھی، ۳۷۵ھ میں بشاری آیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "اس شہر کے لوگ ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں مروت اور اسلام کا بڑا حصہ ہے، علم اور تجارت کا یہ مرکز ہے"[4]

[1] الاعلاق النفیسہ ص۳۵۰ لیڈن، [2] سفرنامہ ابن حوقل [illegible]، [3] سفرنامہ اصطخری [illegible]، [4] [illegible]

منصورہ کے متعلق ایک ایرانی جغرافیہ نویس (۳۷۲ھ) لکھتا ہے کہ منصورہ ایک بڑا شہر مثل جزیرہ کے ہے، جس کے چاروں طرف دریائے سندھ ہے، بہت ہی سستا اور آباد جگہ ہے، تاجروں کا مرکز ہے[1]

(۴) چوتھی منڈی ارور ہے جس کو الور بھی کہتے ہیں، یہ سندھ کا قدیم پایہ تخت تھا، یہ بہت بڑا اور آباد شہر تھا، یہاں بھی تجارت کی بڑی منڈی تھی، سندھ کے بڑے شہروں میں سے اس کی سرحد پر سب سے آخری بڑا شہر تھا،

ابن حوقل تحریر کرتا ہے کہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک ارور ہے، طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے، اس کی دو شہر پناہ ہیں، یہ بھی دریائے سندھ کے مشرقی جانب آباد ہے لیکن اس کا شمار منصورہ کے حدود میں ہے۔ بہت ہی ارزاں اور خوشحال شہر ہے، تجارت کی بھی گرم بازاری رہتی ہے[2]

(۵) ملتان عرب تاجروں کی آخری منڈی ہے، البشاری مقدسی لکھتا ہے کہ یہ شہر منصورہ سے زیادہ آباد ہے، اور بہت زرخیز ہے، تجارتی کاروبار میں یہ لوگ بڑے خوش معاملہ ہیں، نہ تو یہ جھوٹ بولتے ہیں، اور نہ ناپ و تول میں کمی کرتے ہیں، یہ بڑا آسودہ شہر ہے اور تجار خوشحال، تجارت کی گرم بازاری بھی خوب ہے[3]۔

کنوج بھی جو گنگا کے کنارے آباد تھا، ان شہروں میں سے ہے جس کو تجارتی منڈی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ بڑا خوشحال شہر تھا، البشاری (۳۷۵ھ) اس کی بڑی تعریف کرتا ہے، کہتا ہے کہ یہ بڑا زرخیز شہر ہے، یہاں گوشت، روٹی، شہد، میوہ خصوصاً کیلا بڑا سستا ملتا ہے، پانی لذیذ، صورتیں اچھی، شہر وسیع اور فائدہ مند منڈی ہے۔

[1] حدود العالم ۱۳۲ طہران [2] ابن حوقل کا سفرنامہ ۲۲۶ لندن [3] سفرنامہ البشاری ۴۸۰ لیڈن،

لیکن ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ بیابان (کے قریب) میں ہونے کے سبب یہاں غیر ملکی تاجر بہت کم جاتے ہیں، زیادہ تر کاروبار ملکی تاجروں کے ہاتھ میں ہے، اور چونکہ یہاں زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی تھی اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کی تجارت پر پورا قبضہ انہی غیر مسلموں کا ہوگا۔

تجارتی منڈیوں میں سے بدھ کا پایہ تخت قندابیل (گنداوی) بھی ہے، اس کے آس پاس گاؤں ہی گاؤں تھا، اور اس ملک کا زیادہ تر حصہ میدانی علاقہ ہے،

ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ شہر جہاں بدھ لوگ تجارت کرتے ہیں، اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید و فروخت کرتے ہیں، وہ گنداوی (قندابیل) ہے[1]،

تجارتی منڈیوں میں قزدار (قصدار) کا بھی شمار ہے، اگرچہ یہ کوئی بڑی منڈی نہ تھی مگر عرب تاجروں کا قافلہ یہاں بھی آتا تھا خصوصاً جب طوران والوں نے بدھ کے پایہ تخت گنداوی کو فتح کر لیا تو اس کی اہمیت زیادہ ہوگئی،

سندھی تاجروں کے خارجی مرکز | سندھی تاجروں کے خارجی مرکز بھی متعدد تھے، بندرگاہ دیبل سے جو مال مغرب کو جاتا وہ یا تو بصرہ، سیراف ہوتے ہوئے بغداد براہ راست جاتا، ورنہ دیبل سے سیراف، پھر بصرہ، بعدہٗ بغداد، اس کے علاوہ افریقہ کی سمت اگر جاتا ہو تو ہندوستانی مال کی منڈی عدن ہوتا[2]۔

ان مقامات میں عرب تاجر ہندوستان سے مال لے جا کر جمع رکھتے اور دوسرے ممالک کے تاجران مقامات سے مال لے کر اپنے ملکوں میں ہندوستانی مال فروخت کرتے،

برآمد | عرب تاجر سندھ سے مال خوب برآمد کرتے تھے، اور یہاں کے مختلف قسم کے مال باہر لیجا کر کثیر فائدہ اٹھاتے، خود ملکی لوگوں نے بھی ان عرب تاجروں سے نفع اٹھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا[3]

[1] سفرنامہ ابن حوقل ۲۲۹ بیان صوبہ سندھ لندن [2] المسالک والممالک ابن خردازبہ ص ۶۱،

اسی باعث سے عرب سیاح ان منڈیوں کی نسبت لکھتے ہیں کہ فائدہ مند منڈی[1] ہے۔
اب میں ان چیزوں کی فہرست تحریر کرتا ہوں جس سے اس ملک کی برآمد کا حال معلوم ہو جائیگا۔

مقام	پیداوار
منصورہ	نیشکر (گنا)
مکران، ماسکان، قزدار	فانیذ (سفید شکر)[1]
مکران	گنا، کھجور[2]
طوران	شکر سفید، اس جگہ کی شکر ماسکان سے بہت بہتر ہوتی تھی۔
سندان	چاول،
ہند	جڑی بوٹی[3] (دوائیں)[4] ہند سے مراد وہ مقامات ہیں جو سندھ سے متصل تھے
اطراف سندھ	کافور، نیل، کٹ (ایک قسم کی دوا) بانس، نیزہ، بید[5]
کامروپ	عود ہندی
کابل	ناریل، کیلا[6]

حیوانات میں سے مندرجۂ ذیل جانور برآمد کئے جاتے،

مقام	پیداوار
گندھاوی	بختانی اونٹ خصوصاً دو کوہان والے[7]،
ہند	ہاتھی، جو سندھ کے بندرگاہ سے باہر بھیجے جاتے،[8]
سندھ	بھینس[9] اور گورخر
"	مرغی، مور[10]

[1] اصطخری ص۱۷۳ ایڈیشن [2] ابن حوقل کا سفرنامہ ص۳۲۷ لیڈن [3] ابن رستہ ص۱۳۳ [4] بشاری مقدسی ص۴۸۱ ایڈیشن [5] کتاب البلدان ابن فقیہ ص۱۶
[6] نزہۃ القلوب ص۲۵۹ طبع یورپ [7] اصطخری ص۱۷۷ ایڈیشن [8] بشاری ص۴۸۲ [9] تنبیہ الاشراف ص۳۵۵ [10] کتاب البلدان ص۱۳،

مقام	پیداوار
دریاے سندھ	گھڑیال

صنعتی چیزوں میں سے ذیل کی اشیا برآمد ہوتیں،

مقام	پیداوار
دیبل	قیمتی مشک، دنیا میں یہ چوتھے نمبر کا مشک سمجھا جاتا تھا،[1]
ملتان	مشک، غالباً خراسان کی طرف سے آتا ہوگا،
ہند	سرکہ، شراب (جو چاول یا ناریل سے بناتے تھے)
سندان	کپڑا، شہد
سندھ	فرش فروش، سندھ کے علاقہ میں تیار ہوتے تھے، غالباً سندھ کے بندرگاہ سے یہاں کا مال برآمد ہوتا تھا،
منصورہ	جوتا، ہاتھی کے دانت، یہ دونوں چیزیں کھنبائت سے منصورہ اگر برآمد ہوتی تھیں، اسی لئے اس جوتے کو کنبائتی جوتا کہتے تھے[2]،
سندھ	سونا، سندھ کے طلائی سکے باہر بہت جاتے، ایک دینار کی قیمت [illegible]

درآمد

غیر ممالک سے سندھ میں کیا کیا چیزیں آتی تھیں اس کے متعلق کسی کتاب سے تصریح نہیں ملتی البتہ بشاری مقدسی نے کمایا ہوا چمڑا اور آئینے[3] کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بصرہ سے کھجوریں بھی آتی تھیں[4]،
سندھ میں گھوڑے بھی عرب سے آتے تھے[5]،

مندروں کے لئے عود لائے جاتے، جس میں سے کامروپ کا عود سب سے بہتر ہوتا تھا اور غیر ممالک میں بڑی قیمتوں پر بکتا، ایک من کی قیمت دو دو سو دینار تک ہوتی[6]،

[1] کتاب البلدان ص۲۱۵ [2] بشاری ص۴۸۳ [3] تقویم البلدان ابو الفداء ص۳۴۹ [4] کامل ابن اثیر جلد ۵ ص۹ [5] لیڈن [6] کتاب الہند و السند ص۱۱۱ ایلیٹ پریس،

تجارتی محصول

سندھ میں تجارتی محصول کے متعلق کوئی تفصیلی بیان نہیں دیا جاسکتا، لیکن بشاری نے جو ایک سرحد کا حال لکھا ہے اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تقریباً اسی قسم کا محصول عام تجارتی مال پر لگایا جاتا ہوگا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

جب طوران میں تجارتی مال کی برآمد یا درآمد ہو تو مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ فی اونٹ کے بوجھ پر چھ درم (عیر) لیا جائے گا، لیکن آٹے پر فی بوجھ ۱۲ درم دے رہا ہے، اور اگر ہندوستان سے درآمد ہو تو فی بوجھ بیس درم (دھر) لیا جاتا ہے، البتہ سندھ کے مال پر محصول افسر کے اندازہ پر ہوتا ہے، کمائے ہوئے چمڑاہ پر فی چمڑا ایک درم دھر رہا ہے، اس طرح ملتان تک مال لے جانے میں ایک سو پچاس درم خرچ ہوتے تھے[1]،

حیوانات کی نسلی ترقی

عربوں نے سندھ میں جہاں زراعت، تجارت وغیرہ کو ترقی دی، وہاں حیوانوں کی نسلی ترقی میں بھی کافی حصہ لیا، لیکن ان کی نظر ان جانوروں تک محدود رہی جو ضروریاتِ زندگی کے لئے زیادہ ضروری تھے،

عرب کی طرح سندھ کی زمین بھی زیادہ تر ریگستانی ہے، اس لئے افریقہ اور عرب کے شتر اونٹ یہاں بھی بکار آمد جانوروں میں سے تھا، اس لئے اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ مبذول کی گئی، چنانچہ گندھاوی کے علاقہ کا اونٹ انتخاب کر کے اس کی پرورش اور اس سے نسل لینے کا کام انجام دیا گیا، پھر خراسانی اونٹوں سے ملا کر ایک خاص قسم کا اونٹ پیدا کیا گیا، جس کو "بخت" یا "بخاتی" اونٹ کہتے تھے، یہ مضبوط، خوبصورت اور دو کوہان والا ہوتا تھا،... یہ بڑا قیمتی ہوتا، بڑے بڑے امراء شہزادے اور شاہانِ وقت اس کو خرید کر کے استعمال میں لاتے[2]،

ضروریاتِ زندگی میں سب سے زیادہ ضروری چیز گائے اور بیل ہے، کیونکہ سندھ اور ہندوستان

[1] احسن التقاسیم ص[illegible] لیڈن [2] سفرنامہ اسحاق اصطخری حالات سندھ ص[illegible] لیڈن،

میں زراعت کے لئے جس قدر یہ جانور مفید ہیں دوسرے جانور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، دوسرے گائے کا دودھ عورت کے دودھ سے بہت زیادہ مشابہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی پرورش اور اس کی نسلی افزایش و ترقی کا اس ملک کے لوگوں نے ہمیشہ خیال رکھا،

عرب حکمرانوں کو بھی تجربہ کے بعد جب انکی افادیت کا یقین ہوا تو انھوں نے بھی اسکی طرف خاص توجہ کی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب فاتحین نے ابتدا میں کثرت سے اس کا گوشت استعمال کیا، جس کے باعث اس کی نسل کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا، اس لئے خاص طور پر گورنمنٹ کو اس قسم کا حکم جاری کرنا پڑا کہ کوئی شخص گائے ذبح نہ کرے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی مشرقی ممالک کے اعلیٰ حاکم کو اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے فوراً اس کی ممانعت کا حکم جاری کیا، تاکہ اس کی نسل کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھا جائے[1]،

گجرات کی طرح سندھ کی بھینس بھی بہت اچھی ہوتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ دودھ دیتی، اس لئے عربوں نے اس کے متعلق بھی خاص کاوش کی، اور اس کی پرورش کا اچھی طرح خیال رکھا،

آلِ مہلب جو عرصہ تک سندھ کے حاکم رہے، ان کو یہ جانور بہت پسند تھا، اس لئے وہ اس کی پرورش اور افزایش نسل کی طرف نہ صرف سندھ میں زیادہ متوجہ رہے بلکہ اپنے وطن عرب (بصرہ) میں بھی لے گئے، مسعودی لکھتا ہے کہ

مہلب کے خاندان نے ہند سے بھینس منگوا کر بصرہ میں رکھی تھی، جب یزید بن مہلب قتل ہو گیا تو خلیفہ یزید بن عبد الملک نے ان کو شام کی سرحد پر منتقل کر دیا، انکی نسل آج تک موجود ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک زمانہ میں سندھ میں بڑا قحط پڑا تو یہاں کے جاٹ کرمان اور فارس ہوتے ہوئے بصرہ تک پہنچ گئے، پھر یہاں مقیم ہو کر طاقتور ہو گئے، چنانچہ شام کی سرحد تک

[1] کتاب الہند بیرونی ص[illegible] لیڈن،

ان کا غالبانہ اثر ہو گیا، شام میں اس ملک کی جو بھینسیں نظر آتی ہیں وہ انہی کی یادگار ہیں[1]،

گھوڑا بھی ان جانوروں میں سے ہے جس کی ضرورت اس زمانہ کی زندگی میں سخت ترین تھی، اسی لئے عرب اپنے ملک میں گھوڑوں کی پرورش بڑے اہتمام سے کرتے تھے،

سواری کے علاوہ جنگ کے موقعوں پر سب سے زیادہ گھوڑا کار آمد ہوتا ہے، اسی سبب سے مسلمان باوجود حلال ہونے کے اس کو ذبح نہیں کرتے، ہندوستان میں شروع ہی سے اچھے گھوڑے نہیں ہوتے تھے، پست قد اور معمولی قسم کے ٹٹو یہاں کی اصل پیداوار ہے، اور وہی باربرداری اور سواری وغیرہ کے کام میں لائے جاتے تھے، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری تک کے سیاح لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں ہوتے[2]، ضیا برنی (آٹھویں صدی) نے بھی جانوروں کی جو فہرست دی ہے اس میں کسی اعلیٰ قسم کے ہندوستانی گھوڑوں کا ذکر نہیں ہے[3]، اور ہندوستانی گھوڑوں (ٹٹو) کی قیمت بہت ادنیٰ لکھی ہے، اس وجہ سے تمام ہندوستان میں ان کی بڑی مانگ تھی، اور بڑی بڑی قیمتوں پر یہ فروخت کئے جاتے تھے، بلکہ جہاں موقع ملتا تھا، یہاں کے راجہ اور رعایا غیر ملکی تاجروں (عرب) کے گھوڑے لوٹ لیا کرتے تھے[4]، جیسا کہ راجہ بھیم راج (گجرات) کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جس نے سومناتھ بندر میں عربوں کے دس ہزار گھوڑے لوٹ لئے تھے[5]، بس ایسی فضا میں یہ بات قدرتی تھی کہ عرب گھوڑوں کی حفاظت اور پرورش پر سب سے زیادہ متوجہ ہوتے،

ان حاکم عربوں کا میلان دیکھ کر سندھ میں گھوڑوں کی پرورش اور افزائش نسل کا خاص خیال پیدا ہو گیا، چنانچہ اس کا اثر آج تک سندھیوں میں موجود ہے، کہ گھوڑے سے خاص محبت رکھتے ہیں اور ان کے آرام کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں،

[1] تنبیہ والاشراف ص۳۲۵ [2] کتاب الہند والسند ص۵۵ پیرس [3] تاریخ فیروز شاہی برنی بیان علاء الدین کلکتہ [4] سفرنامہ مارکوپولو سفر گجرات وہ ہشتہ ہیرچین، [5] تماس بیان بھیم راج گجراتی،

ان گھوڑوں کی افزائش نسل یہاں تک ہوئی کہ سندھ سے کچھ اور کاٹھیاواڑ تک پہنچ گئی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر (گیارہویں صدی ہجری) کے زمانہ تک یہ گھوڑے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جیسا کہ اس عہد کی تاریخی کتابوں سے پتہ چلتا ہے[1]، اور سچ پوچھو تو آج تک سندھی اور کچھی گھوڑوں کو لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں،

ہندوستانی جانوروں میں سب سے عجیب جانور ہاتھی ہے، عرب اس کی بھی دیکھ بھال کافی طور سے کرتے تھے، کیونکہ یہ سواری کے علاوہ جنگی کاموں میں بھی بہت کار آمد ہوتا تھا، اس سے رتھ کھینچنے کا بھی کام لیا جاتا، اس کی پیٹھ پر بوجھ لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے،

پرندوں میں عربوں کو مور بہت پسند تھا، اس لئے اس کو نہ صرف یہاں پالا، بلکہ عراق اور شام بھی لے گئے، اور اس کی نسل کی افزائش میں کوشش کرتے رہے، مگر کہ ہندوستان جیسا رنگ روپ اور قد و قامت اس کا نہ رہا[2]،

عرب اس کے گوشت کو بہت پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض عرب جب سندھ آئے تو جب تک سندھ میں مقیم رہے برابر اسی کا گوشت کھاتے رہے، اور کہا کرتے کہ واللہ عمر بھر میں ایسا لذیذ گوشت نہیں کھایا[3]،

مور کی طرح مرغی بھی عرب بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ سندھی مرغیاں بکثرت یہاں سے لے جاتے[4]، اور نفع کے خیال سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پرورش کا خاص خیال رکھتے ہونگے،

تعمیرات موجودہ عہد میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عربوں کو تعمیرات کا مطلق شوق نہ تھا لیکن یہ کسی طرح درست نہیں ہے، صحیح طور پر خالص عربوں کی حکومت سندھ میں ۲۴۰ھ تک یعنی

[1] خلاصۃ التواریخ جلد اول دیباچہ قلمی [2] مسعودی جلد اول ص۲۶۹ لیڈن [3] مروج الذہب جلد دوم ص۴۳۰ لیڈن [4] اخبار الصین والہند ص۱۳۵ پیرس [5] کتاب البلدان ابن فقیہ ص۱۱،

صرف ۵۰ برس رہی، اس کے بعد سندھ کے عربوں کی حکومت شروع ہوگئی جنہوں نے ۱۰۲۶ء یعنی ۲۰۰ سال تک سلطنت کی، اور ان دونوں کی مجموعی تعداد (۳۲۶) یعنی سوا تین سو برس ہوئی،

اقوام عالم کے تمدن پر جب آپ نظر کریں تو ان کی تعمیرات میں جو عام چیزیں دیکھیں گے، وہ مقابر، مقبرے، مسافر خانے، حمام، پل، قلعے، مدارس، شفاخانے، عبادتیں، محلات شاہی اور عام مکانات ہوں گے، آج کل محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت بھی زیادہ تر تعمیری چیزیں ہی نظر آتی ہیں،

عربوں نے جو جو شہر آباد کئے یا قدیم شہروں کو جو رونق دی، بدقسمتی سے آج وہ سب برباد ہو چکے ہیں، اس لئے اس کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا، محکمۂ آثار قدیمہ نے انگریزی سلطنت کی ابتدا میں اس طرف توجہ کی تھی، لیکن بہت جلد اس کا خاتمہ ہوگیا، ورنہ اگر ان پرانے شہروں کی کھدائی باقاعدہ ہو تو عربوں کے تمدن کے دفینے بہت کثرت سے دستیاب ہوں،

عرب ایک مذہبی قوم تھی، اس لئے وہ جہاں جاتی، خواہ فاتح بن کر یا تاجر، سب سے پہلے وہ اپنے لئے ایک عبادت گاہ ضرور بناتی، وہ میدان جنگ میں ہوتی اور عرصہ تک وہاں رہنا پڑ گیا تو وہ اپنی یہ یادگار اس جگہ بھی چھوڑ جاتی،

۱۵۰ھ اور ۱۵۶ھ کے درمیان ہشام تغلبی نے ایک زبردست بیڑا بھروچ کے بندر گندھار پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور کامیابی کے بعد کچھ دنوں قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی سب سے پہلی جو عمارت بنائی گئی وہ ایک مسجد تھی[1]،

عربوں نے جب سندھ فتح کرنا شروع کیا، تو سب سے پہلے جو بڑا شہر ان کے قبضہ میں آیا وہ دیبل تھا، دیبل میں بھی عربوں کی سب سے پہلی عمارت ایک جامع مسجد تھی، جو محمد بن قاسم فاتح سندھ نے تیار کرائی، یہ جامع مسجد بہت بڑی تھی، جس میں کم از کم محمد بن قاسم کی فوج تقریباً دس ہزار آجاتی

[1] الکامل جلد ۶ ص ۱۶ لیڈن،

تھی، اس کے علاوہ نو آبادی جو بسائی گئی ان کے مکانات بھی تعمیر کئے گئے[1]،

اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیسی تھی، لیکن عربوں کی پہلی صدی کی تعمیرات خوش قسمتی سے ابھی دنیا میں موجود ہیں، ان سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کا طرز بھی ویسا ہی ہوگا، یعنی لمبی لمبی دالان جن کی چھتیں کثیر التعداد ستونوں پر قائم ہوں گی، اسی جگہ جماعت کے ساتھ لوگ نماز ادا کرتے ہوں گے،

اس کے بعد صحن وسیع پیمانہ پر ہوگا، جس کے بیچ میں وضو کرنے کے لئے حوض اور ایک گوشہ میں بلند مینار، جس پر چڑھ کر اذان دی جاتی تھی یہ مینارے کچھ بہت زیادہ بلند نہ ہوتے تھے بلکہ ان کی بلندی متوسط درجہ کی ہوتی،

صحن کے شمال اور جنوب میں مسافروں کے رہنے کے لئے حجرے ہوتے، مشرقی جانب مسجد سے باہر جانوروں کے لئے طویلے، ان کے پانی پینے کے حوض اور مسافروں کے غسل کے لئے حمام تیار کئے جاتے[2]،

عربوں نے دیبل فتح کرنے کے بعد جب نیرون پر قبضہ کیا تو اس جگہ بھی ایک جامع مسجد تیار کی[3]، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کا طرز تعمیر بھی غالباً دیبل ہی کی جامع مسجد کی طرح ہوگا،

اسی طرح اروڑ اور ملتان میں بھی فتح کے بعد ایک ایک جامع مسجد تیار کی، ملتان پر جب اسماعیلی عربوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے بھی ایک جامع مسجد اپنی الگ تیار کی[4]، مامون الرشید کے عہد میں جب فضل بن ماہان نے سندان میں اپنی حکومت قائم کی، تو وہاں بھی ایک بڑی جامع مسجد تیار کی[5]،

کنوج میں عرب مسلمانوں کی حکومت نہ تھی، مگر عرب مسلمانوں کی بڑی تعداد وہاں مقیم تھی،

[1] بلاذری ص ۴۳۶ لیڈن [2] تمدن عرب ص ۱۷۸ حیدرآباد دکن [3] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۵ بمبئی [4] چچ نامہ ص قلمی و کتاب الہند ص ۵۶ لیڈن [5] فتوح البلدان ص ۴۳۶،

اس لئے وہاں بھی عربوں نے ایک جامع مسجد بنا ڈالی جو بشاری مقدسی کے عہد ۳۷۵ھ تک قائم تھی[1]،

شہروں کی آبادی

عربوں نے سندھ میں متعدد شہر آباد کئے، جن میں سے آج کوئی بھی آباد نہیں ہے، لیکن تاریخوں میں ان کے تذکرے ہر جگہ موجود ہیں، سب سے پہلی نو آبادی جو عربوں نے سندھ میں بسائی وہ دیبل (دیول) کے مقام پر ایک محلہ یا گاؤں تھا، جہاں چار ہزار عرب خاندان کے گھر آباد کئے گئے، افسوس ہے کہ اس خاص مقام کا کوئی نام تاریخوں میں نہیں ملتا ہے، مگر یقین نہیں آتا کہ عربوں نے اس کا کوئی خاص نام نہ رکھا ہو،

محفوظہ

محمد بن قاسم کے واپس جانے کے بعد جلد جلد والیان سندھ کے تغیر سے جو بدنظمی سندھ میں پیدا ہو گئی اس کا سب سے برا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا ایک حصہ ہاتھ سے نکل گیا، اس لئے بقیہ مقبوضات کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑی ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ دریائے سندھ کے مشرقی جانب کوئی ایسی جگہ ایک نو آبادی کوفہ کی طرح بسائی جائے، جو عربوں کے لئے مرکز کا کام دے، اور بوقت ضرورت وہاں پناہ بھی لے سکیں، اسی خیال کو مدنظر رکھ کر حکم بن عوانہ والی سندھ نے غالباً ۱۱۰ھ میں دریائے سندھ کے جنوب مشرق میں ایک شہر محفوظہ آباد کیا، اور اسی کو اس نے اس علاقہ کا پایہ تخت قرار دیا، شہر کے ساتھ ایک قلعہ کی بھی تعمیر ہوئی، چنانچہ اس کے تیار ہوتے پر فوج بھی اس میں آ گئی[2]،

منصورہ

اندرونی معاملات جب درست ہو گئے اور والی سندھ کو اطمینان ہو گیا تو اب اس نے بیرونی امور کی طرف توجہ کی، اس نے اپنے ماتحت افسروں میں سے عمر کو جو محمد بن قاسم فاتح سندھ کا لڑکا تھا، سواروں کی فوج دے کر دریائے سندھ کے شمال مشرق کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ مقبوضات جن پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے، پھر ان سے چھین کر واپس لائے،

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ [2] بلاذری ص ۴۴۴ مصر،

چنانچہ وہ ان سے لڑ کر کامیاب ہو گیا، اور برہمن آباد کا سارا علاقہ ان سے واپس لے لیا، ان فتوحات کی خوشی میں عمر نے مناسب سمجھا کہ برہمن آباد سے متصل ایک ایسا شہر آباد کرے، جو وسط میں ہونے کے باعث شمال اور جنوب دونوں جگہ کی نگرانی کر سکے،

اسی خیال کو مدنظر رکھ کر برہمن آباد سے چھ میل مغرب جانب ایک جزیرہ میں محمد بن عمر نے ایک شہر کی بنیاد رکھی، اور چونکہ وہ دشمنوں پر فتحیاب ہو کر آیا تھا، اس لئے محض نیک شگون کے خیال سے اس نے اس کا نام منصورہ رکھا، اور پھر چند ہی سال کے بعد یہ شہر ترقی کر کے اس درجہ پر پہنچ گیا، کہ سندھ کا پایہ تخت ہو گیا[1]،

شہر منصورہ طول و عرض میں میل در میل تھا، اس کو دریائے سندھ کی ایک شاخ گھیرے تھی، جس سے ایک جزیرہ نما کی شکل نکل آئی، آبادی تمام تر مسلمانوں کی تھی، بڑا شاداب شہر تھا، ہر جگہ باغ لگے تھے، کھجور، نیشکر، لیموں اور آم کے درخت بکثرت تھے[2]،

یہاں کی عمارتیں لکڑی اور مٹی کی تھیں، یہاں کی جامع مسجد عمان کی طرح بہت بڑی تھی، جو پتھر اور اینٹ سے بنی تھی، جس میں ساج اور ساگوان کے بڑے بڑے ستون تھے،

یہاں کے بازار بڑے پر رونق اور آباد تھے، تجارت کی بڑی گرم بازاری تھی، اور اسی بازار کے وسط میں منصورہ کی جامع مسجد تھی، جس کا ذکر اوپر ہوا[3]، منصورہ کے چاروں طرف شہر پناہ بھی تھی، جس کے باعث دشمنوں کے اچانک حملوں سے شہر والے محفوظ رہتے[4]،

اس شہر پناہ میں چار دروازے رکھے گئے تھے، ایک کا نام "باب البحر" تھا، اور دوسرے کا "باب طوران" اور تیسرے کا "باب سندان" اور چوتھے کا "باب ملتان"

ان دروازوں کے نام غالباً ان سمتوں کے سبب سے رکھے گئے تھے، جو شہر کی جس سمت

[1] بلاذری ص ۴۴۴ مصر [2] المسالک والممالک اصطخری بیان سندھ ص ۱۰۰ لیڈن [3] احسن التقاسیم ص ۴۷۹ [4] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۸۰

میں وہ واقع ہیں، چنانچہ اس کی مثال دوسرے قدیم شہروں میں بھی پائی جاتی ہے، جیسے ملتان کی شہر پناہ میں جو دروازے ہیں، ان میں اس دروازہ کا نام جو لاہور کی طرف ہے "لاہوری دروازہ" ہے، اسی طرح "دہلی دروازہ" "کشمیری دروازہ" وغیرہ، اس سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ "باب طوران" مغرب جانب تھا، "باب سندان" جنوب کی طرف، "باب ملتان" شمالی رخ پر، اور مشرق میں "باب البحر" تھا،

یہاں مسجد کے ساتھ حمام اور مسافر خانے بھی تھے، جیسا کہ اس عہد میں اس کا عام رواج تھا، امرا کے عالیشان مکانوں کے علاوہ خود بادشاہ کا شاندار محل تھا، جہاں وہ خود قیام کرتا تھا، قلعہ کے اندر فوجوں کے لئے بارکیں بنی ہوئی تھیں، جن میں پچاس ہزار تک فوج رہتی تھی، دس ہزار گھوڑوں کے لئے خاص اصطبل تھا، اور اسی ہاتھیوں کے لئے فیل خانہ تیار کیا گیا تھا، یہ اسی ہاتھی جنگی تھے، اور بہت ممکن ہے کہ ان کے علاوہ خاص سواری کے لئے الگ ہاتھی ہوں[1]،

منصورہ میں محکمۂ قضاۃ کے لئے عدالتیں بھی قائم کی گئیں، جہاں قاضی بیٹھ کر انصاف کرتا تھا، کاغذات سرکاری (ریکارڈ) اور محکمہ کے عملہ کے لئے مکانات تعمیر کئے گئے،

یہاں ایک سرکاری مدرسہ بھی تھا، جو قاضی القضاۃ ابو محمد منصوری کی نگرانی میں کامیابی سے چل رہا تھا[2]، اور چونکہ قاضی صاحب موصوف خود بڑے پایہ کے عالم تھے، اور اچھی اچھی متعدد کتابیں بھی ان کی تصنیفات میں سے تھیں، اس لئے ان کے پاس ایک بڑا کتبخانہ بھی ہوگا،

منصورہ ساتویں صدی کے وسط تک موجود تھا[3]، اور اس صدی کے آخر میں غالباً برہمن آباد کے ساتھ زلزلہ سے تباہ ہوگیا جس طرح آج سے چند سال قبل برٹش بلوچستان کا صدر فوجی مقام کوئٹہ زلزلہ سے برباد ہوا، لیکن فوجی اغراض کے سبب سے گورنمنٹ نے اس کو دوبارہ آباد کر لیا[4]، بخلاف منصورہ کے کہ اس کو پھر آباد ہونا نصیب نہ ہوا،

---

[1] مروج الذہب جلد اول ص۳۷۶، [2] ص۴۸۰ لیڈن، [3] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن، [4] طبقات ناصری ص۲۰۵ کلکتہ،

محفوظہ کے متعلق سوائے اس بیان کے جس کا ذکر اوپر ہوا، اور کوئی بات تاریخ میں مذکور نہیں ہے، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ عربوں نے اس شہر کو بھی اسی طرز پر آباد کیا ہوگا، جیسا کہ منصورہ کو کیا گیا، یعنی اس شہر میں فصیل بھی ہوگی، قلعہ بھی ہوگا، عالیشان جامع مسجد بھی بنائی گئی ہوگی، اسی کے ساتھ حمام اور مسافر خانے ہوں گے، البتہ منصورہ پایہ تخت ہونے کے باعث اس کو تجارتی اور علمی جو اہمیت حاصل تھی اس سے محفوظہ محروم ہوگا،

بیضاء: یہ بھی ایک شہر تھا، جس کو عمران برمکی نے بوقان کے پاس ضلع بودھیہ میں آباد کیا تھا، یہ علاقہ دریائے سندھ کے مغربی جانب تھا، اور آج بلوچستان میں داخل ہے، اس علاقہ میں زیادہ تر جاٹ آباد تھے، جو بڑے سرکش تھے،

۲۲۰ھ میں جب عمران برمکی سندھ کا حاکم ہوا تو اس طرف کے جاٹوں نے بڑا سر اٹھایا، عمران یہ دیکھ کر بڑی تیزی سے فوج لئے قیقان (قلات) میں آپہنچا، اور ان کو شکست دے کر امن قائم رکھنے کے لئے ایک شہر بسایا، اور اس میں مستقل چھاؤنی قائم کی، تاکہ ہر وقت وہاں فوج تیار رہے اور بوقت ضرورت کام آئے[1]،

افسوس ہے کہ اس شہر کے متعلق بھی ہماری معلومات بہت ناقص ہیں، بلاذری کی فتوح البلدان کے سوا جس سے میں نے اوپر کا بیان لیا ہے، اور کسی تاریخی کتاب میں اس شہر کا حال مذکور نہیں ہے، بلاذری کے بعد جس قدر سیاح سندھ آئے ان کے سفرناموں میں بھی اس کا ذکر نہیں، جغرافیہ کی کتابوں میں باوجود تلاش کے اس کا کچھ پتہ نہ چلا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کچھ فروغ نہ ہوا، اس کی حیثیت صرف ایک چھاؤنی کی تھی، اور غالباً بوقان ہی کی آبادی میں وہ جذب ہوگئی،

---

[1] فتوح البلدان ص۴۴۶ لیڈن،

جندرور

سنہ ۳۲۳ھ میں ایک اور نیا شہر نظر آتا ہے جو ملتان سے ½ ۱ میل شمال مشرق کو آباد کیا
کیا گیا تھا،[1] کیوں کہ اس سے قبل (سنہ ۳۰۳ھ) تک ملتان کے بادشاہ کا پایہ تخت ملتان ہی تھا اور
اسی جگہ وہ رہتا تھا، لیکن چوتھی صدی کے ابتدائی سالوں میں غالباً یہ شہر آباد کیا گیا،

اس شہر کے نام کا املا مختلف طریقہ سے لکھا پایا، جندرور، جندراور، جندراور وغیرہ لیکن
جہاں تک لفظ کا تعلق ہے اصل میں "جندرور" معلوم ہوتا ہے، کیونکہ قدیم زبان میں "رور" کے معنی
وہی ہوتے تھے، جو آج "پور" کے معنی ہیں، اور اس کی مثال بہت کثرت سے ملتی ہے، منگلور
کہ دراصل منگل رور تھا، کثرت استعمال سے منگلور ہو گیا، اسی طرح بغرور، الرور وغیرہ،

جندرور درحقیقت عربی اور ہندی دو لفظوں سے مرکب ہے، جیسے فیروز پور کہ دو لفظ
فارسی اور ہندی سے بنا ہے، "جند" کے معنی لشکر اور "رور" کے معنی آباد، یعنی فوج کے رہنے کی جگہ
یا فوجی آبادی،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ فقط فوجوں کے لئے ملتان سے باہر ایک چھاؤنی بنائی
گئی تھی، لیکن آہستہ آہستہ اس کی آبادی اور رونق بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ملتان کا حاکم بھی اسی
جگہ رہنے لگا، اور پھر یہ صدر مقام ہو گیا،

ظاہر ہے کہ جہاں بادشاہ رہتا ہو تو اس کے لئے محل تیار کئے گئے ہوں گے، فوجی سپاہیوں
کے واسطے بارکیں بنی ہوں گی، جنگی ہاتھیوں کے لئے فیل خانے ہوں گے، گھوڑوں کے رہنے کا
اصطبل بھی ہوگا، پنج وقتہ نماز کے لئے ایک یا کئی مسجدیں ضرور بنی ہوں گی، مسجدوں کے ساتھ حمام
اور مسافر خانوں کا ہونا لازمی ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا، اس کے علاوہ بیشمار گاؤں آباد
کئے جن میں سے بعض خالص عربوں کے تھے، اور بعض گاؤں سندھیوں اور عربوں سے مخلوط آباد ہوئے

[1] کتب الاقالیم ص ۱۰۰ لیڈن

تھے، ایسے گاؤں کیز کانان اور گندھاویل کے درمیان زائد تھے[1]

قدیم شہروں کی ترقی

جدید شہروں کی آبادی کے علاوہ قدیم شہروں کو ترقی دینے کی بھی عربوں نے بڑی
کوشش کی، دیبل کی بندرگاہ گو سندھیوں کے زمانہ میں بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، لیکن
عربوں نے اس کو فتح کر کے جو ترقی دی، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۲۸۰ھ
میں جو زلزلہ وہاں آیا وہ اس قدر سخت تھا کہ تمام دیبل تباہ ہو گیا، اس کے ملبہ کے نیچے سے ۱۵۰۰۰۰
آدمی فقط مردے نکالے گئے، مجروح اور زندوں کا شمار ان کے علاوہ ہے[2]

اس سے شہر کی آبادی کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر اس کی آبادی بڑھ گئی تھی،
لیکن کچھ ہی برسوں کے بعد عربوں نے اس کو پھر آباد کر ڈالا، اور پہلے سے زیادہ اس کی آبادی
ہو گئی، کیونکہ خاص شہر کے علاوہ آس پاس کا علاقہ بالکل بنجر واقع تھا، نہ کوئی زراعت ہوتی تھی،
نہ کوئی درخت و باغ تھا،[3] لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد جب عربوں نے اس طرف توجہ کی تو آس
پاس بیشمار آبادی ہو گئی، چنانچہ بشاری نے لکھا ہے کہ دیبل ساحلی شہر ہے، جس کے ساتھ تقریباً
ایک سو گاؤں آباد ہیں، اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ دیبل کے آس پاس کی آبادی کس قدر ترقی کر گئی تھی،

خاص منصورہ کی سلطنت میں شہروں کے علاوہ صرف گاؤں کی تعداد تین لاکھ تھی،
اس کے کھیت، باغ اور گاؤں سب قریب قریب اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے،

اسی طرح ملتان کی آبادی کے علاوہ وہاں کے گاؤں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، باوجود دشمنوں
میں ہر وقت گھرے ہونے کے بھی اس کی وسعت اس قدر تھی کہ ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں موجود تھے،
مسعودی لکھتا ہے کہ یہ بہت سرسبز اور شاداب ملک ہے، ہر جگہ شہر اور گاؤں آباد ہیں،
اسی پر سارے ملک کو قیاس کرنا چاہئے کہ عربوں نے اپنے مفتوحہ ممالک کو ترقی دینے اور

[1] کتاب الاقالیم ص ۱۸۱ لیڈن [2] الکامل جلد ۷ ص ۳۳۲ لیڈن [3] سفرنامہ، اصطخری حالات سندھ ص ۱۷۳ [4] مروج الذہب جلد اول ص ۱۰۸ لیڈن

آباد کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، اور ہر طرح سے اس کو سرو سبز و شاداب بنا کر جنت کا نمونہ کر دیا تھا،

صنعتی ترقیاں صنعتی ترقیوں میں بھی سندھ عربوں کے عہد میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا،

شکر سازی اس میں سب سے زیادہ نمایاں شکر سازی ہے، اس کی منڈیاں ماسکان، قزدار، مکران اور طوران ہیں[1]، ان مقاموں میں اس کے بڑے بڑے کارخانے تھے، جہاں سے یہ شکر تیار ہو کر دوسرے ملکوں میں جاتی، ان میں سے ماسکان کی شکر زیادہ مشہور تھی، غالباً زیادہ صاف، سفید اور دانہ دار ہوتی ہوگی، لیکن کچھ دنوں کے بعد طوران نے اس کے مقابلہ میں زیادہ ترقی کی، اور اس کی شکر اول نمبر کی شمار ہونے لگی، اور ماسکان دوسرے نمبر پر ہو گیا[2]،

صندوق سازی دریائے سندھ کے شمال مغرب میں دجیکب آباد) ایک مقام "کشمور" یا "کشمر" ہے، جہاں صندوق سازی کے کارخانے قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں، یہاں لکڑی اور چمڑے کا صندوق بہت اعلیٰ درجہ کا تیار ہوتا تھا، یہ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے ہوتے تھے، ان میں بعض اس قدر بڑے ہوتے تھے کہ آٹھ آٹھ سو من قسط (ایک دوا کا نام ہے) اس میں سما جاتا تھا، پھر اس پر روغن قازل کر اس کی پالش کرتے تھے[3]،

بیلمانیہ بھیلمان جو محمد بن قاسم کے مفتوحہ ممالک میں سب سے آخری شہر ہے، وہاں تلوار بڑی اعلیٰ درجہ کی تیار ہوتی تھی، اور کثیر تعداد میں عرب جاتی تھی، اس کا نام ہی عربوں نے "بیلمانیہ" رکھ دیا تھا[4]، اس میں کیا وصف تھا، اس کے متعلق خاص بات تو معلوم نہیں ہے لیکن عام ہندی تلواروں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی آب اور کاٹ دونوں چیزیں قابل تعریف ہوتیں،

[1] سفرنامہ ابن حوقل طبع لندن بیان سندھ [2] احسن التقاسیم ص۴۸۰ لیڈن [3] کتاب الہند ص۱۰۲ لندن [4] صبح الاعشیٰ ص۳۱۸ بیروت،

پاپوش سازی سندھی جوتے بھی بہت مشہور تھے، اور ان کی مانگ بغداد میں سب سے زیادہ تھی، لیکن دراصل یہ جوتے کھنبایت میں تیار ہوتے تھے، اور اسی لئے اس کا نام "کنباتی" تھا، غالباً سندھ اس کی منڈی تھی جہاں سے عرب بھیجا جاتا تھا،

تانبہ تانبہ کا کام بھی اس ملک میں اچھا ہوتا تھا، یہ تانبہ اجمیر کی کان سے نکال کر تا نباوتی (کھنبایت) جاتا، اور پھر بحری راستہ سے سندھ اور ملتان آتا، اس کے مختلف قسم کے برتن یہاں تیار ہوتے تھے، خاص ملتان میں اس کا بہت بڑا اور بارونق بازار تھا، یہ بازار ملتان شہر کے بیچ میں واقع تھا اور اسی کے ساتھ ہاتھی کے دانت کا بازار تھا[1]،

ہاتھی کے دانت کا کام بھی ملتان میں بہت اعلیٰ ہوا کرتا، یہاں سے مال تیار ہو کر غیر ممالک میں بکثرت جاتا، اس میں مختلف قسم کی چیزیں ہوتیں، چھوٹے بڑے صندوقچے، ڈبیہ، چھری چاقو، اور ہتھیاروں کے دستے وغیرہ ہوتے، اس کی چوڑیاں بھی بنائی جاتیں جن کو ہندو عورتیں بکثرت استعمال میں لاتیں، چنانچہ ملتان اور کاٹھیاوار میں اس وقت تک اس کے کارخانے موجود ہیں،

پن چکی دریائے سندھ کے مغربی جانب قندھار کے علاقہ میں پون چکی کا عام رواج تھا[2]، یہ چکیاں کنوؤں پر لگا دیتے تھے، اور ہوا کے زور سے جب اوپر کا چکہ گھومنے لگتا، تو اس کے ذریعہ سے نیچے کے چکے کو حرکت ہوتی، اور پانی کے لئے جو برتن لگا ہوتا اس میں پانی بھر کر اوپر کو دو آجاتا، اور پانی انڈیل کر پھر واپس چلا جاتا، انقلاب زمانہ سے پون چکی کا تو رواج جاتا رہا، مگر پانی نکالنے کا طریقہ آج بھی پنجاب اور سندھ میں موجود ہے،

کپڑے اور فرش صوبہ سندھ میں کپڑے اور فرش بھی تیار ہوتے تھے، لیکن غالباً سندان کے مقابلہ میں یہاں کے کپڑے اچھے نہیں ہوتے، لیکن فرش بہت ہی اعلیٰ تیار ہوتے تھے اور غالباً اس کی شہرت اسی سبب سے تھی، اور بہت ممکن ہے کہ غیر ممالک کو بھی برآمد کئے جاتے ہوں،

[1] سفرنامہ اصطخری بیان سندھ ص۱۷۸ لیڈن [2] مسعودی جلد ۲ ص۸۰ لندن،

سندھ کے علماء

علماء سندھی علماء میں سب سے پہلا نام مولانا اسلامی کا لیا جا سکتا ہے، یہ دیبل کے رہنے والے تھے، محمد بن قاسم کے عہد میں مسلمان ہوئے، اور سفارت کے عہدہ پر ممتاز ہو کر راجہ داہر کے پاس بھیجے گئے تھے، اگرچہ راجہ کو صلح پر کسی صورت سے راضی نہ کر سکے، مگر اس کے دربار میں جس جرات اور ہمت سے گفتگو کی ہے، اس سے ان کی دانشمندی اور قوت ایمانیہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے[1]

موسیٰ بن یعقوب ثقفی قاضی ارور ان لوگوں میں سے ہیں کہ باوجود عرب ہونے کے بھی ان کو سندھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی پوری زندگی سندھ ہی میں بسر کی، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے[2]، ارور کے قاضی اور سندھ کے قاضی القضاۃ تھے، ان کا خاندان شمس الدین التمش کے زمانہ تک موجود تھا، چنانچہ ۶۱۳ھ میں کمال الدین اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی ایک بڑے عالم اپنے وقت کے اسی خاندان سے الور میں بعہدۂ قضا موجود تھے، چچ نامہ انہی کے بزرگوں کی لکھی ہوئی عربی زبان میں تھی، جس کو ابن علی کوفی نے فارسی میں ترجمہ کیا[3]

محمد بن ابی الشوارب قاضی منصورہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جو عراق سے ۲۸۰ھ میں سندھ آکر آباد ہو گئے[4]، بہت بڑے عالم تھے، عراق میں عموماً، اور خاص کر بغداد میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے، خلیفۂ بغداد اور عباسی شاہزادے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے اور بوقت ضرورت ان کی حاجت براری بھی کرتے، غالباً ان کے جد ان کے بیٹے علی بن محمد

[1] چچ نامہ ص ... [2] ایضاً ص ... [3] ایضاً ص ... [4] الکامل ص ... جلد ۷ لیڈن،

ابن ابی الشوارب منصورہ کے قاضی ہوئے، ان کا خاندان بھی چوتھی صدی کے ابتدائی سالوں تک رہا، جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے[1]

ایک اور عراقی صاحب علم تھے، جن کی تعلیم و تربیت اور پرورش بچپن سے منصورہ ہی میں ہوئی تھی، اس لئے عربی کے ساتھ سندھی زبان پر بخوبی عبور تھا، ۲۷۰ھ میں ارور کے راجہ نے امیر منصورہ سے اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے جب ایک شخص کی استدعا کی تو امیر نے آپ ہی کا انتخاب کیا، آپ نے سندھی میں عقائد اسلام کو نظم کر کے راجہ کے پاس بھیج دیا، جس کو اس نے بہت پسند کیا، پھر حسب طلب یہ خود اس کے دربار میں پہنچے، تو اس کو باقاعدہ قرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں پڑھایا، اور اس کی فرمائش سے قرآن کا ترجمہ یا تفسیر سندھی زبان میں تحریر کیا، اور یہ مسلمانوں کی پہلی تصنیف سندھی زبان میں ہے، اور ہندوستان میں قرآن کا پہلا ترجمہ بھی یہی تھا[2]

ملتان میں بھی ایک شاعر رہتے تھے ان کا نام ہارون بن عبداللہ ملتانی ہے، یہ بنی ازد کے موالی میں سے تھے، ان کے اشعار تاریخی کتابوں میں مذکور ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان ملتان ہی میں آباد ہو گیا تھا، کیونکہ ان کے نام کے ساتھ ہی ملتانی مشہور ہے، جیسا کہ ابودلف نے اپنے سفرنامہ میں تحریر کیا ہے[3]

چوتھی صدی کے آخر میں (۳۷۵ھ) ایک اور خاندان اہل علم کا منصورہ میں موجود تھا، یہ ابو محمد منصوری کا تھا، خود بہت بڑے عالم اور اپنے مذہب ظاہری (داؤد ظاہری) کے امام تھے، اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے، ان کا پایہ علم میں بہت بلند تھا، اسی لئے منصورہ کے قضاۃ کا عہدہ ان کے سپرد کر دیا گیا تھا[4]، ان کے نام کے ساتھ منصوری کے لفظ سے خیال ہوتا ہے

[1] تاریخ مسعودی جلد اول ص ۳۷۷ لیڈن [2] عجائب الہند ص ... لیڈن [3] ابن مہلہل بحوالہ سیر البلاد و الاقالیم [4] احسن التقاسیم ص ... لیڈن

کہ غالباً ان کا وطن منصورہ ہی تھا، اسی لئے ان کو منصوری کہا گیا،

ایک اور خاندان اہل علم کا الور (اروڑ) میں آباد تھا، جن کے نفوس قدسیہ سے آج تک لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں، یہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا قبیلہ ہے، جو دوسری صدی ہجری میں سندھ آکر آباد ہو گیا، آپ کا قبیلہ ہباری اسدی (قریشی) ہے، غالباً کچھ دنوں کے بعد سکھر کے علاقہ میں محمد تور نامی قصبہ میں جا بسا، اور پھر پانچویں صدی کی ابتدا میں وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا، جہاں آج تک ان کا خاندان موجود ہے[1]،

مہندس

اس جگہ مہندس (انجینیر) بھی تھے، جو مکانوں قلعوں کے علاوہ پل بناتے اور نہریں کھودتے، سڑکیں درست کرانے کا کام انجام دیتے تھے[2]،

ابو معشر سندھی

اب ان بزرگوں کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں جو سندھ سے باہر جا کر شہرۂ آفاق ہوئے، ان میں سب سے پہلا نام ابو معشر سندھی کا ہے، ان کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن ہے، دوسری صدی ہجری میں سندھ سے جنگی قیدیوں کے ساتھ حجاز لائے گئے، مشہور خاندانوں میں بطور غلام کے رہے لیکن ہر جگہ علمی چشمہ سے برابر سیراب ہوتے رہے، اور آخر علم حدیث، مغازی اور فقہ میں باکمال بن کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئے،

ان کے اساتذہ میں محمد بن کعب قرظی، ہشام بن عروہ اور نافع وغیرہ مشہور اشخاص ہیں، اور تلامذہ میں سے محمد بن ابی معشر، ابونعیم، وکیع، محمد بن عمر واقدی، امام سفیان ثوری جیسے بلند پایہ اشخاص کا شمار ہوتا ہے، ان کی روایت جامع ترمذی میں بھی موجود ہے، آخر عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، سندھی ہونے کے باعث بعض عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ کعب کو قعب کہا کرتے تھے،

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۰۵ [2] ص ۵۳ جلد ۱ بزرگ ص ۱۲۳۶ لیڈن،

ان کا رنگ گندمی اور جسم فربہ تھا، مدینہ میں ہمیشہ قیام رہتا، خلیفہ مہدی عباسی جو ان کا بڑا قدر داں تھا، سنہ ۱۶۱ھ میں بغداد لے آیا، اور درس حدیث کا کام ان کے سپرد کر دیا، رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں وفات پائی اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں مدفون ہوئے[1]،

ان کے بعد ان کے لڑکے ابو عبدالملک محمد بن ابی معشر بھی علم حدیث میں بڑے پایہ کے عالم ہوئے، بغداد ہی میں ان کا بھی قیام رہا، اپنے والد کی کتاب المغازی کے راوی ہیں، ابو یعلیٰ موصلی نے ان سے روایت کی ہے، ۹۹ برس کی عمر پا کر سنہ ۲۴۴ھ میں وفات پائی،

امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت دونوں کی ولادت شام اور عراق میں ہوئی، لیکن ان کے بزرگ سندھی تھے،

حافظ ابو محمد خلف بن سالم حدیث کے مشہور حافظ تھے، غلاموں کے سلسلہ میں آل مہلب سندھ سے عراق (کوفہ) لائے، یہاں حدیث کی تعلیم پا کر نامور ہوئے، پھر بغداد چلے گئے اور محلہ مخرم میں مستقل اقامت اختیار کر لی، ان کے اساتذہ میں یحییٰ بن سعید قطان اور ابونعیم مشہور لوگ ہیں، اور ان کے تلامذہ میں حاتم، ابو القاسم بغوی، احمد بن علی آبار اور عثمان دارمی جیسے صاحب کمال اصحاب کا شمار ہے، امام نسائی نے ان کی روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے، ۲۴ رمضان سنہ ۲۳۱ھ میں ۶۹ سال کی عمر پا کر بغداد میں وفات پائی[2]،

ابو نصر سندھی کا نام فتح بن عبداللہ ہے، آل حکم کے غلاموں میں تھے، آزادی کے بعد حدیث، فقہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی، حدیث کے اساتذہ میں حسن بن سفیان مشہور شخص ہیں، ان کا لقب فقیہ اور متکلم تھا، شاگردوں کا مجمع ہر وقت رہتا، چنانچہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بدمست عرب پڑا تھا، ان کو دیکھ کر اس نے کہا اے غلام میں تو زمین پر پڑا ہوں،

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۱۲ [2] خطیب بغدادی ص ۳۲۹ جلد ۸،

اور تو اس شان کے ساتھ جا رہا ہے؟ آپ نے جواب دیا، کہ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے تمہارے بزرگوں کا وطیرہ اختیار کیا، اور تم میرے باپ دادوں کے طریقے پر چل رہے ہو۔[۱]

ابو العطاء سندھی کا نام افلح بن لیسار تھا، باپ بیٹے دونوں سندھ سے بنو اسد کے ذریعہ غلاموں کے زمرہ میں کوفہ پہنچے، ابو العطاء کو ادب اور شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا، چنانچہ اس نے اس میں کمال پیدا کیا، اس کا جدید آقا عنترہ بن سماک نے اس کو آزاد کر دیا، لیکن جب اس کی بڑی شہرت ہوئی اور امرائے دولت کے درباروں سے بڑے بڑے صلے ملنے لگے، تو آقا نے اس کی آزادی کی قیمت چار ہزار وصول کی، افلح سندھی نے بھی باقاعدہ آزادی کے بعد اس کی بڑی ہجو کی،

سندھی ہونے کے سبب یہ بھی عربی کے بعض حرف کا تلفظ صحیح نہیں کرتا تھا، چنانچہ وہ حرف "ز" جیم کی جگہ استعمال کرتا، مثلاً "جوت" کو "زوت" کہتا، اسی سبب سے سلیمان بن سلیم ایک امیر سے ایک غلام حاصل کیا جس کا نام اس نے عطاء رکھا، اور اس کو متبنیٰ بنا کر خود اپنی کنیت ابو العطاء رکھی، چنانچہ وہ اسی نام سے تاریخوں میں مشہور ہوا،

شعر خود کہتا مگر عطاء لوگوں کو پڑھ کر سناتا، ایسے لوگوں کو اس زمانہ میں "راوی" کہتے تھے، یہ عطاء راوی عرصہ تک زندہ رہا بنی امیہ اور عباسیہ کی جنگ میں مارا گیا، یہ اموی شعراء میں سے ہے، النصر بن لیسار اس کا بڑا مربی تھا، عباسیوں کے عہد میں دربار منصور میں گیا تھا، مگر دشمنوں کا مداح سمجھ کر نکال دیا گیا، اسی منصور کے عہد میں اس نے وفات پائی،[۲]

اس کے علاوہ اور بہت سے صاحب علم سندھی ہوئے ہیں جن کی تصنیفات اس میں مشہور تھیں، مثلاً اسحاق متوفی ۲۳۵ھ جو عہد عباسیہ کا مشہور مغنی تھا، اس کا ایک وراق

۱؎ کتاب الانساب السمعانی ورق ۲۳۲ ۲؎ معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۵۱ ایضاً ۳؎ کتاب الاغانی ج ۱۶ صفحہ ۸۲ مصر،

سندھی ابن علی تھا جس نے ایک کتاب مغنیوں کے حالات میں لکھی تھی، اس زمانہ میں اس کا نام "کتاب الشرکۃ" تھا، یہ کتاب دس جزو پر مشتمل تھی،

اسحاق کے مرنے پر سندھی نے بغداد کے محلہ "طاق الزبل" پر وراقی کی ایک دکان کر لی تھی اور اسی پیشہ سے گذر اوقات کرتا تھا،

اسی طرح شعراء میں سے ایک ابو ضلع سندھی ہیں، جو سندھی غلاموں میں تھے، لیکن شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا، ان کی ایک تصنیف تیس ورق کی ابن ندیم کے وقت تک موجود تھی،[۱] انھوں نے ہندوستان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے،

منصور ہندی ایک اور غلام تھے جن کو علمی ذوق تھا، ان کے مالک کا نام ضعویہ تھا، انھوں نے بھی شعر و ادب کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

ابن حاجب النعمان نے اپنی کتاب میں ایک اور فاضل کا ذکر کیا ہے، جو کاتب بھی تھے، اور ادب و شعر کا بھی ذوق رکھتے تھے، ان کا نام سندھی بن صدقہ ہے، ان کی ایک تصنیف پچاس ورق کی تھی جس کا ذکر بھی اسی کتاب میں مذکور ہے،

تیسری صدی کے بعد ایک صاحب علم و فضل کشاجم محمد سندھی بن شاھک تھے جن کی ایک کتاب ایک سو ورق کی نظم میں تھی، اور ایک دوسری تصنیف ادب میں بھی تھی،[۲]

ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی بھی مشہور مصنف گذرے ہیں، جن کے باپ خالص سندھی تھے، علوم و فنون کی ترقی میں سندھی عربوں نے کس قدر حصہ لیا، اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان اس وقت تک راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ تاریخوں اور سفرناموں میں جستہ جستہ جو واقعات مذکور ہیں، ان سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں،

۱؎ الفہرست صفحہ ۱۳۲ مصر ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۴۲ و صفحہ ۲۳۶ و صفحہ ۲۴۰،

تفسیر ابھی ایک عراقی کا ذکر ہو چکا ہے، جس نے بچپن سے سندھ میں پرورش پائی اور سندھی زبان پر اس کو کافی عبور حاصل تھا، اس نے راجہ الور (اروڑ) کی فرمائش سے قرآن کی ایک تفسیر سندھی میں لکھی تھی، یہ ہندوستانی (سندھی) زبان میں پہلی تفسیر اور دوسری تصنیف ہے،

عقائد اسی مصنف نے ایک اور کتاب نظم میں والی منصورہ عمر بن عبد اللہ کے حکم سے لکھی تھی جس میں عقائد اسلام کو سندھی زبان میں اس خوبی سے نظم کیا تھا کہ پڑھنے والے پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا تھا، چنانچہ جب یہ نظم راجہ اروڑ نے پڑھی تو بہت پسند کی، اور خود شاعر کو اپنے دربار میں طلب کر کے عرصہ تک اس سے مستفیض ہوتا رہا[1]، یہ شخص سندھی زبان کا پہلا شاعر ہے، اور اس کی نظم سندھی زبان کی پہلی تصنیف ہے،

حدیث حدیث کا چرچا بھی اس ملک (منصورہ) میں زیادہ رہا، چنانچہ اکثر یہاں قاضی اہل حدیث ہوتے، قاضی ابو محمد منصوری حدیث کے بہت بڑے عالم اسی جگہ قاضی تھے، اور اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے تھے، یہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے[2]، چونکہ حدیث کا ذوق زیادہ تھا، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کتابیں زیادہ تر حدیث ہی میں ہوں گی،

فقہ حنفی داؤد ظاہری کے مذہب کے ساتھ تمام سندھ میں فقہ حنفی پر عمل ہوتا تھا، کوئی لگاؤ اور تعصب ایسا نہیں تھا، جہاں حنفی مذہب کے مقلد نہ ہوں، سندھ میں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی نہ تھا، معتزلہ اور اشاعرہ کے مناظروں کا بھی یہاں وجود نہ تھا، جس کے سبب سے یہاں کے مسلمان ہر طرح سے سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے[3]،

شاعری شاعری کے متعلق کوئی خاص تفصیل تو تاریخوں میں مذکور نہیں ہے، لیکن جو واقعات بعض بعض مقاموں پر مذکور ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں نے دونوں زبانوں میں شعر کہے

[1] عجائب الہند ص۳ لیڈن [2] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن [3] ایضاً،

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک منصورہ کے رہنے والے عرب نے سندھی زبان میں عقائد اسلام کو نظم کیا تھا، اسی طرح ہارون ملتانی بھی اپنی شجاعت اور بہادری کے کاموں کو نظم کیا کرتا تھا، ابو العطاء سندھی اور ابو ضلع سندھی دو ایسے مشہور شاعروں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جس پر سندھ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے،

اس نے ہندوستان کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس کے کچھ اشعار بطور نمونہ کے مندرجہ ذیل ہیں :-

لقد انکر اصحابی وما ذاک بالامثل ۔۔۔ اذا ما امدح الهند وسهم الهند فی المقتل

میرے دوستوں نے انکار کیا اور یہ بہتر نہیں ہے جب کہ ہندوستان اور اس کے تیر کی میدان جنگ میں تعریف کیجاتی ہے،

لعمری انها ارض اذا القطر بها ینزل ۔۔۔ یصیر الدر والیاقوت والدر لمن العطل

میری جان کی قسم! یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے، تو وہ موتی اور یاقوت اس کے لئے ہیں جو ان چیزوں سے خالی (محروم) ہیں،

فمنها المسک والکافور والعنبر والمندل ۔۔۔ واصناف من الطیب لیستعمل من یتفل

اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہیں جو گندے رہتے ہیں،

وانواع الفاویه وجوز الطیب والسنبل ۔۔۔ ومنها العاج والساج ومنها العود والصندل

اور قسم قسم کے عطریات، جائپھل، سنبل، ہاتھی کے دانت، ساگوان، عود اور صندل ہیں،

وان التوتیا فیها کمثل الجبل الاطول ۔۔۔ ومنها الببر والنمر ومنها الفیل والدغفل

اس میں توتیا، بڑے پہاڑ کے برابر، اور شیر ببر اور چیتے، ہاتھی اور اس کے بچے ہوتے ہیں،

ومنها الکرک والببغاء والطاؤس والجوزل ۔۔۔ ومنها الشجر الرانج والساسم والفلفل

یہاں کلنگ، طوطے، مور اور کبوتر ہیں، ناریل، آبنوس اور سیاہ مرچ کے درخت ہیں،

(۷) فسیفو ما الھامل افتقار استغنت عن الصیقل   وادماھم اذا اھتوت اعتزبہ الجحفل

یہاں کی تلوار ایسی ہے کہ اسکو کبھی صیقل کی حاجت نہیں ہوتی، اور نیزے اس طرح کے ہیں کہ جب وہ ہیں تو فوج ان کے ساتھ ہل جائے،

فھل ینکر ھذا الفضل الا الرجل الاخطل[۱]

تو کیا بیوقوف کے سوا کوئی دوسرا ان خوبیوں کا انکار کر سکتا ہے؟

گاہ گاہ عرب کے شعراء بھی سندھ آتے تھے، چنانچہ ابو تمام کا ہمعصر مشہور شاعر ابو عبادہ ولید بن عبید البحتری متوفی ۲۸۴ھ بھی سندھ آیا تھا[۲]، اور اس نے کچھ عرصہ تک ملتان میں قیام کیا، اس بڑے شاعر سے سندھی عربی بولنے کا فی فائدہ اٹھایا ہوگا، اور اس کی واپسی کے وقت تلامذہ اسکو الوداع کہنے کے لئے دیبل تک ساتھ ہوں گے،

بحتری کس سنہ میں ملتان آیا، کچھ صحیح طور پر نہیں معلوم ہے، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ جب کہ اس کی عمر تقریباً چالیس پچاس سال کی ہوگی، تو آیا ہوگا، کیونکہ انہی ایام میں عمر بن عبدالعزیز ہباری منصورہ کا والی بنا تھا، وہ اپنی ناموری اور سیاسی خیال سے عراق والوں کی بڑی آؤ بھگت کیا کرتا تھا، چنانچہ عراق والے اس کے بڑے مداح تھے،[۳]

شعرائے عرب بھی کبھی کبھی سندھ کے حاکموں کے پاس اپنے قصیدے بھیجتے اور ضرورت مندی اھمد کی طرف توجہ دلا کر حاجت برآری کی درخواست کرتے، چنانچہ فرزدق نے بھی ایک دفعہ تمیم بن زید عتبی والی سندھ کے نام ایک غریب عورت کی سفارش کی تھی،[۴]

مدارس عربوں کے دور حکومت میں مدرسوں کے متعلق تاریخ میں کوئی تذکرہ نظر نہیں آتا، صرف بشاری مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے، کہ منصورہ میں قاضی ابو محمد منصوری کا

[۱] آثار البلاد قزوینی ص ۸۵ [۲] معجم البلدان ص ... باب س [۳] سفرنامہ ابن حوقل لیدن ص ۲۲۶ [۴] بلاذری ص ۴۴۵ مصر،

ایک مدرسہ بھی ہے جس میں وہ خود بھی درس دیتے ہیں[۱]، لیکن یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ تین سو برس کی حکومت میں تمام صوبہ سندھ اور ملتان میں کوئی مدرسہ سرکاری یا غیر سرکاری قائم نہ کیا گیا ہو، غالب گمان یہی ہے کہ اس زمانہ کے رواج کے مطابق مدارس زیادہ تر مسجدوں میں ہوتے ہوں گے، جیسا کہ سیاح مذکور نے منصورہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ شہر علم اور تجارت کا مرکز ہے،

زبان سندھ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں وہاں کے سندھی عوام بات کرتے تھے، وہ متعدد تھی، بھاٹیہ (بھیرہ) سے لے کر سندھ کے بالائی حصہ تک تو اردھ ناگری کا رواج تھا، یعنی نصف ناگری، کیونکہ یہ مختلف زبانوں سے مل کر بیچ میل زبان بن گئی تھی، اسی زبان میں یہ لوگ خط وکتابت کرتے تھے، اور کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں،

جنوب سندھ کے ساحلی علاقوں میں ملکاری زبان کا زیادہ رواج تھا، اسی ملکاری میں تمام قسم کا لکھنا پڑھنا ہوتا تھا، لیکن منصورہ اور برہمن آباد (بھنبوا) میں ایک اور زبان رائج تھی، جس کو "سین دب" (سندھی) کہتے تھے،[۲]

یہ ملک کے اصلی باشندوں کی زبان تھی، لیکن عربوں کی زبان جو عدالت، تجارت اور تعلیم کے موقعوں پر استعمال کرتے تھے، وہ سندھ کے مختلف حصوں میں مختلف رہی ہے، تیسری صدی تک یہاں صرف دو زبان استعمال ہوتی رہی، عوام اپنی ملکی زبان بولتے اور خواص عربی اور ملکی دونوں سے واقفیت رکھتے،[۳]

چوتھی صدی کے وسط میں بھی یہی حال رہا کہ ملتان اور منصورہ کے لوگ ملکی اور عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے، لیکن مکران میں مکرانی اور فارسی رائج تھی،[۴]

[۱] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ لیڈن [۲] کتاب الہند بیرونی ص ۱۰۲ لیڈن [۳] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۷، ۳۷۸ لیڈن [۴] سفرنامہ ابن حوقل بغدادی ص ۲۲۶ لیڈن،

چوتھی صدی کے آخر میں دیلمیوں کے عروج سے سندھ پر اثر پڑا، اور فارسی زبان کا رواج شروع ہوگیا، چنانچہ ۳۷۵ھ کے قریب بشاری جب ملتان آیا ہے، تو یہاں فارسی زبان رائج ہوچکی تھی، اور یہاں کے باشندے اس کو سمجھنے لگے تھے، اسی طرح مکران میں بلوچی دیا مکرانی کا استعمال تھا، (لیکن خواص پر فارسی کا اثر تھا) لیکن منصورہ کی ریاست میں ابھی تک عربی اپنا قدم جمائے تھی، تاجر سندھی اور عربی ہی کے ذریعہ اپنا کاروبار چلاتے تھے،[1]

[1] بشاری ص۴۸۰ لیڈن،

سندھ میں رفاہِ عام کے کام

عربوں نے اپنے زمانہ میں رفاہِ عام کے متعلق کیا کیا کام انجام دئے، اس کے متعلق بعض واقعات ایسے مذکور ہیں جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے، کہ انھوں نے اس کے متعلق بہت کچھ کیا ہوگا اگرچہ معمولی بات سمجھ کر مورخوں نے اس کو قلمبند نہیں کیا، مسلمانوں کے رفاہِ عام کے کاموں میں سب پہلی چیز مساجد نظر آتی ہیں، چنانچہ عربوں نے تمام بڑے بڑے شہروں میں عالیشان مسجدیں تیار کیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا،

اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ بوقت ضرورت نہریں بھی تیار کی گئیں، جن سے ضروری کام انجام دئے گئے،[1]

دریائے سندھ پر عربوں نے پل بھی بنایا تھا، تاکہ عوام کو بھی اس پار جانے میں آسانی ہو، اور بوقت ضرورت فوجی سامان اور سپاہی بھی جلد سے جلد دریا کے اس پار پہنچ سکیں، اس پل کا نام "سکر الميد" رکھا تھا[2] اور سکھر کے پاس تھا، سکر کے نام کو دیکھتے ہوئے خیال گذرتا ہے کہ عجب نہیں یہ سکھر ہی کی خرابی "سکر" نہ ہو، اور اب جب کہ نہ وہ قدیم پل رہا، نہ مید، فقط یادگار کے طور پر لفظ سکر رہ گیا،

سیاسی اور انتظامی خیال سے جیل خانے بھی تعمیر کئے گئے؛ ان میں سے ایک جیل خانہ وسیع پیمانہ پر دیبل (دیبل) میں تیار کیا گیا، شہر میں محمد بن قاسم کے وقت سے جو مندر ویران

[1] فتوح البلدان ص۴۳۱ لیڈن [2] ایضاً،

چلا آرہا تھا، والی سندھ عنبسہ ضبی نے ۲۲۴ھ میں اس کے مینار کو گرا کر چھت سے پاٹ دیا اور اسی طرح اس بیکار اور ویران عمارت کو جیل خانہ میں تبدیل کر دیا[1]، پھر ہر شہر میں الگ الگ چھوٹے چھوٹے جیلخانے بھی موجود تھے[2]،

اس کے علاوہ ہر شہر میں اور دوسری سرکاری عمارتیں بھی جو قابلِ مرمت تھیں اسی ضمن میں درست کر لی گئیں،

سرائے (مسافر خانے)، مدارس، حمام کے متعلق اوپر گذر چکا کہ وہ مسجدوں کے ساتھ ہی تعمیر ہوا کرتے تھے، اور ممکن ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی کے آخر میں ان کے لئے علیحدہ عمارتیں بنتی ہوں، لیکن تاریخ میں ان میں سے کسی کا ذکر نظر سے اس وقت تک نہیں گذرا،

یہی حال شفاخانہ، یتیم خانہ، کتبخانہ، لنگرخانہ اور اوقاف کا ہے کہ تین سو برس کی مدت حکومت میں ان میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا، یہ کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا، لیکن کیا کیا جائے کہ تاریخ کی زبان اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے،

ڈاک

رفاہ عام کے کاموں میں ڈاک کا بھی انتظام ہے، شاہی مراسلات کے لئے ڈاک کا انتظام پیک (قاصد) کے ذریعہ تو زمانۂ قدیم سے رائج ہے، چنانچہ راجہ چچ کے زمانہ میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے، کہ اکھم لوہانہ نے راجہ چچ سے جنگ کرتے وقت اپنے نامہ بر کے ذریعہ حلیفوں سے خط و کتابت برابر جاری رکھی[3]،

عربوں کی ابتدائی حکومت میں ڈاک کا بڑا معقول انتظام تھا، ممالکِ مشرقیہ کا حاکم اعلیٰ حجاج بن یوسف ثقفی بصرہ اور کوفہ کے درمیان شہر واسط میں رہتا، اور محمد بن قاسم کبھی الور (اروڑ) کبھی برہمن آباد یا ملتان میں، مگر دونوں کے درمیان برابر خط و کتابت رہتی، ہر تیسرے دن

۱ یعقوبی جلد ۲ ص ۵۹۹ لیڈن ۲ ایضاً ص ۴۰۹ ۳ چچ نامہ ص ۲۱ قلمی،

خط لکھا جاتا جو ساتویں دن دونوں کو مل جاتا[1]، افسوس ہے کہ اس کے متعلق کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ یہ ڈاک کس طرح جاتی تھی، لیکن پہلی صدی میں بنو امیہ نے سانڈنی اور گھوڑوں کی ڈاک کا معقول انتظام کیا تھا، اغلب ہے کہ یہی نظام یہاں بھی قائم کیا ہوگا،

عباسیوں کے عہد میں اس سے زیادہ ترقی ہوئی، اور ان کا مفصل حال ملتا ہے، اس زمانہ میں باقاعدہ گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دی گئی تھی، ان گھوڑوں کا جگہ جگہ تبادلہ ہوتا، اور مرکزی مقام میں گھوڑوں کی بہت تعداد تیار رکھی جاتی، ڈاکیہ پانچ دن کی راہ ایک دن میں طے کرتا، اس سے آپ تیز رفتاری کا اندازہ لگا سکتے ہیں،

ڈاک بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے اہواز، اور اہواز سے شیراز، پھر شیراز سے سیرجان اور یہاں سے نرماشیر، پھر فہرج پھر کسر کند، اس کے بعد مکران کی بندرگاہ تیز پہنچتی، تیز سے کیز (کیچ) اور وہاں سے ارمائیل، یہاں سے دیبل، دیبل سے نیرون، نیرون سے منصورہ، پھر منصورہ سے الور، اور یہاں سے ملتان،

غرض بصرہ سے ملتان تک کی کل مسافت تقریباً چودہ سو سے کچھ زیادہ ہے، اور اوپر بیان ہو چکا کہ ڈاکیہ پانچ دن کی مسافت ایک دن میں طے کرتا، اور یہ بھی لکھا جا چکا کہ واسط سے سندھ تک حجاج کا ڈاکیہ سات روز میں ڈاک پہنچاتا تھا، اور عہد عباسیہ میں اس کو باقاعدہ کر کے ترقی اس محکمہ کو دی، ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر جو حساب لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکیہ (گھوڑے سوار) روزانہ دو سو میل طے کرتا تھا، عربوں کی تمدنی ترقی کا اندازہ آپ اسی سے لگا سکتے ہیں،

عام انتظامی حالت

سندھ اس وقت تک ایک ہی صوبہ سمجھا جاتا رہا، جب تک کہ مرکزی حکومت سے یہاں حاکم آتے رہے جس میں سندھ کے مشرقی اور مغربی دونوں علاقے شامل تھے،

۱ تحفۃ الکرام ص ۱۳ بمبئی جلد سوم،

بدھ اور کیکانان کا علاقہ کبھی براہ راست گورنمنٹ سندھ کے ہاتھوں میں رہا، اور کبھی ماتحت ریاست،

یہاں کا حاکم برہمن آباد اور منصورہ میں رہتا، حاکم کے ماتحت فوجی اور انتظامی دونوں طاقتیں ہوتیں، انتظامی امور کے بھی دو حصے تھے، مالی اور عدالتی، مال کے متعلق ایک خاص محکمہ تھا، اس کے افسر کو دیوان کہتے تھے، ہر قسم کے معاملات اسی دیوان سے تعلق رکھتے تھے، مالگزاری، جزیہ، خراج، جنگی قیدی، لوٹ کے مال کا حساب وکتاب سب اسی کے ماتحت ہوتا،[1]

عدالتی امور قاضی کے ماتحت ہوتے، دار العدالت کے علاوہ تعلیمی محکمہ کا بھی نگراں قاضی ہی ہوتا تھا، پایہ تخت کا قاضی بغداد سے آتا، اس کی نامزدگی خلیفہ کی طرف سے ہوتی،[2] چوتھی صدی کے وسط تک یہی رہا، اس کے بعد غالباً یہ رسم جاتی رہی، لیکن اروڑ کا قاضی نسلاً بعد نسلٍ محمد بن قاسم کے وقت سے چلا آرہا تھا، جو بلبن کے عہد تک تھا،[3] والی کے ماتحت متعدد حکام ہوتے، ضلع کے مرکز میں رہتے، دیبل، نیرون، سیوستان، سیسپی، کیزکان، قزدار، منصورہ اروڑ اور ملتان حاکم نشین جگہ تھی، محمد بن قاسم کے عہد سے ان مقاموں میں مستقل حاکم رہتے، جو والیِ سندھ کے ماتحت کام انجام دیتے، ان کو عامل کہتے تھے، سندھ میں اِس وقت بھی عاملوں کا خاندان موجود ہے، جو خوشحال اور تعلیم یافتہ ہے، اور زیادہ تر غیر مسلم ہے،

تاریخ میں کوئی واقعہ نظر سے ایسا نہیں گذرا جس سے یہ معلوم ہو کہ پولیس کا بھی کوئی معقول انتظام تھا، لیکن خفیہ پولیس (یا پرچہ نویس) مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی، اور ہر قسم کے ملکی حالات کی رپورٹ بھیجکر اپنے فرائض انجام دیتی،[4]

مکران اور سندھ کے حاکم بھی مقامی جاسوس مقرر کرتے، اور یہ زیادہ تر بردہ فروش تاجروں سے کام لیتے، اور اسی لئے تاجروں کے واسطے یہ حکام زیادہ تر آسانیاں اندرونِ ملک میں بہم پہنچاتے،

[1] یعقوبی جلد دوم ص ۳۰۰ [2] الکامل ج ۳ جلد ہفتم بریدہ [3] چچ نامہ قلمی [4] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۰۰ کلکتہ،

قدیم دستور کے مطابق صوبے ٹھیکے پر دیئے جاتے تھے، یعنی والی ایک خاص رقم سالانہ خلیفہ کو ادا کرتا رہے، چنانچہ سندھ اور مکران پانچ پانچ لاکھ درہم پر یہاں حاکموں کو دیے گئے،[1] اس کے علاوہ اور باقی آمدنی حاکم صوبہ اپنے تمیز اختیاری سے خرچ میں لاتا، صوبہ کے اخراجات کے علاوہ خود حاکم اور اس کے متعلقین کے ذاتی مصارف بھی اسی میں شامل ہیں،

آمدنی کے ذرائع

آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے:-

(۱) زمین کی مالگزاری (۲) غیر مسلموں سے جزیہ (۳) مسلموں سے زکوٰۃ (۴) درآمد اور برآمد کا محصول (۵) جنگ میں لوٹ کا مال،

جب سندھی عربوں نے خود مختاری حاصل کی تو ان کے انتظام میں کوئی فرق نہیں آیا، البتہ ان کا دربار عربی اور ہندی مخلوط قسم کا ہونے لگا، شاہی دربار میں ایک وزیر ہوتا، اور دوسرا امیر الامراء کے مرتبہ پر فائز ہوتا،

سواری کے لئے گھوڑے کے علاوہ بادشاہ ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتا، اور جلوس کے ساتھ باہر نکلتا، کبھی رتھ پر بھی سوار ہوتا جس کو ہاتھی کھینچتے،[2] کانوں میں ہندوؤں کی طرح بالے ڈالتا، گلے میں قیمتی ہار ہوتا، سر میں لمبے لمبے بال ہوتے، سندھی اس کو مہاراج کہتے،

خزانچی کا بھی ایک عہدہ تھا، لیکن اس عہدہ پر خالص سندھی نسل کے لوگ رکھے جاتے، کیونکہ جس خوبی سے اس کو یہ انجام دیتے تھے، دوسرے اس سے عاجز رہتے، صرافی کے معاملہ میں ان کی یہ خوبی اس قدر مشہور تھی کہ بصرہ، کوفہ، بغداد، سیراف وغیرہ میں بھی ان کی مانگ تھی، چنانچہ ان مقاموں کے بڑے تاجروں اور امیروں کے خزانچی زیادہ سندھی ہی ہوتے تھے،

غیر مسلم راجہ کی ریاست میں جو مسلمان آباد ہو جاتے ان کے مقدمات کا فیصلہ کوئی غیر مسلم

[1] المسالک والممالک لابن خردازبہ ص ۵۵ لیڈن [2] مسعودی جلد اول ص ۳۷۷-۳۸۰ لیڈن،

نہیں کرتا، بلکہ مسلمانوں ہی میں سے ایک شخص کو یہ عہدہ راجہ عنایت کرتا، اور اس عہدہ کا نام "ہنرمند" تھا، یہ ہنرمند راجہ کے ماتحت ہوتا، لیکن خود راجہ حتی الامکان اس کے فیصلوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتا، جیسا کہ وسے ہند اور قنوج کے حالات میں سیاحوں نے لکھا ہے،

منصورہ والے لباس تو بالکل عراقیوں کی طرح پہنتے، لیکن بادشاہ کا لباس ہندو راجاؤں کے مثل کرتہ اور ازار ہوتا، باقی حصۂ ملک میں ہندو اور مسلمان ایک ہی لباس استعمال کرتے، لیکن تاجر کرتہ اور لنگی پہنتے، جیسا کہ تمام فارس اور ایران میں رائج تھا، زلفیں لوگ عام طور پر رکھتے[1]

اس زمانہ کا دستور تھا کہ ہر گاؤں میں مسافر کو ایک دن رات کا کھانا دیتے، اور اگر بیمار ہو تو تین دن تین رات قیام و طعام کے علاوہ اس کی خدمت بھی کرتے[1]،

دریا کنارے کے باشندے دریا کا پانی پیتے، لیکن دریا سے دور یا بڑے بڑے شہر کے لوگ کنووں کا پانی استعمال میں لاتے، بعض جگہ تالاب، برسات کا جمع ہوا پانی، اور پٹے ہوئے حوضوں کا پانی بھی کام میں لاتے تھے،

منصورہ اور اس کے جنوب کی زمین میں گرمی بہت پڑتی تھی، اور ساتھ ہی مچھروں کا بڑا زور تھا، اور بدقسمتی سے آج بھی ان مقاموں کا یہی حال ہے، خصوصاً برسات کے موسم میں اس جگہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے، نشیب ہونے کے باعث یہاں کی زمین بڑی مرطوب ہے، اس لئے مچھر اور بیماریوں کا گھر ہے،

سکے، اوزان، مسافت

سندھ میں اپنا سکہ تھا، جو سونے اور چاندی دونوں سے ڈھالا جاتا، مگر گندھاری اور طاطری سکہ بھی یہاں رائج تھا، جو زیادہ تر تجارتی کاروبار میں کام آتا، یہ طاطری سکہ سماٹرا کے راجہ کا تھا جس کی تجارت اس عہد میں بہت ترقی کر گئی تھی،

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ ۳۰ ایڈیشن [2] چچ نامہ قلمی ۹۱،

طاطری مختلف وزن کا ہوتا، کبھی ۱½ درہم کے برابر اور کبھی ۱⅓ درہم عراقی کے مساوی ہوتا قندھاری (گندھاری) عراقیوں کے پانچ درہم کے مساوی شمار کیا جاتا، چوتھی صدی کے آخر میں جب اسمٰعیلیوں کا قبضہ ملتان پر ہو گیا، تو وہاں ایک اور سکہ رائج ہوا جس کو "قاہریہ" کہتے تھے، یہ مصر کے فاطمی ائمہ کے نام سے قاہرہ میں بنایا جاتا تھا، یہ عراق کے پانچ درہم کے برابر ہوتا[1] سونے کے سکہ کو دینار کہتے، یہ خالص سونے کا ہوتا تھا، ہندوستان کے تین دینار کے مساوی سمجھا جاتا[2]،

جواہرات تولنے کا من عام من سے مختلف ہوتا تھا، یہ ایک من ۵ یا ۵½ سیر کے برابر ہوتا[1] عربی مثقال ۴½ ماشہ کا، اور ایرانی چار ہی ماشہ کا مثقال استعمال کرتے تھے،

غلہ کا من منصورہ، ملتان، قندھار اور طوران میں جو رائج تھا، وہ کئی من کے مساوی تھا، لیکن جس پیمانہ سے ناپا جاتا اس کو "کیجی" کہتے، اس میں چالیس من گیہوں سما جاتا، اس کا رواج زیادہ تر کیج (مکران) اور طوران میں تھا، ملتان میں ایک دوسرا پیمانہ تھا جس کا نام مطل تھا، اس میں آدھ من گیہوں آتا تھا،

سندھ اور ہندوستان میں مسافت کی پیمائش کو قدیم زمانہ سے "کوس" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے، عربی میں میل کے ذریعہ، اور ایران میں فرسنگ کے ساتھ، عربوں نے اسی فرسنگ کو معرب کر کے "فرسخ" کر دیا ہے، جو تین میل عربی کے برابر ہے، لیکن سندھی فرسخ بڑا ہوتا تھا، یعنی ۸ میل کا ایک سندھی فرسخ ہوتا، یہ تفاوت اسی ہندی کوس کے سبب سے تھا جو عربی میل سے بہت بڑا ہوتا تھا،

آلاتِ جنگ اور فوج

آلاتِ جنگ میں تلوار، نیزہ، تیر و کمان، خنجر، زرہ وغیرہ تو عام چیزیں تھیں، اور یہی چیزیں عربوں کے حریف کے پاس بھی تھیں، بلکہ جنگی ہاتھیوں کے سبب سے ایک گونہ ان کو زیادہ اطمینان تھا، لیکن ہر زمانہ میں کوئی قوم دوسری قوم پر فقط اپنی بہادری ہی سے فتح

[1] المسالک الممالک اصطخری ۱۷۵ لیڈن و سفرنامہ ابن حوقل ۲۳۰ لیڈن [2] اخبار السند والہند ۱۴۰ پیرس [3] فرشتہ کے حواشی ۱۳ جلد سوم حیدر آباد [4] احسن التقاسیم ۴۸۲،

نہیں پاتی جب تک کہ علم اور آلات جنگ میں اپنے حریف سے بڑھ کر نہ ہو، عربوں کا بھی یہی حال تھا، عرب اپنے حریف سے متعدد چیزوں میں فوقیت رکھتے تھے، مثلاً ان کے گھوڑے زیادہ قد آور، بہت زیادہ چست اور انسانوں کی طرح وہ بھی جنگ آزمودہ تھے، مگر سندھیوں کے پاس ویسے گھوڑے نہ تھے، اور آج بھی عربوں کے جیسے گھوڑے دنیا میں نہیں ہوتے،

عربوں میں فتوحات کا ایک خاص ذوق تھا، اس لئے جنگی تدبیروں سے وہ بہت زیادہ کام لیتے، لیکن سندھیوں میں یہ جذبہ موجود نہ تھا، اس لئے حملہ یا مدافعت کے وقت اپنی کثرت کے بھروسہ پر جنگی تدبیروں کی پرواہ نہ کرتے،

آلات حرب میں عربوں کے پاس ایک چیز ایسی تھی جس سے سندھی بالکل ناواقف تھے، وہ آلہ منجنیق ہے،[1] جو درحقیقت گوپھن کی ترقی یافتہ شکل تھی، اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر پھینک کر شہر پناہ کی دیواروں کو توڑ ڈالتے، ہاتھی سوار اور جانوروں کو زخمی کر ڈالتے، جنگ داہر میں محمد بن قاسم کے پاس ۵ منجنیقیں تھیں جن پر پانچ پانچ سو آدمی کام کرتے تھے،

ایک دوسری چیز عربوں کے پاس "دبابہ" تھا،[1] اس کو قدیم زمانہ کا "ٹینک" سمجھو، اس سے وہی کام لیتے تھے جو کام آج کل ٹینکی سے لیا جاتا ہے، یہ گاڑی مختلف شکلوں کی بنائی جاتی، کوئی اونٹ کی، کوئی بھیڑ، کوئی سادہ مکان کے طرز کی ہوتی، اس میں مسلح آدمی بیٹھ جاتے، اور سوراخوں سے تیر انداز کرتے جاتے، اور گاڑی بھی قلعہ کی دیوار کے پاس آہستہ آہستہ پہنچ جاتی، جب دیوار سے متصل ہو جاتی، تو دیوار میں رخنہ کر کے اندر گھس جاتے،

عربوں کے پاس آتش بازی کا بھی سامان تھا، جس میں زیادہ خطرناک "روغن نفت" تھا، یہ روغن پچکاریوں کے ذریعہ گھوڑوں، سواروں، ہاتھی کے عماری اور ہاتھی پر ڈالتے، اور پھر ان میں

[1] بلاذری ص ۴۳۶ ص ۲ فتوح البلدان ص ۴۱ مصر،

آگ لگا دیتے، شعلے بھڑک اٹھتے، اور جلا کر خاک سیاہ کر دیتے، جاندار زخمی ہو کر اور سوزش زخم سے گھبرا کر بھاگ نکلتے، محمد بن قاسم نے داہر کی جنگی ہاتھیوں کی فوج کو اسی سے شکست دی تھی،

عربوں نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی فوج میں جنگی ہاتھیوں کا بھی اضافہ کر دیا، ان کے پاس بیک وقت بڑی تعداد میں ہاتھی ہوتے، ان کی سونڈوں پر ایک قسم کی خمدار تلواریں بندھی ہوتیں جس کو کرگل کہتے تھے، اور سارے جسم پر زرہ پڑی ہوتی، اس لئے تلوار، نیزہ اور تیر کا اثر جسم پر بہت کم ہوتا، اور وہ سونڈ کے کرگل سے گھوڑوں اور سواروں کو زخمی کر ڈالتا، پھر ہاتھی کے بچانے کے لئے ہر ہاتھی کے ساتھ پانچ سو پیادے ہوتے، چوتھی صدی کی ابتداء میں منصورہ کے بادشاہ کے پاس اس قسم کے اسی ہاتھی تھے جن میں سے دو ایسے نامور تھے جن کا جواب ہندوستان میں نہ تھا،

فوجی نظام یہ تھا کہ پیادہ پلٹن الگ ہوتی جس پر ایک افسر مقرر ہوتا، اور سواروں کا رسالہ جدا ہوتا، شتر سوار علیحدہ مقرر کئے جاتے، اور ہاتھیوں کے گروہ پر جداگانہ افسر ہوتا،

جنگ کے وقت سب سے آگے ہاتھی کی فوج ہوتی، اس کے پیچھے پیادہ، اس کے بعد سوار، فوج کی ترتیب اس طرح ہوتی، کہ فوج کے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ سمت میں مقرر کئے جاتے، یعنی بیچ میں سپہ سالار فوج ہوتا، اس کو قلب کہتے، اس کے دائیں طرف کے حصہ کو "میمنہ" اور بائیں کو "میسرہ" اور آگے کو مقدمہ، اور اس سے آگے کو ساقہ اور پیچھے کو محفوظہ،

آتش باز (لغت انداز) حریف کے جنگی ہاتھیوں کے مقابل، اور منجنیق انداز پیادہ اور سواروں کے درمیان ہوتے،

عرب فوجوں کا دستور تھا کہ جہاں ڈیرہ ڈالتیں اس کے چاروں طرف حفاظت کے لئے

[1] چچ نامہ قلمی ص ۸ [2] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۹ لیڈن [3] دار المصنفین میں اسلامی عہد کے فوجی نظام اور آلات و اسلحہ جنگ پر ایک مستقل کتاب بہ ترتیب ہے جو عنقریب شائع ہو گی [4] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۹ لیڈن [5] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۲۰ لیڈن

خندق کھود ڈالتیں تاکہ دشمن اچانک نہ آپڑے، اس تدبیر سے انھوں نے ہر جگہ فائدہ اٹھایا، خشکی کی باربرداری کے لئے زیادہ تر اونٹ کام میں لاتے، اور تری میں کشتیوں اور جہازوں سے کام لیتے تھے، چنانچہ انہی جہازوں پر محمد بن قاسم کا سامانِ جنگ بصرہ سے دیول آیا تھا، خشکی کے علاوہ بحری جنگ کا بھی ان کے پاس سامان ہوتا تھا، اس کے لئے چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز بھی ان کے پاس موجود تھے جنید نے انہی کشتیوں پر بیٹھ کر اروڑ کے راجہ سے جنگ کی تھی، اور انہی بڑے بڑے جہازوں پر سوار ہو کر والی سندھ نے گجرات پر حملہ کیا تھا،

جاسوسی جاسوسوں کا بھی بندوبست تھا، تاکہ حریف کی تدبیروں اور نقل و حرکت کی اطلاع ملتی رہے، محمد بن ہارون والی مکران، محمد بن قاسم ثقفی، اور جنید والی سندھ نے اس کا بڑا مکمل انتظام کیا تھا،

فوجی بھرتی میں عربوں نے کوئی تفریق نہیں کی، شروع میں تو محمد بن قاسم کے ساتھ خالص عرب تھے، لیکن محمد بن قاسم ہی کے زمانہ میں جاٹوں کی بھرتی شروع ہو گئی، چنانچہ سدوسان کے سیوستان کے چار ہزار جاٹ بھرتی ہو کر عربی لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں عربوں کے دوش بدوش راجہ داہر سے لڑتے رہے، جنید نے بھی نہ صرف سندھی فوج قائم رکھی، بلکہ اس کو ترقی دی، سندھی بالخصوص جنگ کے وقت ان فوجوں سے بڑا کام لیتا، کیرج کی فتح انہی کی بدولت حاصل ہوئی، اسی طرح فضل بن ماہان کی فوجوں میں بھی دیسی فوج شامل تھی، چنانچہ اس کی وفات کے بعد جب اس کے دونوں لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی، تو اسی دیسی فوج کے ذریعہ ایک بھائی نے دوسرے پر غلبہ حاصل کیا،

۱ بلاذری ص۴۲۳ مصر ۲ ایضاً ۳ ایضاً ص۴۳۹ ۴ ایضاً ص۴۴۳ ۵ چچ نامہ ص[illegible] ۶ بلاذری ص۴۲۸ مصر،

فوجی طاقت عربوں کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ مشکل ہے، محمد بن قاسم کے پاس آخر وقت میں پچاس ہزار فوج تھی، جنید کے پاس غالباً اس سے بھی زیادہ فوج تھی، کیونکہ سندھ میں امن رکھنے کے لئے جس قدر فوج مطلوب تھی، اس کے علاوہ اس قدر کافی فوج تھی، کہ سندھ سے براہ خشکی گجرات اور مالوہ تک کی زمین اپنے روند ڈالی، پھر جب سندھ کے متعدد ٹکڑے ہو گئے، اور ہر حصہ پر الگ الگ حکمراں ہو گئے تو فوجیں بھی سب کی علیحدہ ہو گئیں،

چوتھی صدی کی ابتدا میں منصورہ کی جو ریاست تھی، اس کے پاس چالیس ہزار پیادے، پانچ ہزار سوار، اور اسی ہاتھی تھے، اسی طرح ملتان، طوران، مکران، بودھیہ وغیرہ کی ریاستوں کی فوجیں بھی ہوں گی، جن کی تفصیل اگرچہ تاریخوں میں نہیں ملتی ہے، لیکن بعض حالات کی بنا پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ متحدہ فوجوں کی تعداد ایک لاکھ سے کہیں زیادہ ہوگی،

سندھیوں کے ساتھ عربوں کا برتاؤ عرب اس راز سے خوب واقف تھے کہ ملکی لوگوں کو جس قدر زیادہ خوش رکھا جائے گا، اسی قدر ان کی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو گی، اسی لئے انھوں نے سندھیوں کو ہر طرح مشغول رکھا، چنانچہ ابتدا ہی سے عربوں نے ان پر بھروسہ کر کے بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد کئے،

راجہ داہر کے وزیر، سی ساگر کو وزارت کے عہدہ پر برقرار رکھا، نوبہ بن ہارن کو دہلیلہ کی قلعداری عطا کی، کسکا نامی کو جو راجہ کے خاندان سے ایک لائق شخص تھا، وزیر مال بنا کر مبارک مشیر کا خطاب دیا، برہمن آباد فتح ہونے کے بعد چار معزز سندھیوں کی ایک کمیٹی بنا کر شہر کی دیوانی عدالت ان کے سپرد کی گئی، اور قلعہ کی حفاظت کے لئے چار برہمن منتخب ہوئے، جو بہت سندھی سپاہیوں کے ساتھ ایک ایک دروازے پر مامور ہوئے، اسی طرح اروڑ کا حاکم نوبہ بن دھاس

۱ مسعودی جلد اول ص[illegible] لیڈن،

کو بنایا، فیروز کی حکومت پر معبد رگن (بودھی) کو ہی مستقل طور پر رکھا،

عرب اپنے ملکی انتظام میں سندھیوں سے برابر مشورہ لے کر اس پر عمل کرتے، اور ان پر کافی بھروسہ کرتے، چنانچہ موکہ بن بسایا، وزیر سی ساگر اور مبارک کشمیر کے مشوروں سے عرب فاتح نے بڑا فائدہ اٹھایا، عربوں کے آخر زمانہ تک، مالی محکمہ سندھیوں ہی کے سپرد رہا،

فوجی عہدے بھی ان کو ملتے رہے، جنگ داہر اور ملتان میں دیسی فوجوں کی افسری سندھیوں کے سپرد تھی، جنید کے زمانہ میں بھی دیسی فوجوں کا افسر ایک سندھی "اشندھابید" نامی شخص تھا جس کو راجہ کا خطاب دے رکھا تھا،

ٹیکس

تاریخوں کے مطالعہ سے جہاں تک معلوم ہو سکا یہ ہے کہ ٹیکس صرف تین قسم کے تھے، زمین کا ٹیکس، جنگی ٹیکس (جزیہ) تجارتی ٹیکس، بوقت ضرورت تاجروں کو سرکار سے مالی امداد بھی دی جاتی تھی، تا کہ اپنا کاروبار چلا سکیں، تجارتی ٹیکس بہت ہلکا تھا، اور مالگذاری وہی لیجاتی جو راجہ کے عہد میں تھی،

کاشتکاری کی مالگذاری وصول کرنے کے لئے سندھی مقرر تھے، اور ان کی ملازمت موروثی تھی، گاؤں کی مالگذاری کا تحصیلدار گاؤں ہی کا مکھیا (چودھری) ہوتا تھا،

مذہبی آزادی

مذہبی آزادی بھی عام طور پر سب کے لئے یکساں تھی، سندھ کی عام رعایا کا مذہب بدھ تھا، ان کے وہار (خانقاہ) ہر جگہ قائم تھے، امن قائم ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے ان میں کوئی مداخلت نہیں کی، برہمنوں کے ساتھ بڑی غیر معمولی رعایت عرب حاکموں نے کی، برہمن آباد کا مندر ان کو واپس کر دیا گیا، اور سرکاری طور پر ان کو وظیفے دیے گئے، مالگذاری کی رقم میں سے تین فیصدی ان برہمنوں کو دیا جاتا،

ملتان کے مندر سرکاری نگرانی میں رکھے گئے تاکہ آمدنی اور خرچ کا حساب مکمل رہے، اس کی

آمدنی سے برہمنوں کے وظیفے پجاریوں کے اخراجات، اور مندر کے تمام ضروری مصارف پورے کئے جاتے، اس سے ہر برہمن اپنی جگہ پر مطمئن تھا،

رواداری

مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ کو جب معلوم ہوا کہ کاشت کے لئے بیل کا وجود ضروری ہے اور اس وقت اس کی بڑی کمی پڑ گئی ہے، تو فوراً سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا کہ گائے کا ذبح کرنا ممنوع ہے ۔۔۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملکی اور مذہبی معاملہ میں عرب حاکموں کو کس قدر خیال تھا،
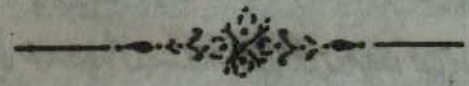
ضمیمہ

کچھ عرصہ ہوا کہ طہران (ایران) سے ایک کتاب جغرافیہ کی شائع ہوئی ہے جس کا نام "کتاب حدود العالم من المشرق الی المغرب" ہے، اصل تصنیف ۳۷۲ھ کی ہے، اور جو نسخہ روس کے کتب خانہ میں دریافت ہوا، اس کا سنہ کتابت ۶۵۶ھ ہے، اسی کو ایک روسی مستشرق بارتھولڈ نے لینن گراڈ سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا ہے،

ناظرین کی ضیافت طبع کے خیال سے اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے، لیکن اس کتاب سے چند اہم تاریخی معلومات جو حاصل ہوئے، ان کا تذکرہ بھی میں ضروری سمجھتا ہوں،

(۱) اس کتاب سے قبل جس قدر جغرافیے، سفرنامے اور تاریخ پر کتابیں ملتی ہیں، کسی میں لاہور کا ذکر نہیں ہے، یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں لاہور اور جالندھر کا ذکر ملتا ہے،

(۲) اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی اسلامی ریاست کی طاقت جو مسعودی (۳۰۳ھ) کے زمانہ سے برسر عروج ہوئی، تو وہ ۳۷۲ھ تک قائم رہی، چنانچہ ملتان سے لے کر جالندھر تک کا ملک اس کے زیر نگیں رہا، اور گو لاہور کا شہر اسلامی سلطنت میں شامل تھا، مگر اس کی کوئی زیادہ اہمیت نہ تھی بلکہ اس سے زیادہ اہمیت سرحدی شہر ہونے کے سبب جالندھر کو حاصل تھی،

(۳) اسی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ قنوج، راجہ جے پال اور امیر ملتان کی سرحدیں جالندھر کے حدود پر ختم ہوتی تھیں، خود جالندھر راجہ قنوج کے ماتحت تھا،

(۴) راجہ قنوج کا ملک کابل کی سرحد تک تھا جس میں ملتان اور ویہند شامل تھے،

(۵) راجہ جے پال جو پنجاب اور سرحد کا حاکم تھا، وہ در اصل راجہ قنوج کے ماتحت تھا،

لیکن بعد کو راجہ قنوج کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہوگیا،

(۶) بیرونی نے لکھا ہے کہ جے پال کا برہمن خاندان شاہ کابل (ترک) کا وزیر تھا جس نے موقع پا کر تخت حاصل کیا، لیکن کابل چھوڑ کر کب ہندوستان آیا، اس کی کوئی تاریخ صحیح طور پر نظر سے نہیں گذری،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں جب ہنون اور گوجروں نے کابل پر قبضہ کیا، تو یہ لوگ سندھ یا ہندوستان چلے آئے، اور اس آندھی کے فرو ہونے پر پنجاب سے لے کر سرحد کابل تک قابض ہوگئے، لیکن ایک عرصہ کے بعد جب گوجر قنوج پر قابض ہوئے تو پنجاب کا بھی رخ کیا، اور غالباً مغلوب ہو کر جے پال کے خاندان نے اطاعت قبول کر لی،

(۷) خود جے پال کے ماتحت دو قومی راجہ تھے، جو نسلاً بعد نسلٍ تخت نشین ہو کر سرحد کی حفاظت کرتے تھے، اس میں سے ایک بھیرہ کا راجہ اور دوسرا ویہند کا تھا،

(۸) اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک (۳۷۲ھ) غزنہ کی نوخیز سلطنت نے عالم اسلام میں کوئی اہمیت حاصل نہیں کی تھی، اور خود غزنہ بھی اس عہد میں کوئی مشہور شہر نہ تھا یا کم از کم اس کی کوئی وقعت اس زمانہ میں نہ تھی، اسی لئے مصنف نے کسی جگہ نہ تو غزنہ کا ذکر کیا ہے، نہ سبکتگین کا،

(۹) سب سے اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۳۷۲ھ تک ملتان میں سامہ بن لوی کا خاندان برسر حکومت تھا، اور انقلاب سلطنت اس کے بعد ہوا، اس لئے جلم بن شیبان کی حکومت ۳۷۲ھ کے بعد لینی چاہیے،
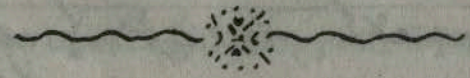
ہندستان اور اس کے شہروں کا بیان

(۳۷۲ھ)

حدود اربعہ مشرق میں چین اور تبت، جنوب میں بحر اعظم (بحر ہند) مغرب میں دریائے سندھ، شمال میں شکستان (کھم، خان ذرگستان) اور تبت کا کچھ حصہ ہے،

حالات یہ ملک بڑا سرسبز اور آباد ہے، اس میں بیشمار راجے (حکمراں) ہیں، اس ملک میں بیشمار شہر، پہاڑ، بیابان، دریا اور ریگستان ہیں، یہاں قسم قسم کی خوشبو پیدا ہوتی ہے، مثلاً مشک، عنبر، عود، کافور وغیرہ، اسی طرح مختلف اقسام کے بیش قیمت پتھر نکلتے ہیں، مثلاً یاقوت، الماس، مرجان، موتی وغیرہ، دوائیں بھی بکثرت ہوتی ہیں، اور عجیب عجیب قسم کے کپڑے یہاں بنے جاتے ہیں،

جنگل و بیابان میں مختلف قسم کے جانور بھی بہت ہیں، جیسے ہاتھی، کرگ (گینڈا)، طوطا، مور، کرکری، شارک وغیرہ، شمالی ہند کا حصہ ہندوستان کے آباد ترین ملکوں میں سے ہے، تمام ہندوستان میں نبیذ کو حرام اور زنا کو جائز سمجھتے ہیں، یہاں سب بت پرست ہیں،

۱۔ قامرون (کامروپ) ایک ایسا ملک ہے، جو ہندوستان کے مشرق میں واقع ہے، یہاں کے بادشاہ کو قامرونؔ (راجہ کامروپ) کہتے ہیں، یہاں گینڈا بہت ہوتا ہے، سونے کی کان بھی ہے، نرعود اور اسلحہ تیز کرنے کا پتھر بہت ہی اعلیٰ ہوتا ہے،

۲۔ صنف، ایک بڑا شہر ہے، جو راجہ کامروپ کے ماتحت ہے، یہاں سے عود باہر جاتا ہے، جس کو عود صنفی کہتے ہیں،

۳۔ مندل، راجہ کامروپ کے ماتحت ایک چھوٹا شہر ہے، جہاں سے عود بہت نکلتا ہے، اور اس کو عود مندلی کہتے ہیں، اور یہ دونوں شہر دریا (برہمپتر) کے کنارے واقع ہیں،

۴۔ فنفور۔ یہ ایک بڑا شہر ہے، اور تجارت کی منڈی ہے، یہاں کافور کی پیدائش بہت ہے، بندرگاہ بھی ہے، اس شہر کے بادشاہ کو سلوہا کہتے ہیں[1]، اس کی علاوہ ایک سلطنت ہے، اور اس کے ماتحت دس راجے ہیں، ان سب کے مجموعہ کو "مملکت فنفور" کہتے ہیں،

۵۔ ہنجیرہ۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جس کا بازار تین میل کا ہے، سلوہا کے ماتحت یہ آباد اور مالدار شہر ہے،

۶۔ قمار۔ ایک بڑا شہر ہے، یہاں کے بادشاہ ہندوستان کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ عادل ہوتے ہیں، تمام ہندوستان میں زنا حلال ہے، مگر اس ملک میں حرام، یہاں کے بادشاہ ہاتھی کے دانتوں اور عود قماری کی بخشش کرتے ہیں، منیاس، ہرکند، اور شین، ہمند، اندرس، دریا کنارے یہ پانچ بڑے شہر ہیں، یہاں کے بادشاہ کو "دھم"[2] کہتے ہیں، اور یہ اپنے کو سب سے بڑا سمجھتا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس تین لاکھ لشکر ہے، اور تمام ہندوستان میں کامروپ اور قمار سے بڑھ کر عود نہیں پیدا ہوتا، یہاں روئی بھی اچھی پیدا ہوتی ہے، اس کا بڑا درخت ہوتا ہے، اور سالہا سال اس سے روئی حاصل ہوتی ہے،

۷۔ مال۔ اس ملک میں سپید مہرہ بہت ہوتا ہے، اس کو بوق کی طرح بجاتے ہیں، اس کا نام "سنکھ" ہے، اس ملک میں ہاتھی بھی بہت ہوتے ہیں،

۸۔ طوسول۔ چین سے ملا ہوا ایک بڑا خطہ ہے، ان دونوں کے درمیان ایک پہاڑ حد فاصل ہے

---

[1] شاید بدھ راجہ کا لقب تھا جس کو "ستوہ" کہتے تھے، چینی مسافر ہیونگ سانگ نے اس کا ذکر کیا ہے[2] شاید حرما یا برما جیسا کہ سلیمان بصری وغیرہ نے لکھا ہے، یہ مشرقی بنگال کا علاقہ ہے، جو سمندر سے لے کر سرحد چین تک تھا۔

گندمی رنگ کے لوگ آباد ہیں، جو روئی کے کپڑے پہنتے ہیں،

۹۔ موسہ۔ ایک خطہ ہے جو چین اور طوسول سے ملا ہوا ہے، اس میں مضبوط قلعے اور بلند مکانات ہیں، یہاں سے مشک بہت نکلتا ہے،

۱۰۔ مانک، چین اور موسہ سے متصل یہ ملک واقع ہے، ان تینوں ملکوں سے چینی جنگ کرتے رہے ہیں،

۱۱۔ نوبین۔ مملکت دھم (دہمی) کی سرحد ہے، سراندیپ میں غلہ زیادہ تر اسی جگہ سے جاتا ہے،

۱۲۔ اور شفین، یہ ایک جزیرہ نما شہر ہے، جہاں کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے، جس دریا کے کنارے یہ شہر آباد ہے، اس کو لوگ بحر الاہناب کہتے ہیں، اور یہاں کی ملکہ کو سرانیہ کہتے ہیں، جو ان پر حکمراں ہے، اور یہاں اس قدر طاقتور ہاتھی ہوتے ہیں کہ ہندوستان میں ان کا کوئی نظیر نہیں، یہاں ببل اور نیزے بھی ہوتے ہیں،

۱۳۔ لمی۔ اس نام کے دریا کنارے چار شہر ہیں، جو ولبھ رائے کی حکومت میں داخل ہیں، ببل اور نیزہ خوب ہوتا ہے،

چیمور، سندان، سوپارہ، کنبھائت یہ چاروں شہر سمندر کے کنارے واقع ہیں[1]، ان میں ہندو مسلمان دونوں رہتے ہیں، یہاں جامع مسجد اور مندر دونوں ہیں، یہاں کے لوگ بال رکھتے ہیں، اور ہر وقت ازار پہنتے ہیں، یہاں کی ہوا گرم ہے، اور ولبھ رائے کی سلطنت میں یہ تمام شہر داخل ہیں، انہی کے نزدیک پہاڑ ہیں، جہاں بید، نیزہ، ببل، جو ہندی ناریل بہت ہوتے ہیں، کنبھائت سے جوتے سارے جہان کو برآمد کئے جاتے ہیں،

کاہل۔ آباد اور پر رونق شہر ولبھ رائے کی حکومت میں ہے،

[1] یہ سب گجرات میں واقع ہیں،

بابیہ۔ خوشحال شہر ہے، جہاں کا بادشاہ مسلمان ہے، عمر بن عبدالعزیز جس نے بغاوت کر کے منصورہ (پایہ تخت سندھ) پر قبضہ کر لیا تھا، اسی شہر کا رہنے والا ہے[1]،

قندھار۔ بہت بڑا شہر ہے، جس میں چاندی اور سونے کے بیشمار بت ہیں، یہ برہمنوں اور رشیوں کی جگہ ہے، یہ زرخیز اور پر رونق شہر ہے، اور وسیع خطہ زمین کا اس میں شامل ہے[2]،

بلہاری۔ بہت بڑا اور آباد شہر ہے، اور تجارتی منڈی ہے، ہندوستان، خراسان اور عمان کے تاجروں کی ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہے، یہاں مشک کی تجارت خوب ہوتی ہے،

رنبیک۔ آباد شہر ہے، یہاں سے منقش پگڑی اور نگین ساڑی کی برآمد خوب ہوتی ہے، اور یہ دونوں شہر ولبھ رائے کی حکومت میں داخل ہیں، اور اس بادشاہ کے جد قنوج کے بادشاہ کا [illegible]

فمہ۔ ایک چھوٹا شہر ہے، جہاں موتیوں کی درآمد خوب ہوتی ہے،

فالمین۔ چھوٹا مگر آباد شہر ہے، مخمل، منقش پگڑی، رنگین ساڑی اور دواؤں کی تجارت خوب ہوتی ہے،

قنوج۔ یہ بڑا شہر راجہ قنوج کا پایہ تخت ہے، ہندوستان کے اکثر راجہ اس کی اطاعت کرتے ہیں، خود راجہ اپنے کو سب سے بڑا جانتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار سوار ہیں، اور آٹھ سو جنگی ہاتھی رکھتا ہے، جن پر سوار ہو کر میدان جنگ میں نکلتا ہے،

بلری، کالری، قرمی، اور، یہ چاروں شہر سندھ میں شامل ہیں، لیکن دریائے سندھ اس کے دوسرے پار ہے، یہ پر رونق شہر ہیں، ہندوستان کے جہاز یہاں ٹھہرتے ہیں، مگر عالم نشین جگہ نہیں ہے، البتہ اور میں دوہری مضبوط فصیلیں ہیں، اور زمین یہاں کی نمناک ہے،

بسمد۔ چھوٹا مگر پر رونق شہر ہندوستان کا ہے،

ملتان۔ ہندوستان کے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہے، یہاں ایک بڑا بت ہے جس کی

[1] یہ شہر قدیم زمانہ سے سندھ میں داخل ہے [2] بعض سندھ اور بعضوں نے ہندوستان میں اس کا شمار کیا ہے،

یاترا کے لئے تمام ہندوستان سے لوگ آتے ہیں، اور اس بت کا نام "مولتان" ہے، یہ مضبوط اور ریگستانی جگہ ہے، یہاں کا بادشاہ قریش خاندان سے سامہ قبیلہ کا ہے، وہ اپنے لشکرگاہ میں رہتا ہے، جو ملتان سے لو امیل پر واقع ہے، خطبہ المعز باللہ کا یہاں پڑھا جاتا ہے،

جندرود۔ ایک بہت ہی چھوٹا شہر، ملتان کے پاس واقع ہے،

لاہور۔ ایک بڑا شہر ہے، جس کے متعلق ایک وسیع خطہ ہے، اس کا بادشاہ (حاکم) امیر ملتان کے ماتحت ہے، اس کے اندر بازار اور بتخانے ہیں، چلغوزہ، بادام، ناریل کے درخت بے شمار ہیں، یہاں کے باشندے بت پرست ہیں، اور یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے،

رامیان۔ ایک ٹیلے پر یہ شہر آباد ہے، یہاں تھوڑے مسلمان بھی رہتے ہیں، جن کو لوگ "سالہاری" کہتے ہیں، باقی ہندو ہیں، یہاں تجارتی کشتیاں بکثرت آتی ہیں، یہاں کا بادشاہ (حاکم) امیر ملتان کے ماتحت ہے، شہر کے دروازہ پر ایک مندر ہے، جس میں سونے کا ایک بت بنا ہوا ہے، جس کی شہر والے بڑی عزت کرتے ہیں، تیس عورتیں خاص اس کام کے لئے مقرر ہیں کہ بت کے گرد ڈھول اور ساز کے ساتھ ناچیں، اور گائیں بجائیں،

جالندھر۔ پہاڑ پر یہ شہر آباد ہے، جہاں کی آب و ہوا سرد ہے، یہاں مخمل اور دوسرے قسم کے سادہ اور منقش کپڑے بہت بنے جاتے ہیں، رامیان اور جالندھر کے درمیان پانچ دن کی راہ ہے، تمام راستوں پر ہلیلہ، بلیلہ اور آملہ اور دوسری دواؤں کے درخت لگے ہوئے ہیں، جو یہاں سے ساری دنیا میں جاتے ہیں، اور یہ شہر راے قنوج کے حدود میں داخل ہے،

سلاپور۔ یہ بڑا شہر تجارتی منڈی ہے، جس میں بڑے بڑے بازار ہیں، یہاں کا حاکم راے قنوج ہے، راے قنوج کے سکے مختلف قسم کے ہیں، جن سے لین دین ہوتے ہیں، مثلاً باادہ، ناخوار، شبانی، کبھورہ، کورہ، ان میں سے ہر ایک کا وزن جدا جدا ہے، یہاں

بہت سے مندر ہیں، اور یہاں کے عالموں کو "برہمن" کہتے ہیں، شکر، مصری، شہد، ناریل، گائے، بکری اور اونٹ بہت کثرت سے یہاں ہوتے ہیں،

برھیون۔ مسافرخانہ کے طرز کا یہ ایک شہر ہے، سال میں چار دن بازار تیز ہو جاتا ہے، یہاں سے قنوج نزدیک ہے، اور راے قنوج کے حدود میں داخل ہے، یہاں تین سو مندر ہیں، یہاں ایک کنڈ بھی ہے، کہتے ہیں کہ جو کوئی اس میں ایک دفعہ غسل کر لے تو کوئی آفت اس کو نہ پہنچے،

یہاں کا یہ بھی دستور ہے کہ جو کوئی حاکم یا امیر مر جاتا ہے، تو اس کے باڈی گارڈ (محافظ) کے لوگ بھی اس کے ساتھ اپنی جان دیتے ہیں، یہاں کا حاکم تخت پر بیٹھتا ہے، اور جہاں کہیں جانا چاہتا ہے، لوگ اس کو کندھے پر رکھ کر اٹھائے لے جاتے ہیں[1]، اس شہر اور تبت کے درمیان ۵ روز کا فاصلہ ہے،

ھیتال۔ مملکت قنوج سے متصل ایک چھوٹا ملک ہے، جس کے درمیان ایک بڑا پہاڑ ہے، یہاں کے لوگ زیادہ تر جنگی ہوتے ہیں، اور حکومت اطراف کے بادشاہوں کی ہے، راے قنوج سے اس کی سخت دشمنی ہے،

طیشال۔ ہیتال سے متصل ایک ملک ہے، ان کے درمیان ایک دشوار گذار پہاڑ ہے، یہاں کے لوگ اپنے اپنے بوجھوں کو پیٹھ پر لاد کر اس پہاڑ کو طے کرتے ہیں، غیر شاداب جگہ ہے،

ہیتال۔ طیشال سے ملی ہوئی ایک منڈی ہے، یہاں تمام دنیا کے تاجر جمع ہوتے ہیں، اور بکثرت یہاں سے مشک باہر لیجاتے ہیں، اس کے بعد شمال مغرب کے غیر معروف ملکوں کے نام اور مختصر حالات تحریر ہوئے ہیں جن کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا،

---

[1] یہ چیز ہندوستان میں مختلف طرز پر رائج ہے، اور سب کا نام الگ الگ ہے، مثلاً عورتوں کے لئے جو چیز مستعمل ہے اس کو ڈولی اور محافہ کہتے ہیں، مردوں کے لئے پالکی، نالکی، بارہ دری، تام جھام مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، جن کو دو سے لے کر ۲۰ نفر تک اٹھاتے ہیں، اٹھانے والے خاص کر یہی پیشہ کرتے ہیں اور ان کو "کہار" کہا جاتا ہے،

فیروزہ۔ (پیروزہ) حدود ملتان کے اندر واقع ہے، ہندوستان کے تمام تجارتی جہازات یہاں آکر ٹھہرتے ہیں، یہاں مندر بھی متعدد ہیں،

لمغان۔ دریا کے کنارے بیچ راہ (جو غزنہ کی طرف جاتی ہے) میں ایک شہر ہے، جو ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے، یہ تجارت کی منڈی ہے، یہاں بھی مندر متعدد ہیں،

دینور۔ اسی کے برابر ایک شہر دریا کنارے واقع ہے، تجارتی منڈی بھی ہے، لوگ خراسان سے آتے ہیں، مندر بھی بہت ہیں، اور ان دونوں شہروں میں بہت سے مسلمان تاجر مقیم ہیں، خوشحال اور آباد شہر ہے،

دے ہند۔ دے ہند بڑا شہر ہے، یہاں کا حاکم راجہ جے پال ہے، اور خود جے پال راجہ قنوج کے ماتحت ہے، یہاں مسلمان تھوڑے رہتے ہیں، اور ہندوستان کے جہاز زیادہ تر اسی جگہ آکر ٹھہرتے ہیں، مشک، موتی، اور قیمتی کپڑوں کی تجارت ہوتی ہے،

قشمیر۔[1] یہ ایک بڑا خوشحال شہر ہے، جہاں تجار بکثرت رہتے ہیں، یہاں کی حکومت راجے قنوج کے ہاتھ میں ہے، یہاں بہت سے مندر ہیں جن کی زیارت کے لئے ہندو دور دور سے آتے ہیں،

سندھ | سندھ کے متعلق مصنف کا خیال ہے کہ وہ دریائے سندھ کے پار کے علاقہ کا نام ہے، اسی سبب سے اس نے ویہند کو ہند کے سلسلہ میں لکھا ہے، اور سندھ کا حدود اربعہ سطر ذیل تحریر کیا ہے، اس ملک کے مشرق میں دریائے سندھ، اور جنوب میں دریائے اعظم (بحر عرب) مغرب میں کرمان، اور شمال میں وہ بیابان ہے، جو خراسان سے متصل ہے،

---

[1] قشمیر سے مراد وہ کشمیر تو نہیں ہو سکتا جو اس وقت پنجاب کے اوپر ایک ریاست کی صورت میں ہے، جس کا پایہ تخت سری نگر ہے، بلکہ اس سے مراد کشمو یا کشمور ہے جو آجکل ضلع جیکب آباد میں واقع ہے، اور قدیم زمانہ میں ریاست دے ہند سے متصل تھا،

یہ گرم ملک ہے، جس میں بیابان زیادہ اور پہاڑ کم ہیں، یہاں کے باشندے گندمی رنگ کے ہیں، دبلے اور تیز دوڑنے والے، چمڑہ، چیتے، خرما اور مصری کی برآمد خوب ہوتی ہے،

منصورہ۔ مثل جزیرہ کے سندھ دریا کے اندر ایک بڑا شہر واقع ہے، جو خوب آباد ہے، اور تاجروں سے بھرا ہوا، آبادی مسلمانوں کی ہے، اور یہاں کا بادشاہ قریشی خاندان سے ہے،

منجابری اور سدوسان۔ یہ دونوں آباد شہر دریائے سندھ کے کنارے ہیں،

نوروز اور سواہی۔ یہ دونوں بھی سندھ کے شہروں میں سے ہیں، دریائی تاجروں کا مرکز ہیں، مگر خوشحالی کم ہے،

دیول، (دیبل) سمندر کے کنارے سندھ کی ایک بڑی بندرگاہ اور تجارتی منڈی ہے، جہاں خشکی اور تری (ہند وغیرہ ممالک) کے اسباب (سامان) آتے ہیں،

قنبلی، اور ماپل۔ کران کی سرحد پر دو شہر سمندر سے نزدیک ہیں، جس کے دوسرے کنارے پر بیابان ہے،

تیز۔ سندھ کے شہروں میں سب سے پہلا شہر ہے، جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے، اور گرم ملک ہے،

کیز، کوشک قند، بہ، ابند، درک، اسکف۔ یہ سب حدود کران کے اندر داخل ہیں اور ساری دنیا میں جو مصری یا شکر جاتی ہے، ان کا بڑا حصہ انہی مقامات سے برآمد ہوتا ہے، کران کا بادشاہ کیچ (کیز) میں رہتا ہے،

راسک۔ خروج کے ملک کا صدر مقام ہے یہاں کی آبادی بہت ہے، اور تجارتی منڈی بھی ہے،

مشکی۔ بیابان میں ایک چھوٹا سا شہر ہے،

پنج پور۔ سندھ کا بہت بڑا شہر ہے، جو دریائے سندھ کے اس طرف واقع ہے،

بچلپورہ۔ خروج کے متعلق ایک شہر ہے، جہاں خوشحالی کم ہے،

محالی، مندان، کیج کانان دکیرکانان یاقیقان) اور شورہ، ملک طوران کے خوشحال شہر ہیں، یہاں جانوروں کی بڑی کثرت ہے، یہاں آبادی میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہے، پلکا بھی بہت ہیں، بادشاہ کا پایہ تخت کیرکانان ہے،

ابل۔ علاقہ بدھ کا ایک شہر ہے، جو بہت ہی سرسبز و شاداب اور خوشحال ہے، یہاں مسلمان رہتے ہیں،

قندابیل۔ دگنداوی) بہت بڑا آباد اور خوشحال شہر ہے، جو بیابان میں واقع ہے، یہاں سے غلہ بہت برآمد ہوتا ہے،

فہرست مآخذ

(جن سے اس کتاب میں مدد لی گئی)

(عربی)

۱	ابن ماجہ	۱۷	تقویم البلدان ابوالفداء
۲	کتاب الخراج	۱۸	معجم البلدان یاقوت حموی
۳	طبقات ابن سعد جلد پنجم قسم دوم	۱۹	المسالک والممالک لابن خردازبہ
۴	تہذیب التہذیب جلد سوم	۲۰	عجائب الہند،
۵	اخبار الحکما، قفطی،	۲۱	الاعلاق النفیسہ،
۶	عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ،	۲۲	نزہتہ الافکار (قلمی)
۷	الکامل لابن اثیر،	۲۳	سفرنامہ ابن بطوطہ
۸	مروج الذہب مسعودی،	۲۴	سفرنامہ ابواسحاق اصطخری،
۹	تاریخ یعقوبی لابن واضح،	۲۵	سفرنامہ ابن حوقل بغدادی
۱۰	ابن خلدون جلد سوم	۲۶	احسن التقاسیم بشاری مقدسی
۱۱	تاریخ الخلفاء سیوطی	۲۷	معجم الامکنہ لنزہتہ الخواطر
۱۲	ظفر الوالہ جلد دوم	۲۸	مراصد الاطلاع جلد دوم،
۱۳	فتوح البلدان بلاذری	۲۹	کتاب الفہرست لابن ندیم،
۱۴	تاریخ یمینی للعتبی،	۳۰	کتاب الہند ابوریحان بیرونی
۱۵	اعلام بیت اللہ الحرام	۳۱	کتاب الہند والصین (قلمی دارالمصنفین)
۱۶	سلسلۃ التواریخ مطبوعہ پیرس	۳۲	اغانی جلد ۱۲
		۳۳	عقد الفرید جلد اول،

(فارسی)

- ۳۴ تحفۃ الکرام جلد سوم
- ۳۵ طبقات اکبری
- ۳۶ مآثر رحیمی
- ۳۷ مرأۃ الاسرار
- ۳۸ طبقات ناصری
- ۳۹ معصومی
- ۴۰ فرشتہ جلد اول،
- ۴۱ تاریخ فیروز شاہی عفیف سراج
- ۴۲ منتخب التواریخ بدایونی
- ۴۳ مرأۃ مسعودی
- ۴۴ آئینِ اکبری
- ۴۵ زین الاخبار
- ۴۶ چچ نامہ (قلمی دار المصنفین)
- ۴۷ سیر البلاد اقلیم دوم (قلمی)
- ۴۸ سبعۃ الاقالیم (قلمی)
- ۴۹ مخزن الادویہ
- ۵۰ دیوان فرخی،

(انگریزی)

- ۵۱ تاریخ ہند مصنفہ الیٹ صاحب
- ۵۲ بھنڈارکر کا مضمون بمبئی یونیورسٹی،
- ۵۳ سائیکس کی کتاب پرشیا
- ۵۴ سلطان محمود کی لائف مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر ناظم صاحب
- ۵۵ انڈین امپائر مصنفہ ہنٹر صاحب
- ۵۶ تاریخ الفنسٹن حصہ پنجم
- ۵۷ انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۵

(اردو)

- ۵۸ جغرافیہ سندھ
- ۵۹ تاریخ جوناگڈھ سورٹھ
- ۶۰ عرب و ہند کے تعلقات سید سلیمان ندوی
- ۶۱ تاریخ ہند ہاشمی صاحب
- ۶۲ جغرافیہ خلافت مشرقی (ترجمہ)
- ۶۳ تاریخ سندھ مولفہ مولانا عبد الحلیم شرر
- ۶۴ اسماعیلی (ترجمہ اردو)

(گجراتی)

- ۶۵ پراچن اتہاس
- ۶۶ موسم بہار، تاریخ فرقۂ اسماعیلیہ،
- ۶۷ کوکبِ فلک